نقشِ قدمِ رسول ﷺ

The Traces of The Prophet(pbuh)

باب اول

احوالِ ائمہ تفسیر و فنِ تفسیر

Biography of Scholars of Quran
and
Science & Art of Quran

جملہ (109) مفید سوالات وجوابات پر مشتمل

(عہدِ رسالتؐ تا عصرِ حاضر)

مرتبہ

سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری M.S (ECE)

سابق مہتمم پولس۔ حیدرآباد

نقشِ قدمِ رسول ﷺ

The Traces of The Prophet (pbuh)

باب اول

احوالِ ائمہ تفسیر وفنِ تفسیر

Biography of Scholars of Quran
and
Science & Art of Quran

جملہ (109) مفید سوالات وجوابات پر مشتمل

(عہدِ رسالتؐ تا عصرِ حاضر)

مرتبہ

سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری M.S (ECE)

سابق مہتمم پولس۔حیدرآباد

سلسلہ اشاعت لطیف اکیڈیمی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اسم تصنیف : نقشِ قدمِ رسول (باب اول)
ائمہ تفسیر وفن تفسیر القرآن

اسم تالیف : سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری قادریؔ

موضوع : تفسیر القرآن

سنِ اشاعت : ۱۴۳۱ھ م 2010ء

رسمِ اجراء : بہ موقع عرس شریف مرشدی ومولائی حضرت بحر العلوم حسرتؔ علیہ الرحمۃ
بدست حضرت محمد غوث محی الدین صدیقی مدظلہ عالی
فرزند وجانشین حضرت حسرتؔ

باراول : 200 (دوسو)

صفحات :227

کمپیوٹر کتابت :ٹرائی اسٹار گرافکس۔ 16-3-992/5/A چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔فون 9247890253

ناشر :لطیف اکیڈیمی اینڈ پبلشرز
ٹولی چوکی، حیدرآباد۔(انڈیا) فون: 040 23568160

ہدیہ : Rs. 125/-

۔: ملنے کے پتے:۔

01 Lateef Academy
Quadri Manzil , 9-4-135/A/5
Raghawa Colony, Toli Chowki , Hyderabad-500 008
Ph: 23568160
Cell : 9490754160

02 Dr. Mohd Abdul Quadeer Siddique
Astana-e- Izzat, Siddique Gulshan, Bahadur Pura, Hyderabad.
Ph: 98850 20384 , 98854 18281

03 Hyder & Sons
Book Seller & Publishers
Machli Kaman, Hyderabad
Ph: 24578494

Email Mlsquadri@gmail.com
www.lateefacademy.com http://www.lateefacademy.com

کُل سوالات، نقشِ قدم رسول (ائمہ تفسیر وفن تفسیر)

سوال نمبر	P.No
سوال :1:۔تفسیر کے لغوی واصطلاحی معنیٰ سمجھاؤ۔تفسیرِ قرآنِ عہد رسالتؐ،عصر صحابہؓ وعصر تابعین کے متعلق مختصر بیان کرو؟	11
سوال :2:۔تفسیرِ قرآن کے عصر تدوین میں اوراس کے بعد عصر حاضر تک کے حالات پر مختصر روشنی ڈالو؟تفسیری تصانیف کے لحاظ سے تفسیر کی کتنی اقسام ہوسکتی ہیں؟	12
سوال -3:۔ تفسیر قرآن کا نصبُ العین کیا ہونا چاہئے؟ قرآن کریم کی حفاظت اس کی فصاحت وبلاغت،کلام الٰہی اور سنت نبوی کے ربط اور اہمیت کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟	15
سوال-4:. اُمّیتِ رسول ﷺ سے مراد کیا ہے؟	19
سوال-5:. کیا قرآن کریم کا ایک عظیم معجزہ ہونا خود اعجازِ قرآن ہونا نہیں؟	20
سوال -6:. قرآن کے الفاظ اور اسکے پڑھنے کے لہجہ کی اللہ تعالیٰ ورسول مکرم ﷺ کس طرح حفاظت کا انتظام فرمائے تھے؟	20
سوال-7:۔تصوف ہے کیا چیز؟ تصوف کے متعلق مختصر روشنی ڈالو؟	22
سوال -8:۔ تفسیر یا تفسیری ترجمہ کرتے وقت لغات قرآن کا کس قدر خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔لغات قرآن کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالو؟	24
سوال-9 :۔ تفسیر قرآن اور تاویل قرآن سے مراد کیا ہے،اِن دونوں میں فرق وامتیاز بیان کرو؟	26
سوال .10.:۔قرآن کریم کے ترجمہ کی کتنی قسمیں ہیں مثال کے ذریعہ واضح کرواور بتاؤ کہ تفسیر اور تفسیری ترجمہ میں کیا فرق ہوتا ہے؟	28
سوال. 11:۔تفسیری ترجمہ کرنے کے لئے کن شرائط کوملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے؟ تفسیر کی ضرورت واہمیت پر مختصر روشنی ڈالو؟	30
سوال-12:۔عہد رسالت مآب ﷺ میں فہم قرآن کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟	33
سوال.13:عہد رسالت ﷺ میں تفسیر قرآن کے سلسلہ میں کن مصادر پر اعتماد کیا جاتا رہا واضح بیان کرو؟	33
سوال. 14:. تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صلاحیتِ مفسر صحابہ کرامؓ کی خصوصیت واہمیت جو علمائے کرام کی نظر میں ہے اس پر مختصر بیان کرو؟	45

سوال نمبر	P.No
سوال.15:۔مشاہیر مفسر صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی بیان کرو؟	47
سوال۔16:۔تفسیر قرآن کے سلسلہ میں حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور آپؓ کی صلاحیت وعظمت کا تذکرہ کرو؟	48
سوال.17:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا بحثییت مفسرِ قرآن تفصیلی جائزہ لو؟	51
سوال.18:حضرت ابن عباسؓ کی علمی فضیلت اور اسکے اسباب پر روشنی ڈالو؟	52
سوال.19:. حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات اور اُن کے طرق واسانید کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟	56
سوال.20: حضرت ابن عباسؓ پر کثرت وضع کے اسباب و وجوہ کیا تھے؟	57
سوال.21:. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شخصیت بحثییت مفسرِ قرآن کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	57
سوال.22:. حضرت ابن مسعودؓ کے مبلغ علم ہونے کے تعلق سے علماء کا نکتہ نظر بیان کرو؟	59
سوال.23:۔حضرت اُبی بن کعبؓ کی شخصیت بحثییت مفسرِ قرآن، آپؓ کا مقام ومرتبہ کے بارے میں تذکرہ کرو؟	61
سوال-24:. عصرِ تابعین میں قرآن کے مصادر اور تفسیری خصوصیات کے متعلق مختصر تبصرہ کرو؟	63
سوال-25:. عصر تابعین میں تفسیر ماثورہ اور اس کی اہمیت کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟	64
سوال-26:. عصر تابعینؒ میں مدارس تفسیر کن صحابہ کرام کی نگرانی میں قائم ہوئے اور ان کے مشہور تلامذہ کے اسماء کیا ہیں؟	65
سوال-27:۔ مفسر تابعیؒ حضرت سعیدؒ بن جبیر کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	67
سوال-28:. مفسر تابعیؒ حضرت مجاہدؒ کی شخصیت اور تفسیر قرآن میں اُن کے مقام کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	68
سوال-29:. مفسر تابعیؒ حضرت عکرمہؒ کی شخصیت اور تفسیر میں آپؒ کا مقام کے بارے میں مختصر تذکرہ؟	69
سوال-30:. مفسر تابعیؒ حضرت طاؤس بن کیسان یمانیؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	71
سوال-31:۔مفسر تابعیؒ حضرت عطاءؒ بن ابی رباح کی شخصیت مرتبہ کے متعلق مختصر تبصرہ کرو؟	72
سوال-32:۔ مفسر تابعیؒ حضرت ابوالعالیہؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	73
سوال-33:۔مفسر تابعیؒ حضرت محمد بن کعب القرظیؒ بحثییت مفسر قرآن مختصر تذکرہ کرو؟	73
سوال-34:مفسر تابعیؒ حضرت زید بن اسلمؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	74
سوال.35:۔مفسر تابعی حضرت علقمہ بن قیسؒ کی شخصیت کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟	75

سوال نمبر	P.No
سوال-36:۔مفسر تابعی حضرت مسروقؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔	75
سوال-37:۔مفسر تابعی حضرت اسود بن یزیدؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟۔۔۔۔۔	76
سوال-38:۔مفسر تابعی حضرت مرّہ ھمدانیؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔	77
سوال-39:۔مفسر تابعی حضرت عامر شعبیؒ کی شخصیت کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔	77
سوال-40:۔مفسر تابعی حضرت حسن بصریؒ کی شخصیت اور تفسیر قرآن میں آپؒ کا مقام کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟	78
سوال-41:۔مفسر تابعی حضرت قتادہؒ کی شخصیت اور تفسیر قرآن میں آپؒ کا مقام کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟	79
سوال-42:۔تفسیر قرآن بالماثور کے سلسلہ میں تابعین مفسرین کے اہم رول اور تفسیر میں اختلافِ سلف کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	80
سوال-43:۔عصر تدوین تفسیر قرآن کے پہلے مرحلہ میں اکابر علماء و ائمہ مفسرین کے اسماء اور اُنکی تفسیری خدمات کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	83
سوال-44 :۔حضرت وکیع بن الجراح علیه الرحمة کی تفسیری خدمات کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	84
سوال-45:۔حضرت سفیان بن عیینه علیه الرحمةکی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	85
سوال-46 :۔حضرت شعبہ بن الحجاج علیہ الرحمۃ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟۔۔۔۔	86
سوال-47:۔حضرت امام ابن ماجه علیه الرحمة کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	86
سوال-48:۔ امام محمد بن جریر طبری علیه الرحمة کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	87
سوال-49:۔حضرت امام حاکم علیه الرحمة اور **حضرت ابن مردو یه علیه الرحمة** کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	87
سوال-50:عصر تدوین تفسیر کے دوسرے مرحلہ میں نقلی تفسیر کے ساتھ ساتھ عقلی تفسیر کا بتدریج ارتقاء کے متعلق واضح تبصرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	88
سوال-51:۔تفسیر منقول یا تفسیر بالماثور سے کیا مراد ہے؟ اِس تفسیر کے ارتقاء اور اسبابِ ضعف کے بارے میں واضح بیان کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	90
سوال:52:۔تفسیر بالماثورہ کے صدر اقسام کے متعلق مختصر تبصرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	91

سوال نمبر	P.No
سوال:53:- مشہور و اول کتبِ تفسیر اوراُن کے مولفین (مفسرین) کے اسماء بیان کرو؟----	93
سوال:54:- مفسرِ قرآن حضرت ابن جریر طبری علیہ الرحمۃ کا مختصراً تعارف اور تذکرہ کرو؟---	94
سوال:55:- تفسیر ابن جریر کی خصوصیات اوراس کی مرکزی اہمیت کو واضح کرو؟-------	95
سوال:56 :-حضرت ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمۃ مفسر قرآن کے تعارف کے سلسلہ میں مختصر تذکرہ کرو؟	97
سوال:57:-حضرت ابو اسحٰق ثعلی علیہ الرحمۃ مفسر قرآن کے تعارف کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟	99
سوال:58:-تفسیر قرآن ''الکشف و البیان عن تفسیر القرآن'' کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟	99
سوال:59:-حضرت ابو محمد حسین بغوی علیہ الرحمۃ اور تفسیر ''معالم التنزیل '' کے تعارف کا مختصر بیان کرو؟	102
سوال:60 :-معالم التنزیل (تفسیر بغوی) کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟	103
سوال:61:-حضرت ابن عطیّہ اندلسی علیہ الرحمۃ کا تعارف اور آپؒ کی تفسیر ''المحرّر اُوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز'' کا تعارف مختصراً بیان کرو؟---------------	104
سوال:62:- حضرت ابن کثیر علیہ الرحمۃ مفسرِ قرآن کی شخصیت کا تعارف اور آپؒ کے علمی مقام کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟----------------------------	106
سوال:63:-تفسیر ابن کثیر (تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر) کا مختصر تعارف اوراُس کی خصوصیات پر واضح تذکرہ کرو؟	108
سوال:64:-حضرت عبدالرحمن ثعالبی علیہ الرحمۃ مفسرِ قرآن اور آپؒ کی تفسیر'' الجواهر الحسان فی تفسیر القرآن'' کے تعارف کے سلسلہ میں مختصر تذکرہ کرو؟------	109
سوال:65:-حضرت جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی شخصیت بحیثیت مفسر القرآن اور آپؒ کی تفسیر بالماثور اکے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟-----------------------	111
سوال:66:- تفسیر القرآن بالرأی سے کیا مراد ہے اوراس کے متعلق علماء کا موقف بیان کرو؟	113
سوال:67:-موافق اور مخالف بالرأی تفسیر علماء کے دلائل و براءین کا تجزیہ کیا جائے تو کیا حقیقت نمایاں ہوتی ہے۔ اُس پر تشریحاً روشنی ڈالو؟-------------------------	114
سوال:68:-تفسیر بالرأی کرنے والے پر کن اصول وقواعد کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور کسی صورت میں بھی ان سے عدول (Non-Compliance) نہ کرنا چاہیئے؟	115

سوال نمبر P.No

سوال:69:۔ایک مفسر جو منقولات سے مدد لئے بغیر تفسیر بالرأی کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے کون کون سے عُلوم پر مہارت کی ضرورت اور لزوم ہے؟ 117

سوال:70:۔ قرآن حکیم سیاق و سباق اور مختلف علوم کا لحاظ کرتے کتنی اقسام کی آیت پر مشتمل ہے ؟ 121

سوال:71:۔تفسیر بالرأی میں غلطی کے وجوہ پر تبصرہ کرو؟---------- 122

سوال:72:۔تفسیر بالرأی کے سلسلہ میں کن مصادرِ تفسیر کی جانب رجوع کرنا چاہیئے تا کہ تفسیر جائز اور مقبول ہو سکے؟ تفسیر بالماثورا اور تفسیر بالرأی میں تعارض اور ترجیح پر روشنی ڈالو؟---------- 123

سوال:73:۔چند اہم کتبِ تفسیر بالرأی الجائز کے نام اور اُن کے مفسرین کے اسماء کا ذکر کرو؟ 126

سوال:74:۔مفسر حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ کا تعارف کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟ 127

سوال:75 :۔تفسیر کبیر ''مفاتیح الغیب'' کے تعارف اور اس کی خصوصیات کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟ 127

سوال:76:۔مفسّر قرآن حضرت بیضاوی علیہ الرحمۃ کے تعارف کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟ 129

سوال:77:۔تفسیر قرآن ''انوار التنزیل'' کا تعارف اور اِس تفسیر کی خصوصیت پر روشنی ڈالو؟-------- 130

سوال:78:۔ حضرت نسفی علیہ الرحمۃ مفسّر قرآن کا مختصر تعارف بیان کرو؟---------- 132

سوال:79:۔امام نسفیؒ کی تفسیر'' مدارک التنزیل و حقائق التاویل '' کا مختصر تعارف اور اس کی خصوصیات پر تبصرہ کرو؟---------- 132

سوال:80:۔مفسّرِ قرآن حضرت خازن علیہ الرحمۃ کا تعارف اختصاراً کرو؟---------- 133

سوال:81:۔ تفسیرِ خازن ''لُباب التاویل فی معانی التنزیل '' کا مختصر تعارف اور اُس کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟---------- 134

سوال:82:۔مفسّر حضرت ابوحیان علیہ الرحمۃ اور آپؒ کی تفسیر'' البحر المحیط '' کا مختصر تعارف بیان کرو اور اُس تفسیر کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟---------- 135

سوال:83:۔مفسّرِ قرآن حضرت نیشاپوری علیہ الرحمۃ کا اجمالی عارف بیان کرو؟---------- 137

سوال:84:۔تفسیرِ قرآن'' غرائب القرآن و رغائب الفرقان '' کا اجمالاً تعارف بیان کرو اور اِس تفسیر کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالو؟---------- 138

سوال نمبر	P.No
سوال:85:۔ تفسیر جلالین کا تعارف اور اسکے دونوں مولّفین حضرات کا مختصر تعارف اور ان کی خصوصیاتِ تفسیر کا تذکرہ کرو؟	140
سوال:86:۔ مفسّر الشربینی علیہ الرحمۃ اور آپؒ کی تفسیر ''السراج المنیر للخطیب'' کا مختصر تعارف بیان کرو اور اس تفسیر کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟	143
سوال:87:۔ مفسّر حضرت ابوسعود علیہ الرحمۃ اور آپؒ کی تفسیر کا اجمالاً تعارف بیان کرو۔ اور تفسیرِ ابوسعودؒ کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟	144
سوال:88:۔ حضرت آلوسی علیہ الرحمۃ اور آپؒ کی تفسیر قرآن ''روح المعانی'' کا اجمالی تعارف بیان کرو؟	147
سوال:89:۔ تفسیر روح المعانی کے خصوصی پہلوؤں پر روشنی ڈالو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	149
سوال:90:۔ حضرت بحرالعلوم حسرتؔ صدیقی علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات پر اجمالی وجامع تذکرہ کرو؟	151
سوال:91:۔ تفسیر صدیقی کا اجمالی تعارف بیان کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	156
سوال:92:۔ تفسیرِ صدیقی کی خصوصیات بیان کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	160
سوال:93:۔ تفسیرِ قرآن میں ارتقاع اور فرقہ ہائے اسلامی کا آغازِ ظہور اور اس کے منفی اثرات پر روشنی ڈالو؟	164
سوال:94:۔ لفظِ تصوف کی اصل:۔ تصوف کا معنیٰ ومفہوم اور اس کا ارتقاء پر مختصر مگر جامع روشنی ڈالو؟	166
سوال:95:۔ تفسیرِ صوفیہ کا مطلب اور اُس کی خصوصیت وافادیت پر تبصرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔	167
سوال:96:۔ علمی تفسیرِ قرآن سے کیا مراد ہے۔ اِس سلسلہ میں حضرت امام غزالیؒ اور حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ کا زاویۂ نگاہ و موقف صراحت کے ساتھ بیان کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	172
سوال:97:۔ تفسیرِ قرآن کے طرز و انداز کے ماضی اور حال کا مختصر تقابل کرو اور تفسیرِ عصر حاضر کی خصوصیات اور اِس کی انواع (اقسام) کے بارے میں تبصرہ کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	177
سوال:98:۔ اُن اکابر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ کرام اور علمائے عظام عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرو جنہوں نے شرح صدر محمدیؐ سے ضیاء پاکر، نقشِ قدمِ رسول پر گامزن رہتے ہوئے قرآنِ کریم کی خدمت کی ہے اور طالبانِ حق کی رہنمائی فرمائیں ہیں؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	182
سوال:99:۔ اسلام میں تصورِ حاکمیت اعلیٰ کی کتنی جہتیں ہیں؟ توضیح قرآن کے حوالے سے تشریحی حاکمیت اور تشریعی حاکمیت سے مراد کیا ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان کرو؟۔۔۔۔۔۔۔۔	194

P.N0

سوال :100 :۔ الفاظ و معنیٰ کے لحاظ سے قرآن، حدیث وقانون میں نقلیاتی تقسیماتِ اربعہ سے مراد کیا ہے اور وہ کون کون سی ہیں؟ ---------- 199

سوال:101:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم اول کے تحت باعتبار وضع و لغت کی تفصیل بیان کرو؟ 199

سوال:102:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم دوم کے تحت باعتبار استعمال (ظاہروخفاء) کا تفصیلی بیان کرو؟ نیز دلالت کے اقسام کا بھی تذکرہ کرو؟ ---------- 202

سوال:103:۔ تقسیماتِ اربعہ کی قسم سوم کے تحت باعتبار ظہوروخفا معنیٰ کے متعلق تفصیلی بیان کرو؟ 204

سوال:104:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم چہارم کے تحت باعتبار کیفیتِ دلالت (متعلقات نصوص) کے متعلق تفصیل بیان کرو؟ ---------- 205

سوال:105:۔''بیان'' اور اقسامِ بیان سے مراد کیا ہے مختصر تبصرہ کرو؟ ---------- 206

سوال:106:۔بیانِ تغییر، اقسامِ تغییر اور حکمِ تغییر کے متعلق جامع تبصرہ کرو؟ ---------- 208

سوال :107:۔ قضیہ یا جملہ خبریہ کے اجزاء بیان کرو۔ اور محمول میں حَمل کی تحقیق کی کیا صورت ہے؟ حَمل مطلق ومفید، مفہوم موافق اور مفہوم مخالف سے کیا مراد ہے واضح سمجھاؤ؟ ---------- 209

سوال:108:۔تاویلِ وجودی سے مراد کیا ہے؟ ''وجود'' کے اقسام واضح بیان کرو؟ ------- 211

سوال :109:۔اِن اصطلاحوں کی تعریف وضاحتاً بیان کرو جو اکثر قرآن کی عبارت کی تفسیر اور سمجھنے میں مفید ہوتے ہیں؟ 1- لفظ 2- مفرد 3- مرکب 4- جملہ خبریہ یا قضیہ 5- جملہ انشائیہ 6-وہم 7- شک 8- ظنِ غالب 9- یقینِ تقلیدی 10-علم یقین 11- جہلِ مرکب 12- دلالت 13- مفردات و مدارجِ علم 213

فہرست مضامین

S.No		P.No
	فہرست مضامین List of Subjects	3
01	عرض ناشر Publisher's Briefing	7
02	انتساب Delication	8
03	تاثرات از مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی	9
5.1	امیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	19
5.2	اعجازِ قرآن	20
5.3	حفاظتِ قرآن	20
5.4	تصوف	22
5.5	لغاتِ قرآن	24
5.6	تکرارِ آیات کا فائدہ	24
5.7	ربطِ آیات	25
5.8	شانِ نزول	25
06	مقدمہ Preface	26
6.1	تفسیر کا لغوی مفہوم	26
6.2	تاویل کا لغوی مفہوم	27
6.3	تفسیر و تاویل میں فرق و امتیاز	27
6.4	غیر عربی زبان میں تفسیر قرآن	28
6.5	تفسیر اور تفسیری ترجمہ کے مابین فرق	29
6.6	تفسیری ترجمہ کے شرائط	30
6.7	علمِ تفسیر کی ضرورت و اہمیت	31
07	رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا فہم قرآن (Quranic perception of The Holy Prophet (pbuh) and His Companions)	33

List of Sujects

S.No		P.No
04	پیش لفظ Foreword	11
05	قرآن شریف سے متعلق ضروری معلومات Essential Briefing of Quranic aspects	19
7.1	عہدِ رسالت ﷺ میں تفسیر کے مصادر	33
7.2	تفسیر القرآن بالقرآن (مصدرِ اول)	34
7.3	سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (مصدرِ دوم)	36
7.4	حدیثِ نبوی ﷺ کا شارح قرآن ہونا	39
7.5	اجتہاد و استنباط (مصدرِ سوم)	40
7.6	اسرائیلیات یہودی و نصاریٰ (مصدرِ چہارم)	43
08	تفسیرِ قرآن (پہلا دَور) (Initial period of elucidation of Quran)	45
8.1	تفسیرِ صحابہؓ کی اہمیت	45
8.2	عہدِ رسالتؐ و عصرِ صحابہؓ کی تفسیری خصوصیات	45
09	مفسرین صحابہ کرامؓ (Exegesis of Quran by Sahaba)	47
9.1	حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ	48
	حضرت سیدنا علیؓ کا علمی مقام	49
	حضرت علیؓ کے تفسیری ارشادات اور انکی صحتِ استناد	50
9.2	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	51
	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علمی مقام	51
	حضرت ابن عباسؓ کی علمی فضیلت کے اسباب	52

S.No		P.No
	تفسیر قرآن میں حضرت ابن عباسؓ کا علمی مقام	53
	حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات	56
	حضرت ابن عباسؓ کی جانب منسوب تفسیر قران	57
	حضرت ابن عباسؓ پر کثرتِ وضع کے اسباب	57
9.3	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	57
	حضرت ابن مسعودؓ کا مبلغ علم ہونا	59
	تفسیر قرآن میں حضرت ابن مسعودؓ کا مقام	60
	حضرت ابن مسعودؓ کی تفسیری روایات	60
9.4	حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ	61
	حضرت اُبی بن کعب کے تفسیری اقوال کا مقام استناد	62
10	تفسیرِ قرآن عصرِ تابعین (دوسرا دَور) عصرِ تابعین کے مصادر تفسیرِ قرآن Exegesis of Quran in Tabayeen time	63
10.1	دَورِ تابعین کی تفسیری خصوصیات	63
10.2	تابعینؒ سے ماثور تفسیر کی اہمیت	
	تفسیر الماثور کا مفہوم	64
10.3	عصرِ تابعین میں مدارسِ تفسیر	65
	مکہ مکرمہ کا مکتبِ تفسیر	66
	مدینہ منورہ کا مکتبِ تفسیر	66
	عراق کا مکتبِ تفسیر	66
11	تعارفِ مفسرین عصرِ تابعین Biographies of writers of Exegesis (Tabayeen)	67

S.No		P.No
11.1	تلامذہ مکتبِ تفسیر مکہ مکرمہ	67
-1	حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمۃ	67
-2	حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ	68
-3	حضرت عکرمہ علیہ الرحمۃ	69
-4	حضرت طاؤس بن کیسان یمانی علیہ الرحمۃ	71
-5	حضرت عطا بن ابی رباح علیہ الرحمۃ	72
11.2	تلامذہ مکتبِ تفسیر مدینہ منورہ	73
-1	حضرت ابوالعالیہ علیہ الرحمۃ	73
-2	حضرت محمد بن کعب القرظی علیہ الرحمۃ	73
-3	حضرت زید بن اسلم علیہ الرحمۃ	74
11.3	تلامذہ مکتبِ تفسیر عراق	75
-1	حضرت علقمہ بن قیس علیہ الرحمۃ	75
-2	حضرت مسروق علیہ الرحمۃ	75
-3	حضرت اسود بن یزید علیہ الرحمۃ	76
-4	حضرت مُرّ ھمدانی علیہ الرحمۃ	77
-5	حضرت عامر شعبی علیہ الرحمۃ	77
-6	حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ	78
-7	حضرت قتادہ علیہ الرحمۃ	79
11.4	ماثور تفسیرِ قرآن میں تابعین کا اہم رول	80
	تفسیر کے ارتقاء کی ضرورت و اہمیت	80
	تفسیر میں اختلافِ سلف	81
12	عصر تدوین تفسیرِ قرآن (تیسرا دور) Era of compilation of exegesis	83

S.No		P.No
12.1	عصرِ تدوین میں تفسیرِ قرآن کا پہلا مرحلہ	83
12.2	عصرِ تدوین میں تفسیر کا دوسرا مرحلہ	84
12.3	تعارفِ مفسرین عصرِ تدوین	84
12.4	عصرِ تدوین تفسیر کا تیسرا مرحلہ	88
	عقلی تفسیرِ قرآن میں تدریج	88
13	تفسیر بالماثور (منقول تفسیر)	90
	Traditional Exegesis (Bilmasoor)	
13.1	تفسیر بالماثور کا ارتقاء	90
13.2	اسبابِ ضعف تفسیر بالماثور	91
13.3	تفسیر بالماثور کے صدر اقسام	91
14	مشہور کتبِ تفسیر بالماثور اور انکی خصوصیات	93
	Well-known Exegesis (Bilmasoor)	
14.1	جامع البیان فی تفسیر القرآن از ابن جریر طبریؒ	94
14.2	تفسیر بحرالعلوم از ابواللیثؒ	97
14.3	الکشف والبیان عن تفسیر القرآن از ثعلبیؒ	99
14.4	معالم التنزیل تفسیر از امام بغویؒ	102
14.5	المحر راُلوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز از عطیہؒ	104
14.6	تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیرؒ	105
14.7	الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن از ثعالبیؒ	109
14.8	الدر المنثور فی التفسیر الماثور از سیوطیؒ	111
15	تفسیر القرآن بالرّائی	113
	Exegesis Mainly based on self perception (Bil-Rai)	

S.No		P.No
	تفسیر بالرّائی کا مفہوم	113
	تفسیر بالرّائی سے متعلق علماء کا موقف	113
15.1	تفسیر بالرّائی کے اصول و قواعد	115
15.2	تفسیر بالرّائی کے لئے ضروری علوم	117
15.3	قرآنی آیات اور اُن کے اقسام	121
15.4	مصادر تفسیر (بالرّائی)	123
16	مشہور کتب تفسیر بالرّائی الجائز	126
	Well-known Bil-Rai Exegesis	
16.1	تفسیر المفاتح الغیب از امام رازیؒ	127
16.2	انوار التنزیل و اسرار التاویل از امام بیضاویؒ	129
16.3	مدارک التنزیل و حقائق التاویل از نسفیؒ	132
16.4	لباب التاویل فی معانی التنزیل از خازن	133
16.5	البحر المحیط از ابو حیانؒ	135
16.6	غرائب القرآن و رغائب الفرقان از نیشاپوریؒ	137
16.7	تفسیر الجلالین از المحلیؒ و السیوطیؒ	140
16.8	السراج المنیر از خطیب الشربینیؒ	143
16.9	ارشاد العقل السلیم مزایا الکتاب الکریم از ابوالسعود	144
16.10	رُوح المعانی از آلوسیؒ	147
16.11	تفسیرِ صدیقی از بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ	151
	حضرت بحرالعلومؒ کا علمی مقام اور دینی خدمت	152
	''تفسیر صدیقی'' کا اجمالی تعارف	156
	''تفسیر صدیقی'' کی خصوصیات	160

S.No		P.No
17	مبتدعین کی تفاسیر Exegesis written by beginners (Ah-le-Biddet)	164
18	تفسیر صوفیہ کرام Exegesis by Sofia kram	166
18.1	تصوف کا معنی ومفہوم	167
19	علمی تفسیر Exegesis Basing on Modern Science	172
19.1	حضرت جلال الدین سیوطیؒ کا موقف	173
20	تفسیر عصرِ حاضر Exegesis of to-day's Scholars	177
20.1	علمی طرز وانداز تفسیر	178
20.2	مذہبی رنگ وفرقہ وارانہ تفسیر	179
20.3	جدید ملحدانہ تفاسیر	179
20.4	تفسیر کا ادبی واجتماعی اسلوب	180
21	صول تفسیر و تاویلِ تفسیرِ قرآن Classic Science on exegesis of Quran	182
21.1	تمہید	182
21.2	اسلام میں تصور حاکمیت	194
21.3	تشریعی اور تشریعی حاکمیت	195

S.No		P.No
22	اصولِ تفسیر تاویل القرآن (تقسیماتِ اربعہ) Principle exegesis of Quran	199
22.1	بیان (اقسام بیان)	206
22.2	تاویل وجودی	211
23	چند ضروری اصطلاحیں Breifing on useful terminologies	213
01	لفظ	
02	مفرد	
03	مرکب	
04	جملہ خبریہ یا قضیہ	
05	جملہ انشائیہ	
06	وہم	
07	شک	
08	ظن غالب	
09	یقین تقلیدی	
10	علم یقین	
11	جہل مرکب	
12	دلالت	
13	مفردات ومدارج علم	
24	فہرست مضامین List of subjects	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

امابعد!

ہمارے والد گرامی مرشدنا وسیدنا حضرت سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری، قادرؔی مدظلہ العالی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔آپ کی پُرخلوص کاوشوں ولگن کے نتیجہ میں لطیف اکیڈیمی اینڈ پبلیشرز کا قیام عمل میں آیا اور اشاعتِ کُتب عرفانی کا جدید طرز پر سلسلہ چل پڑا۔آپ کے اکتسابِ علم و فیضان کی جھلک ان گلدستہ تالیفِ کُتب میں نمایاں نظر آتی ہے۔''نقشِ قدمِ رسول''عنوان کے تحت کتب اُن ہی میں سے ہیں جن کی اشاعت ہماری دیرینہ تمنا تھی جو بفضل تعالیٰ پائے تکمیل کو پہنچی۔

''نقشِ قدمِ رسول'' کتب کی سیریز تین جلدوں میں، احوالِ ائمہ اور فنِ تفسیر وحدیث وفقہ اسلامی پر مبنی نہایت آسان اور مفید انداز میں سوالات و جوابات کی صورت میں ملت کے نوجوان طلباء کے لئے علمی تحفہ ہے۔اس سے قبل کتب بعنوان ''کشکولِ قادریہ'' کی اشاعت عمل میں آچکی جو علوم تصوف ومعارف پر مبنی دو جلدوں میں سوالات وجوابات کے ساتھ نہایت مقبول ہوئیں۔اُن دونوں کتب کے ناموں کی وجہ تسمیہ والد گرامی کو منکشف وتفویض ہوئے تھے۔چنانچہ مضمون کی حساسیت اور لامحدود وسعت کے مدنظر یہ کام کچھ آسان نہ تھا چنانچہ آپ کے وصف، عجز اور احتیاط کے پیش نظر اس کام میں تاخیر ہوتی گئی۔

بالآخر اللہ سبحان وتعالیٰ اور اس کے حبیب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور پیرانِ عظام کے فیضان سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ہم لطیف اکیڈیمی کی جانب سے جناب مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی صاحب، مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد کے بے حد ممنون ومشکور ہیں کہ انہوں نے باوجود اپنی مصروفیت کے کتب ''نقشِ قدمِ رسول'' کی پروف ریڈنگ کے اہم کام کو قبول فرمایا اور مفید مشوروں سے اس کام کی سرانجامی میں مدد فرمائی۔ہم جناب میر رفیق علی خان صاحب کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے بڑی محنت سے اس کتاب کی کمپیوٹر کمپوزنگ کے کام کو انجام دیا۔''نقشِ قدمِ رسول'' کی جلد (باب اول) ''احوال ائمہ مفسرین وفن تفسیر'' زیر نظر کتاب جملہ (109) سوالات وجوابات پر مشتمل نہایت عام فہم اور خوبصورت انداز میں ترتیب دی گئی ہے بلکہ حسب ضرورت انگریزی الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔امید کہ قارئین اس کو پسند فرمائیں گے۔اس کتاب میں وہ سب کچھ بہ حسن وخوبی موجود ہے جو ایک طالب علمِ قرآن وتفسیر کے لئے مفید ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں والد گرامی کی تصانیف کو قبولیتِ خاص وعام عطا فرمائے اور آپ کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔آمین۔

معتمدین لطیف اکیڈیمی حیدرآباد

1- میر رحیم اللہ شاہ قادری (اقبال پاشاہ)

2- میر کریم اللہ شاہ قادری (خواجہ پاشاہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1- انتساب
(Delication)

☆ والدی ومرشدی خواجہ ابوالخیر

ڈاکٹر حضرت میر مومن علی شاہ قادری علیہ الرحمۃ والرضوان

☆ مرشدی ومولائی حبیب اللہ، بحرالعلوم

حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی القادری حسرتؔ علیہ الرحمۃ والرضوان

☆ مرشدی ومولائی، خواجہ ابوالفیض' ذرہ نواز

حضرت شاہ محمد خالد وجودی القادری، خالدؔ علیہ الرحمۃ والرضوان

☆ مرشدی ومولائی

حضرت حسین شجاع الدین صدیقی عزتؔ علیہ الرحمۃ والرضوان

نقشِ قدم رسول ﷺ عنوان کے تحت کتب، کی تالیف کو جوادنیٰ سعی وکوشش ہے، میں اپنے مرشدین کامل کی خدمتِ بابرکت میں پیش ونذر کرتا ہوں جن کے خرمنِ علم وعرفان کی خوشہ چینی نے مجھے دانش وآگہی کا فیضان بخشا۔

خادم ادنیٰ

سید محی الدین میر لطیف شاہ قادری' قادریؔ

سابق مہتمم پولس۔حیدرآباد

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۸ رشعبان المعظم ۱۴۳۱ ہجری نبوی

تاثرات

بر کتاب ''نقشِ قدمِ رسول''

از:۔ شاہ محمد فصیح الدین نظامی، مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، الھند

اسلام، اس کائنات کا آخری، قطعی اور حتمی دین و مذہب ہے۔ اسکا ''اِتمام'' و اِکمال'' نبی صاحب الجمال حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ذات رفعت مآب پر ہو چکا اس طرح آنحضور کی ذاتِ قدسی صفات خاتم النبیین و خاتم المرسلین ہونے کے ساتھ ساتھ خاتم الجمال، خاتم الاکمال، خاتم الادیان، خاتم الکُتب خاتم الصحف، خاتم الکِلم، خاتم الاخلاق، خاتم الاسباق ہے اب صبحِ قیامت وبعدِ قیامت سکۂ محمد ہی چلنے والا ہے ہر سکّہ پر خطِ تنسیخ پھیر دیا گیا۔ دینِ اسلام نے سُکّان ارض کو جو علم دیا وہ اعجازِ رسالت سے صرف نزِ اعلم نہیں رہا بلکہ 'علم الیقین'' سے ''عین الیقین'' کی شاہراہ پر لیجاتا ہے اور وہاں سے ''حق الیقین'' کی منزلِ مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔ اس نکتہ کی تشریح ہر دور میں اہلِ فکر ونظر، اہلِ علم وہنر، صاحبانِ فکر و بصر کرتے آئے ہیں، ''نقشِ قدمِ رسول'' (۳ جلد) اسی سلسلۂ الذّہب کی ایک سنہری کڑی ہے جو ہمارے قلب نظر کی جلاء اور طلاء کا کام کر رہی ہے اور دینِ اسلام کی حقانیت اور پیشوایانِ اسلام کی علمی، قلمی، قلبی، اصلاحی، تحقیقی خدمات کا وہ آئینہ ہے جس میں ان کے ''پاسِ نفاس'' کی خوشبو سانسیں لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ سلسلۂ کرم بابِ حرم تک پہنچانے میں معاون ہوگا۔

''نقشِ قدمِ رسول'' بہت ہی منور وتاباں نقش ہے اسی سے ہر عہد وعصر، ہر زمانہ ہر صدی زندگی پاتی ہے اسی میں قومِ مسلم کی حیات اور یہی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز بھی ہے اور اسی سے مصنفِ کتاب، والا مرتبت، محترم سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری صاحب کثّر اللہ امثالہم (M.S) (فرزند و جانشین حضرت خواجہ ابوالخیر میر مومن علی شاہ قادری علیہ الرحمۃ) بھی مفتخر وممتاز ہیں جنہوں نے ''خم خانۂ قدیر'' سے جامِ

مست مئے اَلَستُ پیرو شیخ کے بافیض دست سے نوش کیا ہے ''صدیق گلشن'' کا یہ فیض ع
کا رمز لے کر سینوں سے سفینوں تک اترنے کی تیاری کر رہا ہے۔ کارزارِ حیات میں یہ لمحات ''متاعِ حیات'' کی صورت اختیار کرتے جا رہے جب مصنف کا قلم ماضی سے نور لیکر حال و مستقبل کو تابناک بنانے اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلنے کے لئے بے چین و بے قرار نظر آتا ہے۔ کتاب ''نقشِ قدمِ رسول'' نئی نسلوں کے لئے ایسا محفوظ قلعہ ہے جس سے باطل افکار و عقائد کی ہر یُورش ناکام اور ہر وار بیکار ہو جاتا ہے اور حالات کی دھوپ میں ایسا سائبان ہے جس کی چھاؤں میں ٹھنڈک و راحت کا احساس ہوتا ہے مصنف کا طائرِ فکر وسوتِ پرواز کا متقاضی ہے جس کا اندازہ اس کتاب کے صفحات کے دیکھنے سے ہوتا ہے ''نقشِ قدمِ رسول'' عصرِ حاضر کے تقاضوں کی ظاہری و باطنی تکمیل ہے اس کی قدر افزائی و پذیرائی ہر اعتبار سے ہونا چاہیئے اسے کتب خانوں، تحقیقی ایوانوں کے ساتھ دل کے نہاں خانوں میں جگہ دے کر مصنف کی ہمتِ مردانہ کو داد اور ذوقِ رِندانہ کے سلامت رہنے کی دعا دینا چاہیئے۔

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغِ عاشقاں را روشنائی

فقط
شاہ محمد فصیح الدین نظامی
مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ
حیدرآباد الھند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

(FOREWORD)

سوال: ا:۔تفسیر کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ سمجھاؤ۔تفسیر قرآن عہد رسالتؐ،عصر صحابہؓ وعصر تابعین کے متعلق مختصر بیان کرو؟

جواب:۔ قرآن کریم عربی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔اُس وقت جولوگ موجود تھے عربی اُن کی مادری زبان تھی اور قرآن کریم کے معنیٰ ومطلوب معلوم کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی تاہم بعض مقامات میں جہاں زیادہ اجمال (خلاصہ۔Gist) ہوتا ہے صحابہؓ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمالیا کرتے۔آپ ﷺ جہاں دیگر مناصبِ جلیلہ پر فائز ہیں وہیں ایک منصبِ عالی قرآن مجید کے مفسر وترجمان ہونے کا ہے۔قرآن مجید میں فرمایا!

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ (النمل۔44)

ترجمہ:۔اورہم نے اے حبیب ﷺ !آپ پر قرآن نازل کی،تاکہ آپ ﷺ اُسے لوگوں کے لئے واضح کردیں۔

لفظ تفسیر کا سہ حرفی مادہ ''فسر'' ہے جس کے معنیٰ ہیں ظاہر کرنا،کھول کر بیان کرنا،یہ تفسیر کا لغوی مفہوم ہے۔

تفسیر کے اصطلاحی معنیٰ امام زرکشیؒ کے قول کے مطابق:

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کی مدد سے قرآن کریم کے مطالب ومعانی معلوم کئے جاتے اوراس میں مندرج احکام و مسائل اور اسرار حِکَم سے بحث کی جاتی ہے''۔چنانچہ تفسیر کا سب سے پہلا بیش قیمت سرمایہ تفسیری روایات (احادیث) ہیں جومختلف کتبِ حدیث میں منقول ہیں۔امام بخاریؒ نے اُن ہی احادیث کو یکجا کرکے ''کتاب تفسیر القرآن'' کے نام سے صحیح بخاری (کتاب حدیث) میں ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

تفسیر عصر صحابہ کرام:۔صحابہ کرام میں دس (10) صحابہؓ کو فنِ تفسیر میں امتیاز حاصل رہا۔خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ سے مروی ہیں۔بحیثیتِ مجموعی تمام صحابہ میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہیں۔

تفسیر عہدِ تابعینؒ:۔ تابعینؒ میں بڑے نامور مفسرین پیدا ہوئے۔ان میں حضرت مجاہدؒ،حضرت عطا بن ابی رباحؒ، حضرت عکرمہؒ،حضرت سعید بن جبیرؒ،حضرت حسن بصریؒ،حضرت ابوالعالیہؒ،حضرت ضحاکؒ اور حضرت قتادہؒ

بہت ممتاز ہیں۔ مکہ، مدینہ منورہ، بصرہ اور کوفہ اُس دور میں تفسیر کے اہم مراکز رہے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ (شاگردوں) میں حضرت مجاہدؒ متوفی ۱۰۴ھ کا پایہ بلند رہا۔ شیخ الاسلام حضرت ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ حضرت مجاہدؒ کی تفسیر پر اکثر ائمہ مثلاً امام ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ اعتماد کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں مکتب تفسیر کی بنیاد حضرت ابی بن کعبؓ نے ڈالی۔ تابعین میں حضرت زید بن اسلمؒ، حضرت ابوالعالیہؒ اور حضرت محمد بن کعبؒ القرظی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں جنہوں نے مکتب مدینہ سے فیض پایا۔

کوفہ کے مکتبِ تفسیر کی بنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھوں پڑی۔ اس مکتب کے وابستگان میں حضرات علقمہؒ بن قیسؒ، حضرت مسروقؒ حضرت اسود بن یزیدؒ اور حضرت عامر شعبیؒ بہت مشہور ہیں۔

بصرہ میں حضرت حسن بصریؒ کی ذات تفسیر قرآن میں بہت مقبول رہی۔

سوال :2 ۔تفسیرِ قرآن کے عصر تدوین میں اور اس کے بعد عصر حاضر تک کے حالات پر مختصر روشنی ڈالو؟ تفسیری تصانیف کے لحاظ سے تفسیر کی کتنی اقسام ہوسکتی ہیں؟۔

جواب:. **تفسیر قرآن عصر تدوین میں**:۔ یہ دور اموی (بنی امیہ) خلافت کے اواخر سے لے کر خلافتِ عباسیہ کے اوائل تک کا ہے (سن 150ھ -250ھ) ۔عصر تدوین سے پہلے تفسیری روایات احادیثِ نبویہ کے ساتھ محفوظ تھیں۔ لیکن اِس عصرِ تدوین میں تفسیر' احادیثِ نبوی سے الگ ہوگئی اور اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر آیت اور صورت کی تفسیر مرتب کی جانے لگی۔ یہ تفاسیر سنداً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ، تابعینؒ و اتباع تابعینؒ سے منقول ہیں۔ چنانچہ تفسیری فن میں اکابر محدثین ابن ماجہؒ، ابن جریر طبریؒ، ابن ابی حاتمؒ، امام حاکمؒ اور دیگر نے حصہ لیا۔ ان میں تفسیر ''بالماثورہ'' (تفسیری اقوالِ صحابہ وتابعین پر مبنی) کے سوا دوسری کوئی چیز مذکور نہیں۔

حضرت جلال الدین سیوطیؒ کے قول کے مطابق! ''اگر تم مجھ سے دریافت کرو کہ کس تفسیر پر اعتماد کیا جائے تو میں کہوں گا تفسیر ابن جریرؒ پر جس کے بارے میں علما کا قول ہے کہ ایسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی''

اس موجودہ دَور کی تفاسیر بھی تفسیر بالماثورہ کے دائرے میں محدود رہی البتہ اسناد (اسماء رجالِ راویان) کی شرط باقی نہ رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے من گھڑت اقوال نے تفسیر میں جگہ بنالی اور پھر اقوال صحیحہ وسقیمہ (صحیح اور غلط) کے مابین امتیاز کرنے میں دشواری کا سامنا ہونے لگا۔

تفسیر قرآن عصر تدوین کے بعد:۔ یہ تفسیر کا طویل ترین دور ہے جو عباسی خلافت (250ھ) سے شروع

ہوکر عصر حاضر (موجودہ زمانہ) تک پھیلا ہوا ہے۔اس کو تفسیر کا پانچواں مرحلہ بھی کہتے ہیں۔قبل ازیں تفسیر کا انحصار منقول روایات پر ہوا کرتا تھا۔ اس دَور میں عقل ونقل امتزاج و اختلاط (ملاوٹ) کا آغاز ہوا اور صرف ونحو (Accidence & Syntax) اور عربی کے متعلق علوم وفنون جگہ پائے۔فقہی مسلک اور کلام کے مسائل پیدا ہوئے۔منطق وفلسفہ سے متعلق کتب کا یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا اور نتیجتاً یہ سب علوم تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے۔ اور جو مفسر جس علم وفن میں کمال رکھتا تھا، اُس کی تفسیر اسی علم تک محدود رہ گئی۔

چنانچہ نحوی علما میں مشہور مثلاً حضرت زجاجؒ اپنی تفسیر میں، حضرت واحدیؒ نے تفسیر البسیط میں اور حضرت ابوحیان نے تفسیر البحر المحیط میں نحوی مہارت اور براعت (Proficiency) کا ثبوت دیا۔علوم عقلیہ میں بصیرت رکھنے والے مفسرین میں حضرت فخرالدین رازی متوفی 606ھ کی تفسیر ہے۔

مبتدعین (Followers) نے تفاسیر کو اپنی پسندیدہ بدعات کی تائید وحمایت پر مشتمل اقوال سے بھر دیا مثلاً فرقہ معتزلہ میں سے زمخشری، رمّانی، جبّائی اور فرقہ شیعہ اثنا عشرہ میں سے طبری اور ملا محسن کاشی وغیرہ۔

فقہا نے اپنی تفاسیر کو فقہی فروعات (اصولِ مسائل) کے دلائل کا ذکر کرنے تک محدود کر دیا مثلاً حضرت جصاصؒ اور حضرت قرطبیؒ اور دیگر۔صوفیا کرام نے قرآنی آیات سے ایسے اشارات کا استخراج (اخذ) کیا جو احسان وتصوف اور وجدان سے ہم آہنگ ہیں۔اِن میں حضرت ابن عربیؒ اور حضرت عبدالرحمٰن السلمیؒ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

تفسیر کے علاوہ قرآن مجید کے خاص خاص مباحث (مخصوص مضامین) پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا مثلاً مسائل فقہیہ، اسباب نزول قرآن، امثال قرآنی کو یکجا کرنا، آیاتِ مکرّرہ کے نکات وغیرہ وغیرہ بے شمار تصانیف لکھی گئیں۔اِن تصانیف کو چھ (6) قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔فقہی (مثلاً احکام القرآن):۔اسماعیل بن اسحاقؒ۔احکام القرآن، ابوبکر رازیؒ۔

2- ادبی (Literal):۔اِن تصانیف میں قرآن کا فصاحت و بلاغت (Eloquence) کے اعتبار سے معجز ہونا ثابت کیا گیا۔اور قرآن مجید کی حقیقت ومجاز، تشبیہات واستعارات مکرّرات وغیرہ کو واضح کیا گیا۔

3- تاریخی (Historical):۔اِن میں انبیاء سابقین کے قصص اور مزید تفصیل بیان کی گئی۔

4- نحوی (Grammarian):۔اِن میں قرآن مجید کے نحوی مسائل پر بحث کی ہے مثلاً اعراب القرآن رازیؒ۔

5- لغوی (Literal Sense):۔اِن میں قرآن مجید کے الفاظ مفردہ کے معانی اور اُن کی تحقیق ہے۔مثلاً مفردات القرآن، امام راغبؒ اور لغاتِ القرآن ابوعبیدہ:۔

6- کلامی (علم الکلام پر مبنی):۔ جن آیات القرآن سے عقائد (ایمان، اسلام، احسان وتصوف) کے مسائل مستنبط (Drived) ہوتے ہیں
اُن پر بحث کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا چھ (6) قسموں پر اعتدال کے ساتھ مشتمل جامع تفسیر صدیقی، از بحر العلوم مولانا ومرشدنا حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی علیہ رحمہ، سابق پروفیسر وصدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد انڈیا ہے جو عصر حاضر (1300ھ) میں اردو زبان میں لکھی گئی نہایت مفید اور مقبول ہے۔ ''تفسیر صدیقی'' مع مقدمہ اور تفسیر سورۃ فاتحہ جدید زمانہ کے اقتضاء کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔

خلاصہ یہ کہ آغاز نزول قرآن سے لے کر عصرِ حاضر (آج) تک مسلمانوں نے کتاب الٰہی کے ساتھ اعتناء (توجہ ملحوظ) کیا اور اس کے مطالب ومعانی اور اسرار ونکات معلوم کرنے کے لئے جو مساعی (کوشش) جمیلہ انجام دی ہیں، دنیا کی کوئی قوم اِس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ مگر اس ہمہ جہت سعی کے باوجود قرآن کریم جو قرآن مجید وقرآن حکیم بھی ہے کہ اُس کے بحرِ معانی میں غواصی کرنے (غوتا لگانے) والے ہر شخص کو عجز وتقصیر کا اعتراف کیئے بغیر چارہ نہیں۔ ابتداء سے آج تک ہزاروں تفاسیر لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں مگر فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق قرآنی نکات واسرار (مفہوم۔Mystery) ختم ہوتے نہیں نظر آتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے! (حدیث)

''قرآن میں پہلی اور پچھلی قوموں کے حالات مذکور ہیں۔ اس میں تمہارے فیصلہ جات بھی مرقوم ہیں۔ یہ فیصلہ کُن کتاب ہے، مذاق پر مشتمل نہیں، جو ازرہِ بغاوت اس کو نظر انداز کرے گا، خدا اُس کو توڑ پھوڑ دے گا۔ جو اُس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب سے ہدایت طلب کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کردے گا۔ یہ کتاب (قرآن) خدا کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ذکرِ حکیم وصراطِ مستقیم ہے۔ اس کی وجہ سے خیالات میں بے راہ روی نہیں آتی۔ اور نہ ہی زبان میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ علماء اس کو پڑھتے پڑھتے سیر نہیں ہوتے۔ بار بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ اور ملال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ وہی کتاب ہے کہ جب جِنّوں (جنّات) نے اِسے سنا تو بے ساختہ پکار اٹھے'' اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا o'' (ہم نے عجیب قرآن سنا)۔ جو قرآن کے مطابق بات کرے گا وہ سچ بولے گا۔ اور جو اس پر عمل کرے گا اُسے اجر دیا جائے گا۔ جو اِس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ وہ عدل وانصاف سے کام لے گا۔ اور جو اِس کی جانب دعوت دے گا، وہ صراط مستقیم پر گامزن رہے گا۔'' (ترمذی ج2 ص149)

سوال 3::۔تفسیر قرآن کا نصبُ العین کیا ہونا چاہئے؟ قرآن کریم کی حفاظت اس کی فصاحت و بلاغت، کلام الٰہی اور سنت نبوی کے ربط اور اہمیت کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

جواب:۔تفسیر قرآن کا نصبُ العین قرآنی ہدایات وتعلیمات پر روشنی ڈالنا اور اسلامی شریعت کے اسرار و رموز ایسے طریق پر واضح کرنا جو روح کے لئے پرکشش ہو۔جس سے شرح صدر (نورِبصیرت) نصیب ہوتا ہو اور نفوسِ انسانی کشاں کشاں ہدایت ربانی کی طرف چلے آئیں۔قرآن حکیم بنی نوع انسان کی فلاح وصلاح کے جملہ اجزاء و عناصر پر مشتمل ہے۔افراد اُمم کی ترقی کا راز قرآنی تعلیمات کی پَیروی اور اس کی حکیمانہ نظم وتربیت میں مضمر ہے۔قرآن کا معجزانہ اسلوب بیان جن حکمتوں کا جامع ہے جب تک اُن سے آگاہی حاصل نہ کی جائے تب تک اس کی پَیروی کا کوئی امکان نہیں۔یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم قرآنی الفاظ کے معانی ومطلوب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔عِلم تفسیر اِسی سلسلہ میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''تم میں کے اچھے وہ ہیں جو خود قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں (کنز العمال 921)۔دنیا میں کوئی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی حفاظت قرآن مجید کے برابر کی گئی ہو۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر:9)

ترجمہ:۔ہم نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

زمانۂ نبوت سے اب تک لاکھوں اس قرآن کے راوی، اُس کے حافظ، اس کے قاری چلے آرہے ہیں۔کیا مجال کوئی حافظ تراویح میں ایک کلمہ کے عوض دوسرا کلمہ پڑھ دے یا زیر یا زبر ہی کی غلطی کردے اور سامع (سننے والے مقتدی) اس کو لقمہ نہ دے۔قرآن شریف کو سیکھیں اور اس کو آگے دوسروں تک بڑھائیں، اس طرح قرآن کی روایت کی بہت اہمیت ہے۔روایت سے کتاب کی حفاظت اور تصدیق ہوتی ہے۔

قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت (Eloquence) کی راہ سے معجز (Miracle) ہونا، وہ ماہرین اور صحیح المذاق اہل زبان کو تو بالہدایت (خود ہی) معلوم ہوجاتا ہے اور دوسروں کو غور وفکر واستدلال کرنے سے واضح ہوسکتا ہے۔قرآن حکیم کی تفسیر کرنا یا لکھنا ہما وشما (ہر کسی) کا کام نہیں۔قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور زبانِ عربی میں نازل ہوا۔اس کو سمجھنے کے لئے عربی زبان پر کافی عبور کی ضرورت ہے۔اس کے علاوہ عربی لغت، محاورات، نحو، صرف، معانی و بیان سے واقفیت ضروری ہے۔کسی اور زبان کے مقابلہ میں عربی زبان وہ واحد زبان ہے جس میں لفظوں

اور ترکیبوں کی کثرت اور انصراف (Vocabulary) کی صلاحیت موجود ہے۔ اِس زبان میں باریک سے باریک فرق کو ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے و نیز اس میں مجرد اور مختصر اوزان موجود ہیں جو علمی اصطلاحوں کے لئے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی زبان پر عبور حاصل کرنا آسان کام نہیں۔

قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے حدیث وسنت کی حجیت (Reasoning) واہمیت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:7) یعنی پیغمبر ﷺ تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو (بچو)۔ اور پھر آیت قرآنی یہ بھی ہے **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** (النجم: 3,4) یعنی وہ پیغمبر ﷺ اپنی ذاتی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ صرف وحی ہے جو خدا کی طرف سے کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ قرآنی آیات مجمل ہو تو اس کی تفصیل حدیث وسنت سے اور حدیث مجمل ہو تو تو اس کی تفصیل ''قیاس'' سے ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنت نبویہ دراصل کلیدِ قرآن ہے۔ تفسیر میں یہ کوشش ہونی چاہئے کہ لوگ قرآن کے مفہوم کو سمجھ کر قرآن سے قریب ہو جائیں اور مسلمانوں میں اُس کا صحیح شعور بیدار ہو۔ قرآن کی صحیح اور حقیقی خدمت یہی تو ہے۔

سنّت نبوی کی حیثیت قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال (Forms) کی توضیح وتفسیر (Clarification) ہے۔ گویا حدیث کی مثال ضابطہ فوجداری [Criminal Panel Code (Cr Pc)] جیسی ہے اور قرآن بمثل تعزیرات ہند [(Indian Panel Code (IPC)] ہے جب تک کہ ضابطہ فوجداری سے واقفیت نہ ہو تعزیراتِ ہند پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اُسی طرح جب کہ حدیث شریف کا علم نہ ہو قرآن پر عمل نہیں ہوسکتا۔

قرآن سے مرتبہ میں موخر ہونے کے باوجود ایک جہت سے حدیث نبوی وسنت بجائے خود ایک مستقل ماخذِ تشریع (Legal source of Legislation) ہے کیونکہ سنت میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ سنت باوجود مستقل ماخذِ تشریع ہونے کے قرآن ہی کے تابع ہے یہ اور بات ہے کہ ہمارا فہم اور ہماری نظر اتنی دقیق (باریک بین) نہیں کہ اس کے (سنت کے) مرجع تک یعنی قرآن کے کس کلیہ (Formulae) سے اخذ کر کے وہ جزئیہ بیان کیا گیا ہے۔ اس اجتہادِ نبوی تک رسائی کے لئے ملکہ (Proficiency) نبوت درکار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدس کتاب (القرآن) نازل فرمائی جس کے ذریعہ طالبانِ امن و سلامتی کو راہِ (صراط مستقیم) دکھاتا ہے اور اُن کو بحرِ ظلمات سے نکال کر نورِ ہدایت سے بہرہ مند فرماتا ہے۔ اِس کتاب (قرآن) کی شرح و توضیح (Elucidation) کی ذمہ داری خداوندِ عزیز نے رسول کریم ﷺ پر ڈالی ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ آپ ﷺ نے قرآن کریم کی شرح و توضیح کرتے ہوئے اپنی مرضی سے کام نہیں لیا جیسا کہ یہ آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے!

اور (ہمارا رسول ﷺ) اپنی مرضی سے نہیں بولتا، وہ تو صرف وحی ہے جو آپ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے (النجم:3,4) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کریم ﷺ کی اطاعت کو ہم پر واجب قرار دیا۔ درحقیقت خدا کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت دو علیحدہ اطاعتیں ہی نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہی ہیں!

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء۔80)

ترجمہ: جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

لہذا اطاعتِ نبوی ﷺ کو اطاعتِ خداوندی سے الگ تصور کرنا جہالت کی دلیل ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ دونوں دینِ اسلام کے خشیتِ الٰہی کا احساس دلانے اور صراط مستقیم دکھانے والی مشعلِ نور ہیں اور پھر احکامِ شریعت اسلام کا سرچشمہ بھی خود کتاب وسنت ہی ہے۔ واضح ہو کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت واتباع کا حکم ہے گویا آپ ﷺ سے ربط وتعلق اور محبت کا حکم بار بار دیا گیا ہے۔ لہذا سنتِ نبوی ﷺ کی اتباع وپیروی بکمالِ عشقِ رسول ﷺ ہم سب اُمتیوں کے لئے لازم اور باعثِ نجات وخوش نودیِ الٰہی ہے دنیا میں اور آخرت میں۔

جہاں تک ائمہ محدثین و مفسرین اور علماء محققین کا تعلق ہے، یہ بات نہایت خوش آئند اور خوش نصیبی ہے کہ روایتِ حدیث کے سلسلہ میں جو قرآن کی شارح و ترجمان ہے، انہوں نے بحُسنِ خوبی اہتمام کیا اور روایتوں میں مسلسل سند (Chain of Authentication) کی جستجو کے مدنظر جو کد و کاوش (Striving Hard) کی اور روایتِ حدیث کو ایک مستقل فن کی صورت دے دی۔ اس طرح سے کسی نبیؑ کے بارے میں یا کسی مذہبی پیشوا کے سلسلہ میں اِس قسم کا کام کبھی نہیں کیا گیا جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مسلمانوں نے کیا۔ الحمدللہ اسلامی فن تاریخ بھی اس سلسلہ میں امتیازی مقام رکھتا ہے۔ زیر مطالعہ یہ کتاب بھی قارئین کے لئے اسی سلسلہ کی کاوش اور ایک ادنیٰ سعی (کوشش) ہے۔ امید کرتا ہوں کہ قارئین پسند فرمائیں گے اور اِس ناچیز کے حق میں دعا گو ہوں گے۔

اِس کتاب کے موضوع (Subject) کے لحاظ سے اِس کا نام ''نقشِ قدمِ رسول ﷺ'' مناسب سمجھا گیا اس کو تین باب (جلدوں) میں ترتیب دیا گیا۔

1- باب اول: احوالِ ائمہ تفسیر و فنِ تفسیر 2- باب دوم: احوال ائمہ حدیث و فنِ حدیث

3- باب سوم: احوال ائمہ فقہ و فن فقہ۔ زیر مطالعہ کتاب باب اول (احوالِ ائمہ تفسیر وفن تفسیر) کے مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل کتب سے اکتساب کیا گیا ہے۔

1- ''تفسیر صدیقی'' از مرشدی بحر العلوم پروفیسر حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ

2- ''معیار الکلام '' '' '' ''

3- ''الدین'' '' '' ''

4- ''تاریخ تفسیر و مفسرین'' از پروفیسر غلام احمد حریری

5- ''حجۃ اللہ البالغہ'' از حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

6- ''سنت خیر الانام'' از محمد کریم شاہ فاضل جامعہ الازہر

اِس کتاب کی ترتیب و تصریح میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا گیا ہے پھر بھی کوئی کوتاہی پائیں تو قارئین کرام زیورِ تصحیح سے مزین فرمائیں۔ اللہ ربّ العزت سے بعجز و انکسار دعا کرتا ہوں کہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل میں میری اس ادنیٰ سعی کو مقبولیت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

خادم

الفقیر، سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری، قادریؔ

M.S (ECE),MIETE

(سابق مہتمم پولس حیدرآباد)

5- قرآن شریف سے متعلق ضروری معلومات

5.1-اُمّیتِ رسول کریم ﷺ:.

سوال: 4 :. اُمّیتِ رسول ﷺ سے مراد کیا ہے؟

جواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تعلیم کا رواج اور لکھنے پڑھنے کی واقفیت ہی کم تھی۔ خال خال کوئی مذہبی پیشوا لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ بعض تجارت پیشہ سرداران کچھ کچھ کتابت سے واقف تھے۔ ایسے دَور میں حضور پُرنور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکمِ مادرہی میں تھے کہ آپؐ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوگیا چار سال کے ہوئے کہ والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر چھ سال کے تھے کہ جدامجد (دادا) حضرت عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب تعلیم وتربیت کرتا تو کون کرتا۔ مگرنہیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کا محافظ ومربی تھا اور وہی علم لدنی (باطنی علم) سے آپ ﷺ کو سرفراز کرنے والا تھا۔ اب کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کہ جس کو کسی نے تعلیم نہ دی ہو، جس کا کوئی تربیت کرنے والا نہ ہو، جس کا ماحول(Surroundings) تاریک ہو، ہرطرف جہل(Gross igorance) کی گرم بازاری ہو، وہ شخص اپنے ہاتھ میں مشعل ہدایت لے کر نکلتا ہےاور سارے عالم (دنیا) کا کایاپلٹ دیتا اورشرک وکفر کی تاریکی (اندھیرے) کو کافور (ختم) کردیتا ہے۔ روئے زمین کے بڑے بڑےادیانِ ومذاہب کوتقویم پارینہ بنا دیتاہےیعنی(Out dated) کردیتا ہے۔

بڑی بڑی ریاستوں کے قوانین کوردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا ہےاورخوداُن زبردست سلطنتوں کو پامالِ سم ستوان (بےاثر) کردیتا ہے۔ کیا یہ اعجاز(Wonder) نہیں؟ کیا خدا کا ہاتھ جب تک اُس کی پشت (پیٹھ) پرنہ ہوکوئی ہے جو ایسا ناقابلِ انکار کام کرسکتا ہے؟ کیا تاریخ عالم اس کی ایک بھی مثال دکھاسکتی ہے؟ نہیں، ہرگزنہیں! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَما كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (العنکبوت:48)

ترجمہ: اس سے پہلے تم (اے محبوب ﷺ) کوئی کتاب نہ پڑھتے تھےاور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْ ا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (البقرہ 23)

ترجمہ: اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

5.2-اعجاز قرآن:

سوال:5:. کیا قرآن کریم کا ایک عظیم معجزہ ہونا خود اعجازِ قرآن ہونا نہیں؟

جواب:. **معجزہ** (Miracle):۔خدائے تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کے سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔لہذا خدا تعالیٰ اوامر و نواہی (جائز و ناجائز، حلال و حرام کے احکامات) ایک عالی استعداد' غیر معمولی فطرت والے انسان پر نازل فرماتا ہے جس کو پیغمبر کہتے ہیں۔پیغمبر کی اصولی تعلیم، اس کے مکارمِ اخلاق، بندگانِ خدا کی اصلاح، اُس کی بے غرضی، انسانی ہمدردی، راست بازی، اس کی صداقت کے بہترین دلائل (Evidence) ہیں۔مگر خدائے تعالیٰ مزید تائید اور اذعان و یقین (اطاعت و یقین) کی خاطر پیغمبروں کی معجزات سے تائید فرماتا ہے اور اُمت کو زمانہ کے لحاظ سے جس کام میں مہارت ہوتی ہے اُس فن سے ملتا جلتا معجزہ عطا فرماتا ہے۔کیونکہ فنی مہارت کی وجہ سے وہ انسانی کام اور خدا کے کام میں تمیز کر سکتے ہیں۔

چونکہ گزشتہ زمانے کے پیغمبر خاص قوموں اور محدود زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے، تو اُن کے معجزے بھی وقتی (Timely) تھے۔حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فة للناس (تمام عالم کے لوگوں) کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور آپؐ کا دین قیامت تک رہنے والا ہے تو آپؐ کو ہزارہا معجزات، گونا گوں خوارق عادات کے علاوہ، قرآن شریف ایک ایسا دائمی معجزہ عطا کیا گیا جو اِس دین کی تائید کرتا رہے گا۔

بعض کہتے ہیں کہ پورا قرآن معجزہ ہے۔بعض کہتے ہیں کہ سورۃ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ یا اس کے مماثل تین آیتوں کی مقدار بھی معجزہ ہے۔ہر صاحبِ فن ٹھنڈے دل سے قرآن پر غور کرے گا تو قرآن اُسی کے اعتبار میں معجزہ بن کر چمکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس قوم میں پیدا ہوئے جس کو اپنی (فصاحت و بلاغت) کا بڑی دعویٰ تھا۔وہ خود کو عرب یعنی فصیح اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہتی تھی۔لہذا قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت معجزہ بنا دی گئی۔

5.3-حفاظتِ قرآن:.

سوال:6:. قرآن کے الفاظ اور اسکے پڑھنے کے لہجہ کی اللہ تعالیٰ و رسول مکرم ﷺ کس طرح حفاظت کا انتظام فرمائے تھے؟

جواب :۔حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ آزاد لوگوں کے سوا جو بھی اسیرانِ جنگ (جنگی قیدی) لکھنا پڑھنا جانتے تھے اُن کو آزاد کر کے مختلف مقامات میں اُن لوگوں کو متعین فرماتے کہ عام لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، خصوصاً قرآن مجید جو سب سے زیادہ اہم ہے اُس کی تعلیم دیں۔اس طرح قرآن شریف عام مسلمانوں میں شائع و ذائع (Propagated) ہوگیا۔خود حضرت ﷺ کے زمانے میں قرآن کے سینکڑوں حافظ تھے۔ قرآن مجید کی روایت کرنے والے سبع قراءات والے اور عشرہ قراءات والے تھے اور اب بھی ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔جو لوگ قرآن میں کمی زیادتی کے مدعی (چاہتے) ہیں وہ بلا تحقیق منافقوں اور دشمنانِ اسلام کے خیالات بیان کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر:9) یعنی ہم نے قرآن اُتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن شریف کو دیکھو ابتداء سے لے کر اب تک ایک لفظ کی کمی نہیں۔مزید حفاظت اس طرح کی گئی کہ تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے ذرا بھی غلطی ہوتی ہے تو سامع لقمہ دیتا ہے کہ صحیح یہ ہے۔ہزار ہا بلکہ لاکھوں حفاظ ہیں قراء ہیں جو قرآن کی روایت کر رہے ہیں اور حفاظت کر رہے ہیں۔

تاثیر قرآن :۔قرآن مجید کی تاثیر کے متعلق حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنے کا واقعہ خود ایک بہترین دلیل ہے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے نکلے تھے۔راستہ میں بہن کے گھر پہنچے۔بڑے اصرار سے قرآن مانگا کہ دیکھیں۔سورہ طٰہٰ پڑھی تو دل میں اتر گیا۔باطل کی تائید کے لئے چلے تھے فاروق اعظمؓ بن کر نکلے۔

عتبہ قریش کا بڑا سردار تھا ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سنایا تو دونوں ہاتھ ٹیک دیئے اور لگا جھومنے اور آنسو بہانے۔

قرآن کریم کی کتابت اور اس کا جمع کرنا :۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں جملہ (4) چار انصار صحابہؓ اور (4) چار مہاجرؓ صحابہ لکھنے پڑھنے والے موجود تھے اور حفاظ قرآن چالیس (40) صحابہ ہوئے تھے۔ابتداً قرآن متفرق چیزوں پر لکھ لیا جاتا تھا۔حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ لکھے پڑھے صحابہ کو مختلف مقامات پر بھیج دیتے کہ وہ قرآن کی تعلیم دیں یعنی اس طرح حیات طیبہ میں قرآن کے مدارس جاری ہوگئے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں چار مرد اور ایک عورت نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تو آپؓ نے اُن سے جہاد کر کے ان کے حملوں کا تدارک فرمایا۔نتیجتاً بہت سے حفاظ شہید ہوگئے تو آپؓ نے تمام مکتوب قرآن کو ایک جگہ جمع کر دیا اور محفوظ کر دیا۔حضرت صدیق اکبرؓ پہلے جامع قرآن ہیں۔پھر آگے چل کر حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ کے زمانہ خلافت میں ترتیب و کتابی شکل میں قرآن شریف کے سرکاری طور پر سات (7) نسخے تیار کئے گئے جو صحت کے اعتبار سے صحیح تھے اور پھر خوانگی نسخوں کو ختم کر دیا گیا۔اُن سات صحیح نسخوں کو اطراف کے بڑے بڑے شہروں کو روانہ کر دیا گیا جہاں وہ نسخے قرآن آج بھی موجود ہیں۔ یہی وجہ کہ حضرت عثمانؓ کو جامع قرآن(Scholar of Quran) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔اس طرح قرآن مجید کو قریش کے لہجہ کے مطابق متفقہ طور پر تیار کر کے محفوظ کر لیا گیا۔آگے چل کر حجاج بن یوسف خلیفہ کے زمانے میں روایت کے موافق قرآن میں اعراب لگائے گئے۔

5.4-تصوف(Obligacellence):۔

سوال:7:۔تصوف ہے کیا چیز؟ تصوف کے متعلق مختصر روشنی ڈالو؟

جواب:۔خدا کی ذات اور اس کے صفات اور بندوں سے اُس کا ربط جن جن علوم میں بیان کیا جاتا ہے اُن میں متکلم(Theologian) یعنی علم کلام جاننے والا اُن چیزوں پر عقل سلیم سے غور کرتا ہے۔صوفی بھی ان ہی امور سے بحث کرتا ہے مگر روحانی قوت (کشف) سے۔ خدائے تعالیٰ کی ذات اور اسماء و صفات سب قدیم (Antiquated and eternal) ہیں۔اُن پر عقل والے (متکلم) کشف والے (صوفی) اور اشراق والے (فلاسفر) سب ہی غور کرتے ہیں۔اصل چیز قدیم رہتی ہے مگر بیان کرنے والے اصطلاحات(Term) مقرر کرتے ہیں۔ان اصطلاحات کے نئے(New) ہونے سے اصل شئے نئی نہیں ہو جاتی۔ ہر شخص اپنی طرز و نظریہ (Theory) سے اصطلاح بناتا ہے۔اللہ تعالیٰ اور اُس کے صفات کے متعلق تمام پیغمبر(Prophets) تقریباً ایک ہی بات کہتے ہیں۔جس طرح چار مینار (قطب شاہی عمارت جو حیدر آباد دکن میں ہے) کو جو دیکھتا ہے ایک ہی بات کہتا ہے چونکہ وہ سینکڑوں سال سے جوں کا توں کھڑا ہے، ہندو دیکھے، پارسی دیکھے، انگریز دیکھے، جو دیکھے سب کا بیان چار مینار کے متعلق ملتا جلتا ہے۔مگر سب کی قوت نظر ایک ہی درجہ پر نہیں ہوتی۔ ہر ایک اپنے حوصلہ کے مطابق سمجھتا ہے۔بس اُسی طرح متکلم سے پوچھئے وہ کہتا ہے، خدا ایک ہے اور اُس کے صفات قدیم ہیں۔صوفی بھی کہتا ہے خدا اور اس کے صفات قدیم ہیں۔

مثال کے طور پر ایک آیت قرآنی لیجئے'' هُوَالْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ''

متکلم(Theologian) اللہ تعالیٰ کے متعلق کہتا ہے۔'' وہ سب سے پہلے تھا۔اُس کا وجود بالذات ہے۔اُس کے سوا

جتنے ہیں حادث (مخلوق) ہیں۔ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے قدیم ہے اول ہے اور صفات کے لحاظ سے ظاہر ہے، آخر ہے۔ اور یہ کہ وہ ذات کے لحاظ سے باطن ہے اور آثار (صفات) کے لحاظ سے ظاہر ہے۔''

صوفی (Obligacellence) کہتا ہے 'ھُو' سے مراد ذاتِ واحد ہے۔ اول و آخر، ظاہر و باطن یہ سب اس کے وجود (Existance) کے درجے ہیں۔ اِس کو صوفیہ ''وحدت مطلقہ'' کہتے ہیں۔ اور ذات کو بغیر لحاظ صفات کے ''احدیت'' کہتے ہیں اور صفات کے لحاظ سے ''واحدیت'' کہتے ہیں۔ صوفی کے پاس اصل صفات (امہات صفات) سات (7) ہیں۔ 1- حیات 2- علم 3- بصارت 4- سماعت 5- قدرت 6- ارادہ 7- کلام۔

متکلم خدا اور بندے کے ربط (تعلق) کے جاننے میں عاجز ہے۔ صوفی کہتا ہے ''اصل خدا کی ذات بالذات (Absolute) ہے، تو یہ سب بالعرض (Contingent) چیزیں (مخلوق) اس سے غیر نہیں۔ بالذات کے بغیر کوئی بالعرض موجود نہیں ہوسکتا۔ اس کا صاف صاف یہ کہنا ہوتا ہے ؎

یہ سب روپ تیرے تو بہروپیا ہے تو ہر رنگ میں رہ کے سب سے جدا ہے

(حضرت حسرتؔ صدیقی)

کیا یہی معنی ''ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاھِرُ وَ الْبَاطِنُ'' سے نہیں نکلتے؟ صوفی رات دن اللہ کو یاد کرتا ہے اور اُس کا تجربہ و احساس ہوتا ہے کہ خدا کے سوا موجود بالذات کوئی نہیں۔

بہرحال ابتدائے زمانے سے صوفی متکلم خدا کو، اُس کی صفات کو قرآن سے سمجھ رہے ہیں مگر اپنی اپنی فکر و ہمت کے مطابق بقول ؎ ''فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست''

کیا مسلمانوں نے یونانیوں سے یا ہندوؤں سے یا پارسیوں سے تصوف لیا؟ یہ سب غلط ہے۔ خدائے تعالیٰ قدیم ہے اور اس کے سمجھنے والے بھی ہمیشہ سے موجود ہیں۔ لوگوں کے بے تحقیق بات کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ اللہ کے نام کا اس کے تمام خصوصیات کے ساتھ کسی زبان میں ترجمہ نہیں ہوا، پھر دوسروں سے تصوف لینے کے کیا معنٰے؟ کیا تصوف خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو جاننے کہ سوا کچھ اور ہے؟ ہرگز نہیں۔ تمام پیغمبر ﷺ ذات و صفاتِ الٰہی کو جانتے تھے اور مسلمان بھی ہمیشہ سے جانتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ :3) یعنی ہم نے تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کردی، کی عنایت ہے۔ مسلمانوں سے زیادہ خدا کو جاننے والا کوئی نہیں۔ دیکھو! کوئی بت پرستی کرتا ہے کوئی نور اور روشنی کو پوجا کرتا ہے، کوئی فعل و انفعال باپ، بیٹا و روح القدس، تو کوئی مادہ، صورت و جیو اور خلو یعنی ترینیٹی (Trinity) کا قائل ہے۔ توحید تو صرف مسلمانوں کا حصہ ہے

۔جس کو مزید تحقیقات کی ضرورت ہو ہماری کتاب ''کشکول قادریہ'' مطالعہ فرمائیں۔

5.5-لغات قرآن

سوال:8:۔ تفسیر یا تفسیری ترجمہ کرتے وقت لغات قرآن کا کس قدر خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔لغات قرآن کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالو؟

5.5-**جواب**:۔لغات قرآنی (Quranic Literacy) قرآن شریف کا تفسیری ترجمہ یا پھر تفسیر دوسری زبان میں کرتے وقت اِس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہر لفظ کے معنی کیا ہیں۔اصل میں باعتبار مادہ کے کیا معنٰے ہیں اور عام طور سے کیا معنی لئے جاتے ہیں۔اشتقاق (لذتِ علم) کے لحاظ سے اور عام فہم میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔بعض دفعہ عربی لفظ کے معنی دوسری زبان میں ادا نہیں ہوسکتے۔ایسی صورت میں کئی لفظ لئے جائیں تا کہ مجموعے سے قرآن کے معنٰے سمجھے جاسکیں۔اس بات کی کوشش کرنا ہوگا کہ غیر زبان میں عربی لفظ کے قریب قریب کیا الفاظ مستعمل ہیں۔ترجمہ کرنے میں عربی زبان کے محاورات (Idioms) سے ایسے معنٰے لینا چاہئے جو مخالفین اسلام کے اعتراض سے پاک ہوں اور جس سے اسلام پر کوئی کمزوری یا برائی عائد نہیں ہوتی ہو۔تفسیر میں بہت سے اہم مسائل کا حل بھی جس قدر تحقیق سے ہو بیان ہوسکتا ہے مثلاً جزیہ، تعدادِ ازواج، غلاموں کو اسیر جنگ جیسی بحثیں۔غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں پر کبھی ''مکّی'' حالت ہے اور کبھی ''مدنی''۔جیسی حالت ویسا حکم دورِ حاضر میں ہم ''مکّی'' حالت میں ہیں۔ وقت کے اقتضاء کے لحاظ سے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ : 5) (تو مشرکین کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو) (لڑائی) کا حکم نہیں دیا جاسکتا بلکہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ : 195) (اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو) (اَمن) کا حکم دینا چاہئے۔

5.6-تکرار آیات کا فائدہ:۔

قرآن میں بعض جگہ ایک ہی آیت کو بار بار دہرایا گیا ہے۔اِس کا لُطف تو اُن کو ملتا ہے جو عربی کا صحیح مذاق (شوق) رکھتے ہیں۔قرآن میں ایک حرف کی جگہ اس کا مترادف (ہم معنیٰ) رکھیں تو درست نہیں۔قرآن کی عبارت میں ایک ایک لفظ اپنی جگہ ایسا جما ہوا ہے جیسا انگشتری (Ring) میں نگینہ (Diamond)۔ایک نگینہ کی جگہ دوسرا نگینہ نہیں رکھ سکتے۔جہاں فعل، فاعل ہے اُس کو مبتدا، خبر نہیں بنا سکتے۔ایک ہی قصے کو متعدد جگہ بیان کرنا اور ہر جگہ ایک نیا ہی لطف پیدا کرنا۔یہ اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ

(Eloquant) کلام ہونے کی نشانی ہے۔

5.7-ربط آیات:۔

تفسیر قرآن کرتے وقت ربط آیات کا خاص خیال رکھنا ہوتا ہے۔ایک رکوع کو دوسرے رکوع کے ساتھ مرتبط (Well-knit) کرنا۔قصوں کو قصوں سے ملانا۔اصل میں قصے تو ہے ہی نہیں بلکہ نتیجہ خیز (Result Oriented) واقعات ہیں۔اس واسطے ربط آیات کی وجہ سے بعض جگہ کچھ حذف (Omitted) ہے کچھ مقدر (Edited) ہے۔عربی زبان کے لحاظ سے اُن میں ربط (Connection) پیدا کرنا ضروری ہے۔ایسا حذف قرآنی اسلوب (Style) کے لوازم (Needs) سے ہے۔عرب لوگ جہاں حذف کیا کرتے تھے اُسی طرح قرآن میں بھی کیا گیا ہے۔اس حذف وتقدیر کا مزہ اُسی کو ملتا ہے جو عربوں کے طرز بیان اور اسٹائل سے واقف ہو۔جہاں حذف کیا گیا وہاں محذوف بیان کر دیا جائے تو وہ جملہ بالکل بھدّا (Ugly) ہو جائے گا۔یعنی اس کا بانکپن اور حسن (Beauty) باقی نہیں رہے گا۔

5.8-شانِ نزول:۔

تفسیر میں شانِ نزول آیت یعنی اسباب نزول بیان کرنے میں انتہائی محتاط ہونا چاہئے کیوں کہ قرآن شریف تو ''مبین'' (Clear) ہے اُس کا سمجھنا قصے کہانیوں پر موقوف نہیں۔قرآن مجید کوئی تاریخی کتاب تو نہیں ہے اس کے احکام ہر زمانہ کے لحاظ سے موزوں ہیں۔۔اُس میں کوئی واقعہ نہیں بیان کیا جاتا مگر اس کی غرض عبرت اور نصیحت اور بری باتوں سے روکنا ہوتی ہے۔قرآن شریف کا کام تو امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) اور نھی عن المنکر (برائی سے روکنا) ہے۔بعض لوگ اِدھر اُدھر کے قصوں سے تفسیر کو کئی کئی جلدوں میں کر دیتے ہیں۔

6-مقدمہ

سوال:9 :۔ تفسیر قرآن اور تاویل قرآن سے مراد کیا ہے، اِن دونوں میں کیا فرق و امتیاز ہے بیان کرو؟

6.1-جواب .تفسیر کا لغوی مفہوم:۔تفسیر کا لغوی معنیٰ واضح کرنے اور کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔قرآن کریم میں فرمایا!

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (الفرقان:33)

ترجمہ:

یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ لفظ ''تفسیر'' بلحاظ لغت محسوسات اور معقولات (معنیٰ ومفہوم) دونوں کے کشف (کھولنے) اور اظہار (بیان) کے لئے مستعمل ہے۔

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم:۔''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظِ قرآن کے تلفظ' اُن کے مفہوم و مدلول (دلائل) اُن کے احکامِ افرادی و ترکیبی سے اور اُن معانی سے بحث کی جاتی ہے جن کے حالتِ ترکیب میں وہ حامل ہوتے ہیں۔''

حضرت ابو حیّانؒ نے اپنی کتاب ''البحر المحیط'' میں تفسیر کی تعریف حسب بالا الفاظ میں کی ہے۔ اِس تعریف میں جو قیود (Stipulations) ہیں اُس کے فوائد بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس تعریفِ تفسیر میں ''علم'' کا لفظ جنس کی حیثیت رکھتا ہے جس میں سب علوم شامل ہیں جیسے جس علم کی مدد سے قرآنی الفاظ کے نطق (مخرج) وتلفظ کا پتہ چلتا ہے وہ علمِ قراءت ہے۔الفاظ کے معنیٰ ومفہوم علم لغت سے معلوم ہوتے ہیں۔جس کی تفسیر میں شدید ضرورت پڑتی ہے۔الفاظ کے احکام اَفرادی وترکیبی کا حال علومِ صرف ونحو اور بیان و بدیع (صراحت) سے معلوم ہوتا ہے۔ باقی رہی یہ قید کہ حالتِ ترکیب میں الفاظ جن معنی کے حامل ہوتے ہیں تو اُس سے حقیقی ومجازی معانی مراد ہیں۔اس لئے بعض الفاظ کی ترکیب ایک خاص معنی کی مقتضی (حامل) ہوتی ہے مگر ظاہراً ایک ایسا معنیٰ موجود ہوتا ہے جو حقیقی معنیٰ کی رکاوٹ ہوتا ہے۔اِس لئے مجازی مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔اس تعریف میں جو تتمہ وضمیمہ کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے ناسخ ومنسوخ اور سببِ نزول کی پہچان نیز ایسا واقع مراد ہے جو مبہماتِ قرآن کی توضیح (Clarify) کرتا ہو''

6.2-تاویل کا لغوی مفہوم:۔''تاویل'' کا سہ حرفی مادہ اَوْلٌ (رجوع کرنا) ہے۔
لسان العرب میں تاویل کلام کے معنیٰ اظہار و بیان کے ہیں۔ دوسرے معنیٰ میں تاویل کا لفظ اَوْلٌ بمعنی رجوع سے ماخوذ ہے گویا جو شخص تاویل کرتا ہے وہ کلام کو اس کے متعدد معنیٰ میں سے کسی ایک کی جانب لوٹاتا ہے۔ اگرچہ احتمال اُن تمام معانی کا ہوتا ہے لیکن وہ اُن میں سے ایک کو مراد لیتا ہے۔

تاویل کا اصطلاحی مفہوم:. علمائے سلف کی نگاہ میں تاویل کے دو معنیٰ ہیں۔
اول:۔کلام کے معنیٰ و مفہوم کو واضح کرنا خواہ وہ ظاہر کلام کے موافق ہو یا مخالف۔اس صورت میں تاویل و تفسیر مترادف (ایک ہی) ہیں۔
دوم:۔کسی کلام سے جو مفہوم مراد و مقصود ہو وہی تاویل ہے۔
متاخرین فقہاء و متکلمین کی نگاہ میں ''تاویل'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی دلیل کی بناء پر ایک لفظ کے راجح معنیٰ (عام معنیٰ) کو ترک کر کے مرجوع معنیٰ (ترجیحی معنیٰ) مراد لئے جائیں۔ اصول فقہاء اور اختلافی مسائل میں تاویل سے یہی مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں تاویل کا لفظ متعدد آیات میں مختلف معنیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے **سورۃ آل عمران** کی آیت(7) اور **سورۃ النساء** کی آیت(59) جن میں تاویل کے معنیٰ نتیجہ اور انجام مراد ہیں۔**سورۃ الاعراف** آیت(53) اور **سورۃ یونس** آیت(39) میں تاویل کے معنیٰ واقعہ کا ظہور پذیر ہونا ہے۔**سورۃ یوسف** میں تین آیات (6)، (37) اور (44) میں تاویل سے تعبیرِ خواب مراد ہے۔
سورۃ الکھف کے آیات(78) اور(82) میں تاویل ان اعمال کا موجب و محرک مراد ہے جو حضرت خضرؑ نے کشتی کو توڑنے، لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار کی تعمیر کے سلسلہ میں انجام دیئے تھے۔

6.3-تفسیر و تاویل میں فرق و امتیاز:.
1۔مفسر امام **بغویؒ** اور **الکاشیؒ** کا قول ہے!''تاویل کے معنیٰ ہیں آیت سے ایسا مفہوم مراد لینا جس کی اس میں گنجائش ہو۔ وہ مفہوم آیت کے سیاق و سباق (Context) سے ہم آہنگ ہو اور کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو۔ بخلاف اس کے آیت کے شان و نزول اور واقعہ متعلقہ کے ذکر و بیان کو ''تفسیر'' کہتے ہیں۔
2۔امام **ماتریدیؒ** فرماتے ہیں،''تفسیر کے معنیٰ قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ کہنا ہے کہ لفظ کے یہی معنی ہیں اور خداوندِ کریم نے یہی معنیٰ و مفہوم مراد لیا ہے۔ اِس کی کوئی قطعی و حتمی (Ultimate) دلیل موجود ہو پھر تو ٹھیک

ہے ورنہ ''تفسیر بالرائے'' ہوگی جو شرعاً ممنوع ہے۔بخلاف اس کے ایک لفظ میں جن مختلف معانی کا احتمال (Probality) پایا جاتا ہے اس میں سے ایک کو ترجیح دینے کا نام ''تاویل'' ہے۔اِس میں قطعی ویقین کا ہونا ضروری نہیں''۔

3-بعض علما کی رائے میں تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہوتا ہے اور تاویل کا درایت (Authentication) کے ساتھ۔

4- بعض مفسرین کے نزدیک ترتیب عبارت سے جو مفہوم مستفاد (فائدہ بخش) ہو اس کے بیان کرنے کو ''تفسیر'' کہتے ہیں۔اس کے برعکس عبارت سے جو مفہوم اشارتاً معلوم ہوتا ہے اس کے کشف واظہار کا نام ''تاویل'' ہے۔ مشہور مفسر علامہ آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی کے مقدمہ میں اس کی تائید کی ہے۔

5-امام زرکشیؒ فرماتے ہیں،''علما نے تفسیر وتاویل کے مابین جس فرق وامتیاز کو ملحوظ رکھا ہے،اس کا سبب یہی ہے کہ ''تفسیر'' میں منقولات (روایات) پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ''تاویل'' کا مدار وانحصار استنباط (ماخوذِ اجتہاد) پر ہوتا ہے۔(الاتقان ج 2,1)

6.4-غیر عربی زبانوں میں تفسیر قرآن:۔

سوال:10:۔قرآن کریم کے ترجمہ کی کتنی قسمیں ہیں مثال سے واضح کرو اور بتاؤ کہ تفسیر اور تفسیری ترجمہ میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب:۔صاحب کتاب تاج العروس لکھتے ہیں!

''کسی زبان کی تشریح وتوضیح کرنے والے کو ''ترجمان'' کہتے ہیں۔کلام کو دوسری زبان میں واضح کرنے کا نام ''ترجمہ'' ہے۔

ترجمہ کی دو قسمیں ہیں:۔ 1۔لفظی ترجمہ 2۔تفسیری ترجمہ

1- لفظی ترجمہ (Literal Meaning):۔لفظی ترجمہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں اسی نظم وترتیب کے ساتھ منتقل کر دیا جائے جیسے کے وہ پہلے سے ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اصلی کلام کے معنی ومفہوم کو بہرنوع (اس کی اصلی حالت پر) قائم رکھا جائے اور اُس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔

2- تفسیری ترجمہ:۔تفسیری ترجمہ سے مراد یہ ہے کہ ایک کلام کا مطلب دوسری زبان میں کھل کر بیان کر دیا جائے۔اُس میں سابقہ نظم وترتیب اور کلام کے اصل تمام معانی کا قائم رکھنا ضروری نہیں۔

واضح ہو کہ قرآن کریم کا لفظی ترجمہ بالمثل (جو ہر لحاظ سے قرآن کے مانند ہو) ممکن نہیں۔ نیز ترجمہ بغیر المثل (مترجم کی استطاعت کی حد تک صحیح صحیح ترجمہ) اگرچہ ممکن ہے مگر وہ جائز نہیں۔

اب رہا قرآن کا تفسیری ترجمہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا معنیٰ و مقصود دوسری زبان میں واضح (Clear) کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اصل کلام سے جو معنیٰ مراد ہوتا ہے اس کو سمجھ کر دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے۔ ایسا کرنا ممکن ہے۔

لفظی ترجمہ اور تفسیری ترجمہ کو مزید سمجھنے کے لئے قرآنِ کریم کی اس آیت کو مثال کے طور پر غور کریں۔ **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ** o (بنی اسرائیل:29)

اس آیت شریف کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا ''اپنے ہاتھ گردن سے نہ باندھو اور نہ ہی بالکل چھوڑ دو''۔ ظاہر ہے اس ترجمہ سے قرآن کا مقصد پورا نہیں ہوتا نہ ہی قرآن کا کوئی معنیٰ سمجھ میں آئے گا۔

اس کے برعکس صدر آیت کا تفسیری ترجمہ یہ ہوگا کہ ''بخل و امساک سے کام نہ لو اور نہ ہی اسراف کرو''۔ اس مثال سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ اس آیت سے قرآن کو جو مطلب و مقصود ہے وہ تفسیری ترجمہ سے منکشف (صاف) ہوتا ہے لفظی ترجمہ سے نہیں۔ لہذا قرآن کا تفسیری ترجمہ کسی تردّد و تذبذب (شک) کے بغیر جائز اور روا ہے۔ نیز تفسیری ترجمہ کا مطلب صرف یہ ہی ہے کہ قرآن جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کی شرح و تفسیر دوسری زبان میں بیان کر دی جائے۔

قرآن کی تفسیر کرنے کا مجاز کون ہے؟ اہل اسلام کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ جو شخص بشری استطاعت کی حد تک قرآن کریم کی شرح و تفسیر کی اہلیت سے بہرہ ور ہو، وہ قرآن کی تفسیر کرنے کا مجاز ہے۔ اسی طرح کسی شک و شبہ کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اجماع میں تفسیری ترجمہ بھی شامل ہے، اس لئے کہ تفسیری ترجمہ اور تفسیر میں چنداں فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ جس طرح تفسیر کرنے کے لئے مفرداتِ قرآن کی وضاحت، توجیہ مسائل کی ضرورت ہو یا تقریر و دلائل غرض حسب موقع و مقام سب سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ تفسیری ترجمہ میں بھی یہ سب باتیں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔

6.5-تفسیر اور تفسیری ترجمہ کے ما بین فرق :۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اور تفسیری ترجمہ میں دو پہلوؤں (Angles) سے فرق کیا جا سکتا ہے۔

1- قرآن کریم کی تفسیر اکثر عربی زبان ہی میں کی جاتی ہے جس میں کہ وہ نازل ہوا۔ بخلاف ازیں تفسیری ترجمہ عربی

زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی کیا جاتا ہے۔

2- دوسرا فرق یہ کہ تفسیر کا قاری (پڑھنے والا) قرآن کریم کے نظم وعبارت کو پیش نظر رکھتا ہے اور کوئی غلطی اس تفسیر میں پاتا ہے تو اصلاح کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس تفسیری ترجمہ کا قاری قرآن کے معنیٰ ومفہوم سے نابلد (ناواقف) ہوتا ہے اور غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ جو ترجمہ وہ پڑھ رہا ہے وہ قرآن کی صحیح تشریح وتوضیح پر مشتمل ہے۔

6.6-تفسیری ترجمہ کے شرائط:۔

سوال 11::۔تفسیری ترجمہ کرنے کے لئے کن شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے؟ تفسیر کی ضرورت واہمیت پر مختصر روشنی ڈالو؟

جواب:۔تفسیر قرآن اور تفسیری ترجمہ اُمت کے لئے اُن کا سیکھنا دینی فرائض میں سے ہے۔تفسیری ترجمہ تو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی کیا جاتا ہے جس کی بدولت قرآن کے مطالب ومعانی کو اُن مسلمانوں اور غیر مسلموں تک پہنچایا جاتا ہے جو عربی بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔اس کے علاوہ اُس کے ذریعہ ملحدین (Atheists) کے مکر وفریب سے اسلامی عقیدہ کی حمایت وحفاظت کی جاتی ہے اور مسیحی مشنریوں اور ان کے ہمنوا خارجی، قادیانی، وہابی وغیرہ اہل بدعت کے نظریوں کی ضلالت وجہالت کا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔اُنہوں نے دانستہ (جان بوجھ کر) قرآن کریم کے ایسے ترجمے کئے جو عقائد باطلہ اور تعلیمات فاسدہ کے طومار (Pack of lies) تھے۔اُس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ زبانِ قرآن سے ناآشنا لوگوں کے سامنے قرآن کو ایسی صورت میں پیش کریں جس سے وہ نفرت کرنے لگیں یا پھر باطل عقائد میں مبتلا ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں۔اس قسم کے تراجم فاسد (Sinful) ہیں جن کے خلاف اہل اسلام نے صدائے احتجاج بلند کیا۔اس لئے مندرجہ ذیل شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے تاکہ تفسیری ترجمہ صحیح اور مقبول ہو سکے۔

شرائط تفسیری ترجمہ:۔

1- شرائط تفسیری ترجمہ وہی ہیں جو تفسیر کے لئے ملحوظ رکھنا چاہئے۔ چنانچہ تفسیری ترجمہ پر اسی صورت میں اعتماد کیا جائے گا جب وہ احادیث نبویہ، عربی لغت اور اسلامی شریعت کے معتبر اصول وضوابط سے ماخوذ (Deduced) ہو۔ مترجم کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ قرآنی مطالب کے بیان کرنے میں ایسی تفسیر پر بھروسہ کرے جو اُن مآخذ سے منقول ہو۔جن کو علمائے متقدمین نے مدلل ومستند قرار دیا ہو۔اگر کوئی شخص اپنی ذاتی رائے سے قرآن کا مطلب بیان

کرے گا، یا ایسی تفسیر پر اعتماد کرے جو ان مصادر سے ماخوذ نہ ہو تو ایسا ترجمہ اسی طرح نا قابل اعتماد ہے جس طرح وہ تفسیر بھروسہ کے لائق نہیں جو ان چشمہ ہائے علمی سے مستفاد نہ ہو۔

2- دوسری شرط یہ ہے کہ مترجم گمراہ عقائد و افکار کا حامل نہ ہو۔ مفسر و مترجم کا رجحان و میلان (Inclination) کسی باطل عقیدہ کی جانب ہوگا تو وہ عقیدہ فاسد اس کے فکر و نظر پر چھائے گا جس کے نتیجہ میں ان کے ترجمہ و تفسیر میں بھی وہی رنگ غالب و نمایاں ہوگا۔

3- مترجم جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہو مثلاً عربی سے اور جس میں ترجمہ کر رہا ہو مثلاً اردو یا انگریزی میں تو ان دونوں زبانوں کا بخوبی ماہر ہو اور اُن کے اسرار و رموز، طریقِ استعمال، وضع و دلالت سے پوری طرح آگاہ ہو۔

4- مترجم کو چاہئے کہ پہلے قرآن کریم کی عبارت پھر اس کی تفسیر لکھے۔ بعد ازاں تفسیر، ترجمہ تحریر کرے تاکہ کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ یہ قرآن کا لفظی ترجمہ ہے۔ (المدخل المنیر، منهج القرآن)

6.7-علم تفسیر کی ضرورت و اهمیت:۔

یہ ایک بدیہی (قدرتی) امر ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تعمیل قرآن کے فہم و تدبر کے بعد ہی ممکن ہے۔ قرآن کا معجزانہ اسلوب بیان جن حکمتوں کا جامع ہے جب تک اُن سے آگاہی حاصل نہ کی جائے تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں۔ افرادِ اُمم کی ترقی کا راز قرآنی تعلیمات کی پیروی میں مضمر ہے۔ عصر حاضر میں عربی زبان و ادب میں مہارت باقی نہیں رہی۔ اس لئے اِس دَور میں علم تفسیر کی بیش از بیش ضرورت ہے۔ علم تفسیر اُن خزینہ ہائے علمی کی کنجی ہے جس کے بغیر قرآنی علوم و معارف کا باب وا نہیں ہوسکتا۔ اُس کا مفہوم و معنیٰ تفسیر کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔ قرآنِ کریم میں فرمایا!

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ (صٓ:28)

ترجمہ:۔ ہم نے بابرکت کتاب آپؐ پر نازل فرمائی تاکہ اُس کی آیات میں تدبر کریں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد:24)

ترجمہ:۔ کیا قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ .....فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر:17)

ترجمہ:۔ ہم نے قرآن کو آسان بنا کر نازل کیا کوئی ہے اس سے نصیحت حاصل کرنے والا؟

چنانچہ یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ تفسیر کا فائدہ یاد دہانی، عبرت آموزی (نصیحت لینا) اور عقائد و عبادات و

معاملات اور اخلاق میں خداوندی ہدایات کا معلوم کرنا ہے، تاکہ فرد اور معاشرہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو۔

امام جلال الدین سیوطی ؒ تفسیر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

''قرآن کریم **اَفْصَحُ الْعَرَبُ** (عرب کی فصیح و بلیغ شخصیت) حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر و عہد میں بزبان عربی نازل ہوا۔ حضرات صحابہ کرام اس میں بیان کردہ مسائل و احکام سے آگاہ تو تھے، البتہ قرآن کے باطنی دقائق و حقائق (Minute Secrets & Facts) آنحضور ﷺ سے دریافت کرنے پر ہی معلوم ہو سکتے تھے۔ جب یہ آیت قرآنی نازل ہوئی

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ (الانعام :82)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا۔

تو صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں سے کون شخص ہے جس نے ظلم کیا؟ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ظلم سے شرک مراد ہے'' اس کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی **اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ** (بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔'' جس طرح صحابہ کو تفسیر نبوی کی ضرورت ہوا کرتی تھی ہم اُن کی نسبت آپؐ کی رہنمائی کے زیادہ محتاج ہیں کیونکہ ہم عربی زبان کے اسرار و رموز سے بے گانہ ہیں۔

7-فہم قرآن عہدِ رسالت میں:.

رسول کریمؐ اور صحابہؓ کا فہم قرآن:۔

سوال۔12:۔عہد رسالت مآب ﷺ میں فہم قرآن کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

جواب :۔قرآن مجید نے عربی اسلوب وانداز کے مطابق حقیقت ومجاز، تصریح وکنایہ اور ایجاز واطناب(Verbocity) سب ہی سے کام لیا۔البتہ قرآن اپنی معجزانہ خصوصیت کی بنا پر دیگر عربی کلام پر فائق ہے۔یہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور سے قرآن کریم کو اجمالاً وتفصیلاً خوب سمجھتے اور جانتے تھے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (القیامہ:17)۔یعنی قرآن کو آپؐ کے سینہ میں جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارذمہ ہے۔ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامۃ:19) یعنی پھر اس کو واضح کرنا بھی ہم پر لازم ہے۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ قرآن کے ظاہری احکام کو اجمالاً سمجھتے تھے۔لیکن قرآن کریم کو تفصیلاً سمجھنے اور اس کے باطنی اسرار وحکم کو معلوم کرنے کے لئے اُن کی عربی دانی کے ساتھ ساتھ آنحضورؐ سے رجوع ہونا بھی ضروری تھا۔اور یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ تمام صحابہؓ فہم قرآن میں مساوی الدرجہ بھی نہ تھے۔چنانچہ قرآن کے بعض مفردات (آیات) ایسے ہیں جن کے معنیٰ سے اکثر صحابہ آشنا نہ تھے۔بعض صحابہؓ اس حد تک ماہر اللسان تھے کہ غریب الفاظ (Rarely used words) تک ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھے۔بعض صحابہؓ صحبت نبوی سے نسبتاً زیادہ مستفید ہوتے اور آیات کے اسباب نزول سے زیادہ واقف ہوتے۔

چنانچہ حضرت مسروقؒ تابعی فرماتے ہیں:

''مجھے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہے۔صحابہؓ ایک تالاب (Reservoir) کی مانند تھے۔تالاب سے ایک آدمی بھی سیر ہوسکتا ہے، دو بھی، دس بھی اور سو بھی۔بعض تالاب ایسے ہوتے ہیں کہ اگر روئے زمین کے تمام لوگ پانی پینے آئیں تو سیر ہوکر (خوب پانی پی کر) جائیں۔

(تاریخ التشریع الاسلامی ص184)

7.1-عہد رسالت میں تفسیر کے مصادر:.

سوال.13:. عہد رسالت ﷺ میں تفسیر قرآن کے سلسلہ میں کن مصادر پر اعتماد کیا جاتا رہا واضح بیان کرو؟

صحابہ کرامؓ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں تفسیر قرآن کے سلسلہ میں چار (4) مصادر (Source) پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

1- قرآن کریم 2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (سنت وحدیث) 3-اجتہاد 4-یہود و نصاریٰ کے اقوال

7.2- تفسیر قرآن کریم (مصدرِ اول): یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں ایجاز و اطناب (Verbocity) بھی ہیں، مطلق و مقید (Absolute and Stipulated) بھی اور عام و خواص سب ہی شامل ہیں۔ جو چیز ایک جگہ مختصر بیان کی گئی ہے تو دوسری جگہ تفصیلاً مذکور ہے اور ایک جگہ مجمل (خلاصہ) ہے تو دوسری جگہ مفصل (تفصیل) ہے۔ جو چیز ایک اعتبار سے مطلق ہے تو وہ دوسری جگہ ایک اور پہلو (Angle) سے مقید ہے۔ جو چیز ایک آیت میں عام ہے تو دوسری آیت میں خاص ہے۔ لہذا جو شخص قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ ایک موضوع (Topic) میں وارد ہونے والی تمام مکرّر آیات کو جمع کر کے اُن کا تقابل (Comparision) کرے۔ اس طرح مفصل سے مجمل آیات کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اور مبیّن (Clear) آیات کا فہم و ادراک (Perception) سے مبہم (Coded) آیات کا مفہوم متعین (معلوم) کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ اور یہ ''تفسیر القرآن بالقرآن'' ہے۔ صاحبِ کلام (اللہ اور رسول اللہ) سے بڑھ کر اور کوئی اس کے (قرآن کے) اسرار و رموز سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔

واضح ہو کہ قرآن نے وفائے عہد کا حکم دیا۔ بیع (تجارت) کو حلال ہونے اور ربوٰ (سود) کی حرمت (حرام ہونے) کی صراحت کی ہے مگر یہ سب اجمالی (خلاصہ کے) طور پر۔ وہ تفصیلات نہیں بتائیں جن سے معلوم ہو کہ صحیح معاہدات کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔ معاہدات کی وہ کونسی شکلیں ہیں جن کی پابندی ضروری ہے اور کس قسم کے عہد و پیمان باطل و فاسد شمار ہوتے ہیں۔ اُسی طرح بیع و شراء (خرید و فروخت) کے انواع (قسموں) کی تفصیل اور ربوٰ (سود) کی شکلیں قرآن میں موجود نہیں۔ ان تمام کی تفصیل کو اس لئے سنت پر چھوڑ دیا۔ معاملات و سیاسی نظم (Political discipline) اور اجتماعی زندگی سے متعلق قرآنی نصوص (Evidence) کا اس طرح کا اجمال، احکام کے بیان میں عظیم مصلحتیں رکھتا ہے۔ چونکہ قرآنی احکام زمانے کے ہر دَور کے لئے ہیں، لہٰذا قرآن میں اُن اُصول و کلیات (Principles) پر اکتفا کیا گیا ہے جن کے دامن میں قیامت تک ہونے والی جزئیات و تفصیل سمائی ہوئی ہیں تاکہ ہر دَور میں اقتضاءات و مصالح (Need & Reform) پر قرآن کے اجمالِ نص کے مختلف احتمالات (Probablities) منطبق ہوتے چلے جائیں۔ باوجود قرآنی نصوص کے اُس اجمال سے فائدہ اٹھانے کے انسان سنتِ رسولؐ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا کیوں کہ قرآن کے یہ اجمالی نصوص بجائے خود سنتِ نبویہ کا محتاج ٹھیراتی ہیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ

قرآن نے ساری تفصیلات کو سنتِ نبویہ کے حوالہ کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اس کی اقتداء اور اطاعت کا یہ حکم دے کر پابند کر دیا کہ!

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ یعنی جو چیز پیغمبرؐ تم کو دے دیا کریں وہ تو لے لیا کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے دست کش (بچتے) رہو اور ڈرتے رہو۔ اللہ کی مار سخت ہے۔ (الحشر 7:59)

اس سے معلوم ہوا کہ سنت نبویہ دراصل کلیدِ قرآن یعنی قرآن کی چابی ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن:. (چند مثالیں)

1- مجمل کو مُتبیّن پر محمول (Attribute) کر کے اس کے ساتھ مجمل کی تفسیر کرنا مثلاً فرمایا!

آیت مجمل:۔ **وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ** (المؤمن:28:40) یعنی اگر یہ رسول سچا ہے تو جس عذاب کا وعدہ وہ تم سے کرتا ہے اس میں سے کچھ تمہیں ضرور پہنچے گا۔ آگے چل کہ اسی سورت میں اِس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا!

آیت متبین :۔ **فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ** (المؤمن 77:40) جس بات کا وعدہ ہم اُن سے کرتے ہیں اگر اُس میں سے کچھ آپ کو دکھا دیں۔

2-آیات مطلق :۔ مطلق (Absolute) کو مقید (Confined) پر اور عام کو خاص پر محمول کرنا مثلاً! آیت مطلق کو آیت مقید کے سلسلہ میں شافعیہ قول کے مطابق دو حکم الگ ہوں اور اُن کا سبب ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ حضرت امام غزالیؒ نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ آیتِ وضو میں فرمایا!

آیت مقید :۔ **فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ** (المائدہ:6:5) اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ اِس آیت میں ہاتھ دھونے کی حد کہنی (Yelbow) تک مقرر کی ہے۔ آگے چل کر اسی آیت میں تیمّم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا!

آیت مطلق:۔ **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَ اَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ** (المائدہ 6:5) اپنے چہروں اور ہاتھوں کو اُسی سے مل لو۔ اِس آیت میں ہاتھ کی تحدید و تعین نہیں کی گئی۔ لہذا اس آیت میں بھی ہاتھ کہنیوں تک ہی مراد ہونگے۔

(مسلم الثبوت و شرح ج ا ص 361)

3-آیت عام کو آیت خاص پر محمول کرنے کی مثال!

آیت عام:۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (البقرہ 2:254) اس سے قبل کے وہ دن آئے جس روز نہ سودا بازی ہو گی نہ دوستی اور نہ سفارش۔

اس آیت میں دوستی اور سفارش کی نفی بطریق عموم (عام) فرمائی۔ پھر ایک اور جگہ متقیوں کو دوستی کی نفی سے مستثنیٰ (Exemption) قرار دیتے ہوئے فرمایا!

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍ م بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ (الزخرف 43:67)

اس روز دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، مگر متقی نہیں۔

اسی طرح ایک اور آیت میں اِذۡنِ رَبَّانِی پر مبنی سفارش کو مستثنیٰ قرار دیا، فرماتا ہے!

وَكَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡـًٔا اِلَّا مِنۡ م بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰهُ

(النجم53 :26) یعنیٰ آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر اِذنِ خداوندی کے بعد۔

یہ ہے ''تفسیر القرآن بالقرآن'' جس کی جانب صحابہ کرامؓ قرآن کے معانی و مطالب معلوم کرنے کیلئے رجوع کیا کرتے تھے۔ یہ ایک سطحی کام نہیں جو کسی غور و فکر کے بغیر انجام دیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی اساس ہی فکر و نظر پر رکھی گئی جو ہر انسان انجام دے نہیں سکتا ہے بلکہ ایسا عمل ہے جس سے اہل علم ہی عہدہ برآ (لائقِ انجام) ہو سکتے ہیں۔

7.3- سنت نبوی رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم مصدر دوم:۔

دوسرا ماخذ و مصدر جس کی طرف صحابہ کرامؓ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں رجوع کیا کرتے تھے نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ جب کسی آیت کا معنیٰ و مفہوم اُن کی سمجھ میں نہ آتا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع ہو کر اس کا مطلب دریافت کرتے اور آپ ﷺ اس پر روشنی فرماتے۔ قرآن کریم میں فرمایا!

وَ اَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ (النحل16 :44) یعنیٰ اور ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپؐ اُسے لوگوں کے لئے واضح کر دیں اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

اور نیز قرآن میں فرمایا:۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ (الحشر 59:7) یعنیٰ جو چیز پیغمبر تم کو دے دیا کریں تو لیا کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے بچے رہو اور ڈرتے رہو کہ اللہ کی گرفت یا عذاب سخت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حدیث)!

حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اپنے صوفے پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے پھر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ جو کتاب اللہ میں ہے بس ہم اس کی اتباع کریں گے۔

(احمد، ابوداؤد، ترمذی وابن ماجہ وبیہقی، مشکوٰۃ)

کتب حدیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان کتب میں تفسیر قرآن کے لئے ایک باب مخصوص کیا گیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثورہ و منقول تفسیر مندرج ہوتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں!

1- حضرت عدی بن حبان روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہودی ہیں اور اَلضَّآلِّيْنَ سے نصاریٰ۔ (احمد و ترمذی)

2- حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر یہ آیت پڑھی

''وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ'' (الانفعال:60) یعنی کفار کے لئے جتنی قوت ہو سکے تیار کرو۔ آپؐ نے فرمایا ''قوت'' سے اس آیت میں تیراندازی مراد ہے (یعنی اسلحہ و سامان جنگ)۔ (صحیح مسلم)

3- حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوثر'' جنت میں ایک نہر ہے جو خداوند تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے۔ (صحیح مسلم واحمد) تفسیر اتقان۔

علاوہ ازیں بکثرت احادیث صحیحہ میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

حدیث کے معنیٰ معلوم کرنے کے لئے فقہ کی احتیاج (ضرورت) ہے۔ اگر کوئی بغیر فقہ پڑھے صرف حدیث پڑھ کر عمل کرنے لگے تو وہ معنیٰ سے ناواقفیت کی وجہ سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے گا۔ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ بے تحقیق باتیں ہرگز نہ کرنی چاہیئے۔ تحقیقات کون کرے گا؟

''مجتہد'' (Islamic Jurist) کرے گا جسے خدا نے قرآن و حدیث کے اغراض و مقاصد سے واقفیت دی۔ عاجز و ناواقف کا علاج سوال ہی ہے۔ قرآن میں فرماتا ہے! فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل 16:43) یعنی اہل ذکر (اہل علم و باطن) سے سوال کرو اگر تم کو معلوم نہ ہو۔ لہٰذا قرآن کی شرح حدیث ہے اور حدیث کے ذریعہ قرآن پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔

آیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے پورے قرآن کی تفسیر بیان کر دی تھی؟ علماء اس ضمن میں

مختلف الرائے ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ آپؐ نے پورے قرآن کی تشریح فرمادی۔اِن کے سرخیل (سردار) شیخ الاسلام حضرت ابن تیمیہؒ ہیں۔بعض اہل علم کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ حضورؐ نے قرآن کریم کے کچھ حصے کی تفسیر بیان فرمائی تھی۔اِس جماعت کے رئیس اعلیٰ (سردار) حضرت بغویؒ اور حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ ہیں۔لیکن مسلک اعتدال اِن دونوں کے بین بیں ہے۔اِس میں کوئی شک نہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اکثر حصہ کے معانی بیان فرمائے ہیں جیسا کہ کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے مگر سارے قرآن کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔

یہ ایک بدیہی (قدرتی) بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اُس حصہ کی تفسیر بیان نہیں فرمائی جس کا تعلق کلامِ عرب کی معرفت و ادراک کے ساتھ ہے اور اُس حصہ کی توضیح نہیں فرمائی جو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اور اُس پر بھی روشنی نہیں ڈالی جن کا علم الٰہی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے مثلاً قیام قیامت' حقیقت روح۔لیکن آپؐ نے دیگر غیبی حقائق کی توضیح فرمائی جن کے اظہار و بیان کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔جس حصہ قرآن کا تعلق علماء کے اجتہاد و استنباط (Derivation) کے ساتھ ہے آپ ﷺ نے اس پر بھی روشنی ڈالی مثلاً آپ ﷺ نے مجمل کی تبیّن' عام کی تخصیص اور مشکل کی توضیح کے بارے میں واضح بیان فرمایا اور جہاں جہاں الفاظِ قرآن کے معانی میں پوشیدگی اور التباس (Confusion) تھا اس کو دُور فرمایا۔حضورؐ نے فرمایا ''کہ مجھے کتاب جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے''یعنی ''سنت'' اس کے معنیٰ کتاب الٰہی کے ساتھ اس کی توضیح وتفسیر بھی عطا ہوئی ہے۔آپؐ کی بیان کردہ تفسیر قرآن اُسی طرح واجب العمل اور لازم القبول ہے جس طرح قرآن کے ظاہری الفاظ جن کی تلاوت کی جاتی ہے۔مذکورہ صدر حدیث میں اس سنت نبوی کی مخالفت سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے جس پر حضورؐ نے عمل فرمایا ہو مگر قرآن میں اس کا ذکر کیا گیا ہو۔فرقہ خوارج وشیعہ کے گمراہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ظواہر قرآن سے وابستگی کا اظہار تو کرتے ہیں مگر احادیث نبوی کو ترک کرتے ہیں جن میں قرآن کریم کی شرح وتفسیر مذکور ہوتی ہے۔ (القرطبی)

معترضینِ حدیث ومنکرینِ حدیث کا یہ حال ہوتا ہے کہ اُن کا مطالعہ صرف چند نامکمل تراجم کتبِ حدیث تک محدود ہوتا ہے۔وہ اُن اصولوں سے بے خبر ہوتے ہیں جن سے کسی حدیث کی فقہی اور قانونی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔اور پھر وہم و گمان کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں۔اس طرح اپنے خود ساختہ اوہام میں سرگرداں رہتے ہیں۔اس وجہ سے اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور حدیث پر بے جا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔

علماء دین نے احادیث نبویؐ کو محفوظ رکھنے کے لئے اس کے تحقیق وتفحص (چھان بین) میں عرق ریزی (انتھک کوشش) کی اور انسانی بساط میں وضع واختلاطِ حدیث (ملاوٹ وبدلنے) کے فتنہ کے سدِّ باب کا جہاں تک تعلق ہے اُسے

باحسن وخوبی سرانجام دیا۔لیکن روایت میں کذب وافتراء (جھوٹ) اور سہو ونسیان (بھول چوک) کا راہ پالینا کیونکہ بعید از قیاس نہیں' ان کے فکر وفراست حقیقت شناس نے جہاں بھی روایت میں انسان کی نفسیاتی کمزوریوں یا لغزش کا سراغ ملا، اسے اجاگر کر کے رکھ دیا اور جہاں کہیں سقم (کمزری) اسے بے نقاب کر کے چھوڑا۔

7.4-حدیث نبوی کا شارح قرآن ہونا:۔

قرآن وحدیث کا باہمی ربط وتعلق ایسا ہے جیسے مبین ومبیّن' اسم فاعل واسم مفعول میں ہوتا ہے۔حدیث قرآن کی شرح و توضیح کرتی ہے۔مثلاً قرآن میں جو آیات مجمل یا مشکل ہیں حدیث ان کی توضیح (Elucidation) کرتی ہے۔جو آیات عام ہیں حدیث اُن کی تخصیص کرتی ہے اور جو مطلق ہیں ان کو مقید کرتی ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بیان مجمل:.

مثلاً قرآن کریم میں نماز کا حکم دیا گیا مگر اس کے ادا کرنے کا طریقہ وتفصیلات مذکور نہیں۔اسی طرح قرآن میں زکوٰۃ کا حکم اور حج کا حکم صادر فرمایا لیکن تفصیلات وطریقہ عمل مذکور نہیں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ وحدیث میں اِن اعمال کی تفصیل اور طریقہ بتایا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: خُذُوْا عَنِّیْ مَنَا سِکَکُمْ (مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو)۔

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْ نِیْ اُصَلِّیْ (نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو)۔(صحیح بخاری)

توضیح مشکل:.

مثلاً قرآن کریم میں فرمایا:۔''اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ''(البقرہ2:187) یہ آیت فجر کا وقت شروع ہونے اور رمضان میں سحری کا وقت ختم ہونے سے متعلق ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی تشریح فرمائی کہ سیاہ دھاگے سے ''رات'' اور سفید دھاگے سے ''دن'' مراد ہے۔

تخصیص عام:۔

مثلاقرآن میں ہے'' اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ (الانعام:83:6)

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے محفوظ رکھا۔

اس آیت میں ''ظلم'' کا لفظِ عام وارد ہوا۔آپؐ نے اسکو ''شرک'' کے ساتھ مخصوص فرمایا۔اور ظلم سے مراد یہاں ''شرک'' فرمایا۔

تقییدِ مطلق:

چور کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا!

فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا (اُن کے ہاتھ کاٹ دو) **(المآئدہ 38:5)**

حضور ﷺ نے مطلق ہاتھ کو ''دائیں ہاتھ'' کے ساتھ ''مقید'' فرمایا۔

اسکے علاوہ آپ ﷺ نے قرآن کے بعض الفاظ کی بھی تشریح فرمائی مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا کہ!

''**مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ**'' سے یہودی اور ''**اَلضَّآلِّیْنَ**'' سے نصاریٰ مراد ہی۔

اسی طرح شرح قرآن کا ایک اور طریقہ یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے احکام بیان فرمائے جو قرآن میں بیان کردہ احکام سے زائد ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل احکام!

1- پھوپی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی سے بہ یک وقت نکاح کرنے کو حرام قرار دیا۔

2- صدقہ فطر کا حکم فرمایا۔ 3- شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ 4- دادی کا وراثت میں حصہ مقرر فرمایا

5- دو گواہوں کے بجائے ایک گواہ اور حلف کی بنا پر مدعی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ اس کے علاوہ اور بھی دیگر احکام کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

کتب فقہ میں اور بھی بکثرت احکام مذکور ہیں۔

7.5- اجتھاد و استنباط (مصدر سوم):

عصر صحابہ میں تفسیر قرآن کا تیسرا مآخذ اجتہاد واستنباط (Deducing & Derivation) ہے۔ جب صحابہ کرام کسی آیت کی تفسیر خود قرآن میں پاتے نہ اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا ہوتا تو ایسی صورت میں وہ اپنی رائے و اجتہاد کی جانب رجوع کرتے تھے۔ یہ اُن آیات کے ضمن میں ہوتا جہاں نظر وفکر کی ضرورت پڑتی۔

تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صحابہ کرام کے حسب ذیل وسائل اجتہاد ہوا کرتے تھے۔

1- عربی زبان کے اَسرار و اَوضاع (طور طریقہ) کی پہچان۔

2- عربوں کے اخلاق وعادات سے آشنائی۔

3- نزول قرآن کے وقت جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کے حالات سے آگاہی۔

4- قوتِ فہم و وسعتِ عقل۔

عربی زبان کے اوضاع و اسرار سے آگاہی ایسی آیات کے سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے جن کا فہم و ادراک عربی

زبان کی پہچان پر موقوف(Dependent) ہے۔

اِسی طرح جو آیات عربوں کے اخلاق و عادات سے متعلق ہیں اُن کا مفہوم جاننے کے کے لئے اُن کے عادات واطوار سے واقفیت ناگزیر ہے۔مثلاً یہ آیت!

1-اِنَّمَا النَّبِیُ ءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ (التوبہ:27)یعنی مہینوں کو پیچھے کرنا کفر میں اضافہ کا موجب ہے۔

2- وَ لَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡ تُوۡا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُھُوۡرِھَا (البقرہ:189:2) یعنی یہ نیکی نہیں کہ گھروں کو پچھلی جانب سے آ ؤ۔ اِن دو آیات کا مفہوم سمجھنا نزولِ قرآن کے وقت عربوں کے عادات سے واقفیت پر منحصر ہوتا ہے۔اُسی طرح اُن آیات کے سمجھنے کے لئے جن کا تعلق اہل کتاب کے اقوال و اعمال پر تنقید سے ہے' اُس وقت کے یہود و نصاریٰ کے احوال سے آشنائی سے مدد ملتی ہے ۔نزول قرآن کے اسباب و واقعاتِ متعلقہ سے آ گاہی بھی اکثر قرآنی آیات کے فہم ومعرفت میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ امام ابن دقیقؒ کا قول ہے!

''سببِ نزول کا ذکر و بیان قرآن کے معانی کے سمجھنے میں بڑی حد تک مددگار ثابت ہوتا ہے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''سببِ نزول کی پہچان سے آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے'اس لئے کہ سبب کے جان لینے سے مسبب کا علم حاصل ہوجاتا ہے''۔ **(منہج الفرقان)**

قوت فہم اور وسعت عقل و فراست کا معاملہ تو یہ خدا داد عطا ہے جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے نوازتا ہے۔ بہت سی آیات ایسی ہیں جن کا مفہوم و معنیٰ نہایت دقیق و پوشیدہ ہے اور صرف وہ شخص اُن کے مطالب (معنیٰ) سے بہرہ یاب (آگاہ) ہوتا ہے جو نور بصیرت (علم لدنی) رکھتا ہو۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے اِس سعادت سے بڑا حصہ ملا تھا۔چنانچہ آپؓ سے بکثرت تفسیری احادیث و آثار منقول ہیں۔حضور ﷺ نے دُعا فرمائی! اَللّٰھُمَّ فَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ وَ عَلِّمۡہُ التَّاۡوِیۡلَ۔(باری تعالیٰ اِس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو قرآن کی (تفسیر) تاویل سکھادے۔ (صحیح بخاری)

اس میں شک نہیں کہ مندرج بالا صدر وسائل و ذرائع کے فہم و استعمال میں تمام صحابہ کرامؓ یکساں نہ تھے۔یہ ہی وجہ ہے کہ اُن میں بعض آیاتِ قرآنی کے معنیٰ و مفہوم سمجھنے میں اختلاف رونما ہوا' اگرچہ یہ اختلاف تابعین و اتباع کے اختلاف کی نسبت بہت معمولی اور سرسری ہے۔مثلاً جب یہ آیت شریف نازل ہوئی تو بہت سے صحابہ کرام بہت خوش ہوئے کہ

اس آیت میں دین کے کامل ہونے کی بشارت دی گئی ہے! اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المآئدہ :3:5)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ آیت سُن کر رو پڑے اور فرمایا کہ کمال کے بعد نقصان و زوال کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لئے اِس آیت میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کا اشارہ کیا گیا ہے۔ آپؐ کا یہ خیال درست نکلا اور اس آیت کے نزول کے اکاسی (81) دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا۔

(الموافقات الشاطبی)۔

حضرت جبیرؓ ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے فرمایا ''ابن عباسؓ تم سب سے بڑے عالم ہیں۔'' چنانچہ ایک روز آپؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جبیرؓ کو بلایا اور فرمایا ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ '' کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بعض نے کہا ''اس میں حمد و استغفار کا حکم ہے''۔ بعض بالکل خاموش رہے۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہا، ''ابن عباسؓ کیا خیال ہے؟'' میں نے عرض کیا بات یوں نہیں ''فرمایا'' پھر کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا ''اس سورۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قربِ اَجل سے آگاہ کیا گیا ہے اور ارشاد فرمایا ''جب اللہ کی مدد و فتح آجائے تو یہ آپؐ کے آخری وقت کی علامت ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میرا بھی یہی خیال (قیاس) ہے''۔ (بخاری باب تفسیر)

استنباط فقیہ کے اثبات کے لئے قیاس (Analogy) کا مرتبہ کتاب (قرآن) و سنت اور اجماع (Consensus) کے بعد ہے۔ لیکن یہ اپنے دائرہ اثر کے لحاظ ''اجماع'' کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع (Broad) ہے کیوں کہ اجماعی مسائل عملاً محدود اور معدودے چند ہوتے ہیں۔ اِس کے علاوہ عصرِ اول (صحابہ) کے بعد ہی علمائے دین مختلف شہروں میں دُور دراز مقامات پر پھیل گئے۔ مشاورتِ عامہ (اجماع) کے لئے مجتہدین کا اجتماع اور کسی حکم پر اجماع ممکن العمل نہیں رہا۔ آج بھی یہی حال ہے۔ برخلاف اس کے ہر مجتہد اپنی فکر و نظر اور کتاب و سنت میں اپنے درک و بصیرت کے لحاظ سے ہر ایسے مسئلہ میں ''قیاس'' کرتا ہے جس کا کوئی حکم کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور نہ اس کے کسی حکم پر ''اجماع'' ہو چکا ہو۔ چونکہ ہر زمانہ میں ''قیاس'' سے سابقہ پیش آنا تھا' اس لئے کتاب و سنت میں بیان احکام پر اکتفاء نہ کیا گیا بلکہ اُن کی علت و غایت (Need and Evidence) کا بھی تذکرہ کر کے طریقِ قیاس کا دروازہ کھول دیا تاکہ منصوص (قطعی و متواتر) کے ساتھ غیر منصوص (قیاس و استنباط) کا الحاق کیا جا سکے اور استدراک کی علت کی بناء پر از روئے قیاس ''غیر

منصوص'' کا بھی وہی حکم قرار دیا جائے جو'' منصوص'' کا بیان ہوا ہے۔ جن قیاسات کا ماخذ قرآن وحدیث ہوتا ہے وہ درست ہیں اور جن آرا کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ ہی حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں بعض دفعہ بعض امام قرآن و حدیث سے اُسی حکم کا استنباط کرتے ہیں۔ کم فہم اُس کے ادراک (Perception) سے عاجز رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری رائے (صرف رائے) ہے' اُس کا کوئی ماخذ نہیں حالانکہ اُن لوگوں کی نظر دقیق (Minute) نہیں۔ آدمی کو'' قیاس'' کے سلسلہ میں پوری طرح محتاط (Careful) رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ قیاس و استنباط کے ذریعہ جو فروعی احکام (Sub-Rules) ظاہر ہوتے ہیں وہ بعد میں بجائے خود ایک اصل کی سی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں یعنی انکو نظائر کا مقام حاصل ہوجاتا ہے، وہ اس لئے کہ جس علت کی بناء پر وہ احکام ثابت ہوئے تھے وہی علت ایک نئے معاملے (مسئلہ) میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسطرح قیاس پر قیاس کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔ اکثر احکام میں علتیں ملحوظ ہوا کرتی ہیں جن سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جہاں وہ علت پائی جائے قیاس سے وہ حکم ثابت کیا جائے۔ علت کا قائم کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو آیت قرآنی وحدیث پر عبور رکھنے کے علاوہ اپنی جودیتِ طبعی (خداداد صلاحیت) سے شارح (کتاب وسنت) کے مقصود کو قرائن سے معلوم کرسکیں۔ ایسے ہی لوگ فقیہہ اور مجتہد ہوتے ہیں۔ اور علت کا معلوم کرنا بس اُن ہی کا کام ہے۔

7.6- اسرائیلیات یہود و نصاریٰ (مصدر چہارم):۔

عہدِ صحابہ میں تفسیر قرآن کا چوتھا ماخذ یہود و نصاریٰ تھے۔ یہ اس لئے کہ قرآن کریم بعض مسائل میں عموماً اور قصصِ انبیاء و اقوام سابقہ کے واقعات واحوال میں خصوصاً توراۃ کیساتھ ہم آہنگ ہے اور بعض بیانات انجیل سے ملتے جلتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور انکے معجزات وغیرہ۔ البتہ قرآن کریم کا طرز و منہاج توراۃ و انجیل کے اسلوب بیان سے بڑی حد تک مختلف (الگ) ہے۔ قرآن کریم کسی واقعہ کی جزئیات و تفصیلات بیان نہیں کرتا بلکہ واقعہ کے صرف اُسی جز پر اکتفاء کرتا ہے جو عبرت و موعظت (نصیحت) کے نقطۂ خیال سے ضروری ہے۔ اکثر انسانی فطرت ہے کہ تفصیلِ واقعہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بعض صحابہؓ اُن واقعات کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے نومسلم اہل کتاب صحابہ مثلاً عبداللہ بن سلامؓ ' کعب الاحبارؓ اور دیگر یہود و نصاریٰ علماء کی جانب رجوع کرنے لگے۔ مگر ایسا رجوع اُن اُمور و واقعات کے بارے میں نہیں کیا جاتا تھا جس کے سلسلہ میں صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے ہوں۔ اور جو چیز آپ ﷺ سے ثابت اور منقول ہوتی ہو۔ تو صحابہؓ کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے خواہ وہ کسی درجہ کا بھی انسان ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تفسیر کا یہ چوتھا مصدر بہت کم اہمیت کا حامل ہے اسلئے کہ توراۃ و انجیل میں تحریف (Misinterpritation) ہوچکی ہے اور یہ فطری بات ہے کہ اہل اسلام اپنے دین کی حفاظت کرتے اور کتابِ الٰہی (قرآن) کو اُن محرّف (Tampered) کتب کے اثرات سے بچاتے ہیں۔اس لئے صحابہؓ اہل کتاب سے وہی بات اخذ کرتے جو اُن کے عقیدہ اسلام سے ہم آہنگ (موافق) ہو اور قرآن سے متصادم نہ ہو۔ جو باتیں قرآن کے موافق ہوتی ہیں تو ایسی باتوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے، نہ تصدیق کی جاتی اور نہ اُسے جھٹلایا جاتا ہے۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ایسے اُمور میں یہی ہے کہ ''اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب'' (حدیث)۔مفسرِ قرآن کے لئے بہترین طریق کار یہی ہوسکتا ہے کہ وہ امکانی حد تک غیر ضروری اسرائیلیات سے صرفِ نظر (توجہ نہ) کریں اور بے کار اسرائیلی افسانے بیان کرنے سے اجتناب کرے جو قرآن کے معنیٰ و مفہوم معلوم کرنے میں سنگِ راہ (مانع) ہو سکتے ہیں۔

8-تفیسر قرآن

(پہلا دَور)

8.1-تفسیر صحابہؓ کی اھمیت

سوال . 14:. تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صلاحیت مفسر صحابہ کرامؓ کی خصوصیت واہمیت علمائے کرام کی نظر میں مختصر بیان کرو؟

جواب:۔امام حاکمؒ لکھتے ہیں!

''حدیث کا طالبِ علم آگاہ رہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود ہو اُس کی تفسیر شیخین (امام بخاری ومسلم) کے نزدیک ''حدیث مرفوع'' کا درجہ رکھتی ہے''۔ **(تدریب الراوی)**

محدث ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں!

''جہاں تک صحابہ کے دیگر تفسیری اقوال کا تعلق ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہ کیا گیا ہو اُن کو ''موقوف'' ہی قرار دیا جائے گا ''مرفوع'' نہیں''۔ **(مقدمہ ابن الصلاح)**

امام حاکمؒ: نے اپنی کتاب ''**معرفة علوم الحديث**'' میں حضرت ابن الصلاحؒ کے قول کی تائید کی ہے۔

تفسیری اقوالِ صحابہ کرامؓ کے بارے میں علما کے مختلف نظریات ہیں!

(الف) مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک صحابہؓ کے تفسیری اقوال واجب الاحتجاج (Argument) یعنی دلیل بن سکتے ہیں۔اس لئے کہ ممکن ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر وہ تفسیر بیان کی ہو تو اُن کی رائے ہم سے بدرجہا اولیٰ (بہتر) ہے اس لئے کہ وہ اہل زبان ہونے کے اعتبار سے قرآن کریم کا بہتر علم وفہم رکھتے ہیں۔وہ صحبتِ نبوی ﷺ سے مستفید ہیں کہ انہوں نے ان قرآئن واحوال کا بچشم خود معائنہ فرمایا ہے جن میں قرآن نازل ہوا۔خصوصاً خلفائے راشدینؓ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ علوم قرآنی میں بصیرت تامہ رکھتے ہیں۔

(ب) مفسرین کے ایک دوسرے گروہ کے نزدیک صحابہؓ کے ''موقوف'' اقوال تفسیری سے اخذ واحتجاج (Argument) واجب نہیں۔اسلئے کہ جب صحابیؓ اُسے مرفوعاً روایت نہیں کرتے تو اُس کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ اُن کے اجتہاد پر مبنی ہے اور ''مجتہد'' (Interpreter) سے خطا وصواب (دونوں کا احتمال) (امکانِ غالب) ہوتا ہے۔

(ت) مفسر ابن کثیرؒ ارشاد فرماتے ہیں!

''جب کسی آیت کی تفسیر ہمیں کتاب وسنت میں نہ ملے تو ہم اقوالِ صحابہ کی جانب رجوع کریں گے چونکہ انہوں نے نزول قرآن کے احوال وقرائن بچشم خود ملاحظہ فرمایا تھا۔اور اُن میں فہمِ کامل' علمِ صحیح اور عملِ صالح پایا جاتا ہے اور وہ قرآنِ کریم کی تفسیر ہم سے بہتر جانتے ہیں خصوصاً اُن کے اکابر مثلاً خلفائے راشدین آئمہ اربعہ و اہل علم صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ'' (ابن کثیر)

مفسر ابن کثیرؒ کا قول اطمینان بخش، قلب کو اپیل کرنے والا اور قابل تسلیم ہے۔

8.2- عهد رسالت و عصر صحابه کی تفسیری خصوصیات:.

1- عہد رسالت وعصر صحابہؓ میں پورے قرآن مجید کی تفسیر بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف اُسی حصہ کی جس میں کچھ دِقّت وغموض (Minute Point) پایا جاتا تھا۔جوں جوں اُس دَورِ صحابہ سے دُوری ہوتی گئی اُسی نسبت سے قرآن کے معنیٰ میں خفا واشتباہ (Doubt) کا اضافہ ہوتا جاتا تھا اور اس کے زیر اثر آیات کی تفسیر بھی بڑھتی جاتی حتیٰ کے اگلے تاریخی دَور میں جملہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر مکمل ہونے لگی۔

2- قرآن کریم کے معانی ومطالب کے فہم وادراک میں صحابہؓ کے یہاں بہت کم اختلاف پایا جاتا تھا۔

3- صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے اجمالی معنیٰ پر اکتفاء کرتے تھے اور تفصیلات کی طلب وتلاش کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔

4- صحابہؓ مختصر ترین الفاظ میں لغوی معنیٰ کی تشریح کرنے کو کافی خیال کرتے۔

5- صحابہؓ قرآنی آیات سے فقہی احکام کا استنباط (Deduction) شاذ و نادر ہی کرتے تھے۔چونکہ صحابہؓ متفق العقائد رہے ہیں اور اُن میں ابھی تک مذہبی اختلاف کا ظہور نہیں ہوا تھا۔اس لئے وہ گروہی تائید وحمایت کے لئے آیات سے استدلال کرنے کے عادی نہ تھے۔

6- عصر صحابہؓ میں تفسیر قرآن کی تدوین (Editing & Printing) نہی ہوئی بلکہ تدوین تفسیر کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا۔البتہ بعض صحابہؓ نے اپنے اپنے مصاحف (کتابچہ) میں تفسیر الفاظ تحریر کر لیے تھے۔

7- عصر صحابہ میں تفسیر کی کوئی جداگانہ منظّم (Organised) صورت نہیں رہی تھی بلکہ تفسیری اقوال احادیث کے ساتھ ملے جلے ہوتے تھے۔احادیث کی طرح متفرق آیات کی تفسیر بلا نظم وترتیب الگ الگ بیان کی جاتی تھی۔احادیث بھی اِسی طرح متفرق تھیں مثلاً نماز سے متعلق احادیث کے پہلو میں جہاد کی احادیث اس کے ساتھ میراث کی احادیث روایت ہوا کرتی تھیں۔

8- صحابیؓ رسول کے تفسیری اقوال جب اسباب نزول یا ایسے اُمور سے متعلق ہو جن میں عقل انسانی (قیاس) کو دخل نہیں

ہوسکتا تو وہ ''حدیث مرفوع'' کے حکم میں ہوگی۔اور جس تفسیری قول میں عقل انسانی (قیاس واجتہاد) کو دخل ہو اور اس کو صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب بھی نہ کیا ہو تو اسے ''حدیث موقوف'' قرار دیا جائے گا۔

9- صحابہؓ کی مرفوع روایت کو کسی طرح رَد نہیں کیا جاسکتا۔لہذا مفسرِ قرآن لازماً اُس سے استناد (تصدیق) کرے اور کسی صورت میں بھی اُس سے انحراف نہ کرے۔

9-مفسرین صحابہ کرامؓ

صحابہ کرام قرآن کریم کی وہی تفسیر بیان کرتے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے یا پھر جس آیت کا سببِ نزول انہوں نے خود ملاحظہ فرمایا ہوتا یا وہ چیز بطریق اجتہاد و استنباط اُن پر منکشف ہوتی وہی بیان کرتے۔

مشاہیر مفسر صحابہ کرامؓ:

سوال.15:۔مشاہیر مفسر صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی بیان کرو؟

جواب :۔حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان'' میں مشہور مفسر صحابہ کے نام تحریر فرمائے ہیں جن میں 1- حضرت ابوبکر صدیقؓ 2- حضرت عمر فاروقؓ 3- حضرت عثمان غنیؓ 4- حضرت علی مرتضیٰؓ 5- حضرت عبداللہ بن عباسؓ 6- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ 7- حضرت ابی بن کعبؓ 8- حضرت زید بن ثابتؓ 9- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ 10- حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شامل ہیں۔

مذکورہ صدر اکابر صحابہ کے علاوہ اُن دیگر صحابہؓ سے بھی تفسیری اقوال و روایات منقول ہیں۔جن کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی، اُن کے اسماء یہ ہیں۔

1- حضرت انس بن مالکؓ 2- حضرت ابوہریرہؓ 3- حضرت عبداللہ بن عمرؓ 4- حضرت جابر بن عبداللہؓ 5- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ 6- حضرت ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہؓ ۔

خلفائے راشدین میں سے سب سے زیادہ تفسیری اقوال حضرت علی ابن طالبؓ سے مروی ہیں۔اُسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ سے بھی بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں۔یہ چاروں صحابہ کرامؓ مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل رہے ہیں۔

1- عربی زبان میں مہارت اور اس کے اسالیب بیان (Style) سے گہری مناسبت۔

2- رفاقتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا اسباب نزول سے مکمل آگاہی۔

3- قوت اجتہاد و استنباط۔

حضرت ابن عباسؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا زیادہ موقع نہ ملا کیونکہ آپؐ کی عمر تقریباً تیرہ (13) برس کی تھی جب حضور ﷺ کا وصالِ مبارک ہوا۔ البتہ کبار صحابہؓ کی صحبت میں رہنے سے انہوں نے بڑی حد تک اس کی تلافی کر لی تھی۔

لہذا اُن چار اکابر صحابہ کرام 1- حضرت علیؓ 2- حضرت ابن عباسؓ 3- حضرت ابن مسعودؓ اور 4- حضرت اُبی بن کعبؓ کے بارے میں تفصیلی تذکرہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں۔

9.1- حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ:.

سوال -16:۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور صلاحیت وعظمت کا تذکرہ کرو؟

جواب:۔ آپ کا اسم گرامی حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور کنیت ابوالحسن ہے۔ آپؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد (چچازاد) بھائی ہیں۔ حضور ﷺ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے آپؓ کا نکاح ہوا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی اولاد حضرت علیؓ و بی بی فاطمہؓ سے آگے چلی۔ حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ اس طرح آپؓ کے والد و والدہ دونوں ہاشمی ہوئے۔ آپؓ خلفائے راشدین میں خلیفہ چہارم اور بنی ہاشم میں سے اولین خلیفہ رہے ہیں۔ آپؓ نوجوانوں میں سب سے پہلے بعمر 9 سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپؓ کی ہجرت کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ بقول بعض مفسرین کے یہ آیت آپؓ ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (البقرہ 207:2)

ترجمہ:۔ لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو خدا کی رضامندی چاہنے کے لئے اپنی جان تک فروخت کر دیتے ہیں۔

آپؓ نے تمام غزوات (Battles) میں شرکت کر کے کارہائے نمایاں انجام دیے سوائے غزوۂ تبوک کے۔ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کو اہل وعیال کی حفاظت کے لئے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ آپؓ جسمانی طاقت اور مہارت جنگ میں منفرد (یکتا) رہے ہیں۔ یوم بدر اور دیگر معرکوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپؓ علمبردار تھے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''میں ایسے شخص کو جھنڈا (عَلَم) عطا کروں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائے گا۔ وہ شخص اللہ و

رسول کو چاہتا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اس کو پسند کرتے ہونگے۔ پھر آپ ﷺ نے جھنڈا (علم) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا''۔

حضور ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرما کر صحابہؓ میں رشتۂ مواخات (آپس میں بھائی بھائی) استوار فرمایا تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی قرار دیا اور فرمایا ''علی آپ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں''۔ جن صحابہؓ کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی حضرت علیؓ اُن میں سے ایک ہیں۔ ایک موقع پر جبکہ آپؐ حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے تو حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا ''اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ '' (اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں) عہد رسالت میں حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا جہاں آپؓ کے دست حق پر قبیلہ ہمدان کے تمام لوگ اسلام سے مشرف ہوئے۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ایک خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ'' (میں جس کا مولا ہوں علیؓ انکے مولا ہیں)۔ بہرحال آپؓ ایسے فضائل و خصائص کے جامع ہیں جس میں دوسرے شریک نہ ہو سکے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں'' حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی گونا گوں کمالاتِ علمی کے ضمن میں سند ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے فضائل علمی کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''علم کے دس (10) حصوں میں سے حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ نے نو (9) حصے عطا فرمائے اور دسویں حصہ میں بھی آپؓ شریک تھے''۔ یہ بھی فرمایا ''ہمارے پاس جب حضرت علیؓ کی کوئی ثابت شدہ چیز آجاتی ہے تو ہم اُسکے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتے''۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ حضرت علیؓ سے اظہارِ محبت و یگانگت فرماتے ہوئے فرمایا! ''مجھے اپنی قرابت سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت عزیز و محبوب ہے''۔ حضرت سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''ہم میں سب سے بڑے فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں''۔ حضرت علیؓ خود اپنے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ''فہم جو اللہ تعالیٰ کسی کو قرآن میں دے وہ میرے پاس ہے۔ نیز بخدا جتنی آیات قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں اُن سب کا علم مجھے ہے، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں کہاں اور کس طرح نازل ہوئی''۔ یہ جملہ گویا آپؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب اور آپؓ کے خصائص کا آئینہ دار ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے 40ھ ماہ رمضان میں عبدالرحمٰن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہادت پائی۔ اس وقت آپؓ کی عمر مبارک ترسٹھ (63) برس تھی۔

حضرت علیؓ کا علمی مقام:۔ آپؓ علم کے سمندر ہیں۔ زورِ بیان، قوت استنباط، فصاحت و بلاغت اور

شعر و خطابت میں عدیم المثل رہے ہیں۔ آپؓ فیصلہ کن فہم اور دُور رس نگاہ کے مالک رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے آپؓ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا اور یہ دعا فرمائی ''اے اللہ اِس کی زبان کو استقامت اور دل کو ہدایت عطا فرما''۔ مشکل مسائل میں صحابہؓ اکثر آپؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپؓ کی قوتِ فیصلہ ضرب المثل کی حد تک مشہور تھی۔ کیوں نہ ہو آپؓ گھرانۂ نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں پروان چڑھے۔ سینہ مبارک مخزن العلوم تھا۔ حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں ''ہم کہا کرتے تھے کہ مدینہ کے سب سے بڑے قاضی حضرت علیؓ ہیں''۔ حضرت عطاؒ سے دریافت کیا گیا آنحضور ﷺ کے صحابہ میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر عالم تھا فرمایا ''خدا کی قسم مجھے ایسا کوئی شخص معلوم نہیں جو آپؓ سے بڑھ کر عالم ہو''۔

حضرت علیؓ کا تفسیر قرآن میں مقام:۔

آپؓ بہترین قاضی اور مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے اسرار و رموز کے بھی عظیم عالم رہے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے! ''میں نے تفسیر قرآن کے متعلق جو کچھ سیکھا حضرت علیؓ سے سیکھا''۔

حضرت ابونعیمؒ حضرت علیؓ کا قول نقل کرتے ہیں! ''بخدا مجھے ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس ضمن میں اور کہاں اتری۔ مجھے ذات ربّانی نے روشن دماغ اور زبان گویا بخشی ہے''

حضرت علیؓ کے تفسیری ارشادات اور ان کی صحت و استناد:۔

حضرت علیؓ سے بے شمار تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اس حد تک کثرتِ اقوال نے ناقدین (نقص نکالنے والے) کو مجبور کیا کہ وہ اُن اقوال پر جرح و قدح (Critical Examination) کریں اور چھان بین کر کے اقوال صحیحہ اور سقیمہ (صحیح و غلط) کو باہم ممیّز و ممتاز کر دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؓ سے منقول تفسیری اقوال میں زیادہ تر موضوع (Fabricate) روایات ملتے ہیں۔ یہ اقوال شیعہ فرقے کی تشہیر و عقیدہ کی اشاعت کے ضمن میں وضع کر کے آپؓ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں۔ حالانکہ آپؓ کا دامن اُن سے پاک ہے۔ کثرت وضع نے حضرت علیؓ کے علم و فضل کے کثیر حصہ کو رائگاں کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے حضرت علیؓ سے منقول اکثر روایات پر اعتماد نہیں کیا، بجز اُن روایات کے جو آپؓ کے اہل بیت کے واسطہ سے مروی ہوں یا حضرت ابن مسعودؓ کے اصحابِ تلامذہ مثلاً حضرت عبید سلمانیؒ و حضرت شُریحؒ سے منقول ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اخذ روایات کے صحیح ترین طُرق (واسطے یا Chain) حسب ذیل ہیں۔

1- بطریق حضرت ہشامؒ از حضرت محمد بن سیرینؒ از حضرت عبید سلمانیؒ از حضرت علیؓ۔ امام بخاریؒ اسی سند

(Authentication Chain) سے روایت کرتے ہیں۔

2-از ابن الحسینؓ از ابو الطفیلؓ از حضرت علیؓ۔ یہ سند بھی صحیح ہے۔محدث حضرت ابن عُیینہؒ اپنی تفسیر میں اسی سند سے روایت کرتے ہیں۔

3-بطریق امام زھریؒ از علی زین العابدینؒ از امام حسینؓ از حضرت علیؓ۔ یہ سند بہت ہی صحیح ہے اور بعض محدثین نے اس کو اصحّ الاسانید قرار دیا ہے مگر یہ سند مشہور نہیں ہے، اس کی وجہ بعض ضعیف اور کذاب راویوں نے بہت سی جھوٹی روایات حضرت امام زین العابدینؒ کی جانب بھی منسوب کر دی ہیں۔ **(مقدمہ امام ابن الصلاح)**

9.2- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:.

سوال 17:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا بحثیت مفسرِ قرآن تفصیلی جائزہ لو؟

جواب:۔آپؓ کا لقب واسم گرامی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف قریشی وہاشمی ہے۔آپ کی والدہ محترمہ کا نام لبابۃ الکبریٰ بنت حارث بنت حزن الہلالیہ ہے۔آپؓ کی ولادت کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو حضور ﷺ نے تبرکاً اپنا لعابِ مبارک آپؓ کے منہ میں ڈالا۔ یہ ہجرت سے تین(3) سال قبل کا واقعہ ہے۔حضرت ابن عباسؓ کی خالہ حضرت میمونہؓ حضور ﷺ کے نکاح میں تھیں۔آپؓ آغاز طفولیت (بچپن) ہی سے رسول کریم صل اللہ علیہ وسلم کے وابستہ دامن رہے ہیں۔حضور ﷺ کے وصال کے وقت آپؓ کی عمر مبارک تیرہ(13) یا پندرہ(15) سال کی ہوگی۔حضور ﷺ کے وصال کے بعد کبار صحابہؓ کی صحبت اختیار فرمائی اور انکے چشمۂ علم سے اپنی علمی پیاس سے سیر ہوئے۔ایک قول کے مطاق 68ھ میں بعمر ستر (70) سال طائف میں وصال پائے اور وہیں مدفون ہیں۔حضرت محمد بن حنفیہؒ نے آپؓ کو قبر میں اُتارا اور اِن الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''مَاتَ وَاللہِ الْیَوْمِ حبرِ ھٰذہ الْاُمَّۃ'' (بخدا آج اِس اُمت کے عظیم عالم نے وفات پائی)۔

حضرت ابن عباسؓ کا علمی مقام:.

آپؓ عظیم مفسر قرآن اور مجتہد ہیں۔فتویٰ وتفسیر کی ساری قابلیت آپؓ کی ذات پر ختم تھی۔کثرت علم وفضل کی بناء پر آپؓ کو حبرؔ (عظیم عالم) اور بحر (سمندر) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔حضرت عمر فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے!

''آپؓ (ابن عباسؓ) ہمارے سب نوجوانوں سے حسین تر با اخلاق اور سب سے زیادہ کتاب الٰہی کے سمجھنے والے ہیں''۔

مزید یہ بھی فرمایا''ابن عباسؓ عمر کے ادھورے (کم عمر) اور عقل کے پورے (ذہین) ہیں۔آپؓ ذہن رسا اور زبانِ نکتہ بیان کے مالک ہیں''۔

حضرت ابن عباسؓ کے ادب کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت عمرؓ کی موجودگی میں آپؓ سے کوئی سوال کرتے تو فرماتے، ''میں اس وقت تک جواب نہیں دوں گا جب تک دوسرے صحابہ کرامؓ اظہار خیال نہ کرلیں''۔ حضرت عمرؓ آپؓ کی رائے پر اعتماد فرماتے تھے۔ اور جب بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو جو حل حضرت ابن عباسؓ پیش کرتے اُسے تسلیم فرماتے۔ ہر وقت مشکلات میں آپؓ ہی کو طلب فرماتے۔'' حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ خود حضرت عمرؓ کی نکتہ رسی اور اسلام و اہل اسلام کے ساتھ اخلاص کس سے مخفی ہے''۔ یہ الفاظ حضرت عبیداللہؒ نے فرمائے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے!''ابن عباسؓ ترجمانِ قرآن ہیں''۔

حضرت اعمشؒ ابو دائلؒ سے روایت کرتے ہیں کہ'' حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو امیرِ حج مقرر فرما کر بھیجا۔ آپؓ نے خطبہ میں سورۃ بقرہ یا سورۃ نور تلاوت فرمائی اور ایسی تفسیر بیان فرمائی کہ اگر اہل روم و اہل ترک اور دیالمہ اُسے سن پاتے تو مشرف با اسلام ہو جاتے''۔

حضرت علیؓ خود حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری صلاحیتوں کی تعریف و ستائش کرتے ہوئے فرمایا کرتے! یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ باریک پردہ کی اوٹ سے غیبی حقائق کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں''۔

حضرت ابن عباسؓ کی ساری زندگی، علمی اعتبار سے بس آپؓ کا اوڑھنا، بچھونا، پڑھنا پڑھانا اور علمی حقائق پر روشنی ڈالنے میں صرف ہوئی۔ حالانکہ آپؓ کو حضرت علیؓ نے بصرہ (عراق کا علاقہ) کا والی بھی مقرر فرمایا تھا لیکن آپؓ کو بہت کم تعلق رہا۔ تفسیرِ قرآن میں آپؓ کا ثانی نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے!''**اِبْنِ عَبَّاسٌ اَعْلَمُ اُمَّةُ مُحَمَّدٌ بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٌ** (جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ابن عباس پوری امت میں اس کے سب سے بڑے عالم تھے) **(اُسد الغابہ)**

حضرت ابن عباسؓ کی علمی فضیلت کے اسباب:

سوال.18: حضرت ابن عباسؓ کی علمی فضیلت اور اسکے اسباب پر روشنی ڈالو؟

جواب: 1- حضرت ابن عباسؓ کی علمی فضیلت اور وسعت کی سب سے بڑی وجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بابرکت دعا تھی،''**اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ**'' (اے خدا اِس کو دین کا فہم عطا کر اور اسے قرآن کی تفسیر سکھادے)۔ ایک اور روایت میں یوں ہے! **اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتٰبُ وَالْحِكْمَةَ** (اے اللہ اسے کتاب و حکمت سکھادے)۔

2- آپؓ آغاز طفولیت (بچپن) سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وابستہ دامن رہے اور آپؓ نے بہت

کچھ آپ ﷺ سے سنا اور ان احوال حوادث میں بذات خود شریک ہوئے جو شانِ نزول قرآن ہوئے۔

3- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد حضرت ابن عباسؓ اکابر صحابہ کرامؓ کی صحبت میں رہ کر اُن سے اخذ واستفادہ کرتے رہے۔ تاریخ تشریح اور اسباب نزول قرآن کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔ اس ضمن میں خود آپؓ کا قول ملاحظہ ہو!

''مجھے اکثر احادیث نبویہ انصار صحابہؓ سے ملیں۔ میری حالت یہ تھی کہ میں استفادہ کے لئے کسی شخص کے یہاں جاتا اور اُسے محوِ خواب (سوتا ہوا) پاتا۔ اگر میں چاہتا تو اُسے بیدار کر دیتا مگر میں یوں نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ اُسکے دروازہ پر بیٹھا رہتا۔ یہاں تک کہ وہ خود جاگتا اور مجھے اس سے جو کچھ دریافت کرنا ہوتا تھا پوچھتا اور واپس لوٹ آتا''۔

4- ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپؓ عربی زبان و آداب اور اس کے خصائص و اسالیب کے یگانہ روزگار (ماہر) فاضل رہے ہیں۔ بسا اوقات قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے میں آپؓ عربی اشعار سے استشہاد (Citing evidence) فرمایا کرتے تھے۔

5- آپؓ اجتہاد کے مرتبہ پر فائز تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے بلا جھجک اس کو بیان فرما دیتے اور کسی کی تنقید یا ملامت کرنے والے کی پروانہ کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری جرأت و بے باکی پر معترض ہوتے تاہم اکثر اُن کے قول کو قبول فرماتے اور علمی صلاحیت کی داد دیا کرتے تھے۔

6- خلاصہ یہ کہ آپؓ خاندانِ نبوت سے وابستہ رہے جو نور و ہدایت کا سرچشمہ ہے آپؓ ذہین و فطین نہایت عاقل و فرزانہ صائب رائے اور مومن مخلص ہیں۔ بہرحال ایک بہترین مفسر کے اوصاف و خصائص آپؓ میں مکمل طور سے جمع ہو گئے تھے۔

تفسیر قرآن میں حضرت ابن عباسؓ کا علمی مقام:.

حضرت ابن عباسؓ کے تفسیر قرآن میں بلند مقام کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ ہی کے تلمذہ رشید (شاگرد) حضرت مفسر مجاہدؒ فرماتے ہیں!

''حضرت ابن عباسؓ جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اس سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں''۔

حضرت سیدنا علیؓ فرمایا کرتے: ''یوں نظر آتا ہے کہ ابن عباسؓ باریک پردہ کی اُوٹ سے غیبی حقائق کو بچشمِ خود دیکھتے ہیں''۔

حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق ''رسولِ کریم ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی ابن عباسؓ اس کے بڑے عالم ہیں''۔

آپؓ کا تفسیر قرآن میں عظیم مقام و مرتبہ ہونے کا اندازہ حضرت سعید بن جبیرؒ کے اِس قول سے کر سکتے ہیں کہ حضرت ابن جبیرؒ روایت کرتے ہیں، ''میں حج کی تیاری میں مصروف تھا کوفہ کے ایک یہودی نے کہا، ''میں آپؓ کو علم کا شائق خیال کرتا ہوں۔ یہ بتایئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ کتنا عرصہ گزارا تھا؟ میں نے کہا، ''مجھے معلوم نہیں۔ میں مکہ جا رہا ہوں وہاں حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کروں گا''۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا اور یہودی کے قول کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''دس (10) سال وہ اس لئے کہ انبیاء جب کسی بات کا وعدہ کرتے ہیں تو اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتے''۔ جب میں عراق (کوفہ) واپس ہوا تو یہودی کو یہ بات بتائی تو اس نے کہا ''ابن عباسؓ نے سچ فرمایا' خدا کی قسم عالم تو وہ ہیں''۔

مفسر حضرت طبریؒ روایت کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اس آیت کے معنیٰ دریافت فرمائے!

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ (البقرہ2:266)

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص چاہتا ہے کہ اسکا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو۔

جب کوئی بھی شافی جواب نہ دے پایا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا! ''امیر المؤمنین میرے جی میں ایک بات آتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ''آپؓ برملا بیان کیجئے'' ابن عباسؓ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں ایک مثال بیان فرمائی ہے''۔ فرمایا، ''کیا تم میں سے کوئی شخص اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ عمر بھر نیکی کے کام کرتا رہے۔ جب اس کا آخری وقت آئے اور نیکیوں کی اُسے زیادہ ضرورت ہے تو بُرا کام کر کے سب نیکیوں کو برباد کر دے''۔ (ابن جریر)

اکثر ایسے پیچیدہ تفسیری مسائل پیش آئے جن کی عقدہ دری (پیچیدگی کو کھولنا) حضرت ابن عباسؓ نے اس طرح فرمائی جیسے وہ شخص جو الہامِ ربّانی (قوت الٰہی) کی مدد سے غیبی حقائق کا معائنہ کر رہا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہؓ آپؓ کے تفسیری اقوال کو وقعت و اہمیت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ عصرِ تابعین میں بھی مکہ مکرمہ میں ایک مکتب قائم ہوا جہاں کے طلبہ حضرت ابن عباسؓ سے علم تفسیر اخذ کرتے اور دوسروں تک مختلف بلاد (شہروں) میں جا کر حاصل کردہ علم پھیلاتے۔

تاریخی اَدوار میں بھی حضرت ابن عباسؓ کے تفسیر اقوال کی اہمیت رہی کہ جب آپؓ کا قول مل جاتا تو کسی دوسرے قول کو قابلِ اعتناء (توجہ) خیال نہ کیا جاتا۔ چنانچہ امام زرکشیؒ نے صراحتہً لکھا ہے کہ تفسیر میں جب صحابہ کے اقوال متعارض (مختلف) ہوں تو حضرت ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ (الاتقان)

حضرت ابن عباسؓ دیگر مشہور مفسرین صحابہ کرامؓ کی طرح قرآن کریم کی تفسیر، مطالب و معانی کے سلسلہ میں سنت نبوی کو ترجیح دیتے تھے۔ علاوہ ازیں آپؓ نظر و اجتہاد کو بھی کام میں لاتے۔ اسبابِ نزول اور اُن احوال و ظروف سے فائدہ

اٹھاتے جن میں قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوا ہو۔آپؓ اس ضمن میں اہل کتاب مشرف باسلام کی جانب بھی رجوع فرماتے۔مگر اہل کتاب سے استفادہ کا دائرہ نہایت محدود ہوتا۔جو باتیں قرآن کے منافی ہوں اور شریعتِ اسلامیہ سے ہم آہنگ (موافق) نہ ہوں آپؓ اُن کو قبول نہیں کرتے تھے۔اسطرح صحابہ کرام نے بشمول حضرت ابن عباسؓ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے ارشادات احادیث میں جمع و تطبیق (Compare & summing) کی راہ نکالی تھی۔دونوں احادیث یہ ہیں۔

1-حَدِّ ثوا عَن بنی اسرائیل وَلَا حَرج (بنی اسرائیل سے سُن کر آگے بیان کردو اس میں کچھ حرج نہیں)۔

2-لا تصدَّ قُوا اَھل الکتابِ وَ لا تکذِّبُوھم (اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو)۔

حضرت ابن عباسؓ اکثر قرآن کریم میں وارد الفاظِ غریبہ (مشکل و نادر الفاظ)) کے معانی معلوم کرنے کے سلسلہ میں اشعار جاہلی کی جانب رجوع کرتے تھے۔یہ آپؓ کا لغت دانی کا طریقہ تھا جس میں آپؓ مہارت رکھتے تھے۔جو دیگر صحابہ کا بھی طریق رہا ہے۔چنانچہ نافع بن ارزق ؒ نے آپؓ سے دوسو(200) سوالات کئے اور آپؓ نے اشعار کے حوالہ سے اُن کا جواب دیا۔

حضرت ابن الانباری نحویؒ نے اپنی کتاب ''الوقف و الابتداء ''میں اُن میں سے کچھ سوالات کا ذکر فرمایا۔اسی طرح حضرت طبریؒ نے کتاب ''المعجم الکبیر ''میں بعض سوالات کا ذکر کیا ہے۔حضرت امام سیوطیؒ نے تو اپنی کتاب '' الاتقان ''میں سند کے ساتھ حضرت نافعؒ اور حضرت ابن عباسؓ کے باہمی مناظرہ اور سوالات و جوابات کا تفصیلی تذکرہ فرمایا۔مثلاً حضرت نافعؒ نے کہا ''اس آیت کے معنیٰ بتائیے''عَنَ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ (المعارج :37:70)(دائیں بائیں حلقے باندھے ہوں گے)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''العزون '' کے معنیٰ ہیں ساتھیوں کے حلقے۔حضرت نافعؒ نے کہا۔'' کیا عرب اس معنیٰ سے واقف ہیں؟'' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''جی ہاں کیا آپ نے عبید بن الابرص کا یہ شعر نہیں سنا

فجاء و ایھرون الیہ حتی یکم نو احول منبرہ عزینا

(یعنی وہ اُس کی طرف بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور اس کے منبر کے گرد حلقہ باندھ لیتے ہیں)

حضرت ابن عباسؓ نے تفسیر قرآن کے لئے یہ لغوی طریقہ اختراع (Devised) فرمایا۔اور یہ لغوی طریقہ عہدِ تابعین تک باقی رہا۔آگے چل کر فقہاء اور اہل لغت کے مابین اس ضمن میں نزاع (اختلاف) پیدا ہوگیا جو بالکل بے بنیاد تھا۔

معاملہ یوں نہیں کہ شعر کو قرآن کی اصل قرار دیا گیا ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ قرآن میں جو نادر و غریب لفظ وارد ہوا ہے اس کی توضیح (Explanation) معروف عربی شعر کی مدد سے کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

1-اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف:3:43) یعنی ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا۔

2- بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء :195:26) یعنی واضح کرنے والی عربی زبان میں اُتارا۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ فہم قرآن کے سلسلہ میں اشعار جاہلی سے استشہاد (شہادت یا دلیل) کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات:.

سوال.19:. حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات اور اُن کے طرق و اسانید کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات نہایت کثیر ہیں اور اُن کے طرق و اسانید بھی متعدد و مختلف ہیں۔ نتیجتاً نقادِ حدیث نے حضرت ابن عباسؓ سے منقول تفسیری اقوال کے بارے میں شکوک کی بناء پر نقد و جرح (Critical Examination) کی بناء ڈالی تاکہ حضرت ابن عباسؓ پر جھوٹ کس حد تک باندھا گیا اور منقول اقوال کس قدر حد تک صحیح ہیں کھل کر سامنے آجائے۔

حضرت ابن عباسؓ سے اخذ و نقل کی بہترین سند از معاویہ بن صالحؒ، از علی بن ابی طلحہؒ، از ابن عباسؓ ہے اس سند کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے! ''مصر میں تفسیر پر مشتمل بروایت علی بن ابی طلحہؒ ایک رسالہ ہے۔ اگر اسکی طلب میں ایک شخص مصر کا سفر طے کرے تو یہ کچھ زیادہ نہیں''۔ (الاتقان)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں!

یہ ہی نسخہ حضرت لیثؒ کے کاتب ابوصالحؒ کے پاس موجود تھا۔ حضرت ابوصالحؒ نے اس کو بروایت معاویہ بن صالحؒ از علی بن ابی طلحہؒ از ابن عبسؓ روایت کیا ہے۔ یہ نسخہ صحیح بخاری میں بھی بروایت ابی صالحؒ منقول ہے۔

امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ کے اقوال کی اِسی سند پر اعتماد کیا ہے۔ اسطرح امام ابی جریر طبریؒ، امام ابن حاتمؒ، ابن المنذرؒ، امام مسلمؒ اور اصحاب سنن تمام محدثین علی بن طلحہؒ کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات جن اسانید سے مروی ہیں اُن میں ضعیف ترین سند محمد بن سائب کلبی از ابوصالحؒ از ابن عباسؓ ہے۔ محمد بن کلبی کے متعلق محدثین کے اقوال یہ ہیں۔

1- کلبی کی روایت تمام محدثین کے نزدیک متروک (قابل رد) ہے۔ وہ ثقہ (عادل) نہیں۔

2- کلبی حدیثیں وضع (Fabricate) کرتا ہے۔اس کی روایت لکھنے (لینے) کے قابل نہیں ہوتی۔

3- کلبی سے روایت کرنے میں مشہور محمد بن مروان سدّی الصغیر ہے۔ یہ دونوں کے نام ''اکذاب'' (Confirmed liar) تصور کئے جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ کی جانب منسوب تفسیرِ قرآن:.

ایک ضخیم تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی جانب منسوب مصر میں کئی مرتبہ ''تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔اس تفسیر کے جامع (جمع کرنے والے) محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی مصنف ''القاموس المحیط'' ہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے جو اقوال اس تفسیر میں نقل کئے گئے اُن کا انحصار محمد بن مروان سدّی الصغیر کی روایت از محمد سائب کلبی از ابو صالح از ابن عباس پر ہے جو ضعیف ترین سند ہے۔محدثین کی اصطلاح میں اس سند کو ''سلسلة الكذب'' کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ پر کثرتِ وضع کے اسباب:.

سوال.20: حضرت ابن عباسؓ پر کثرت وضع کے اسباب و وجوہ کیا تھے؟

جواب :حضرت ابن عباسؓ پر کثرت وضع کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپؓ خاندانِ نبوت سے وابستہ ہیں۔اس لئے ظاہر ہے کہ تفسیری اقوال کا وضع کرنا اور آپؓ کی جانب منسوب کرنے سے اُن لوگوں کی قوتِ ثقاہت میں اضافہ ہوسکتا تھا جو کسی اور کی جانب منسوب کرنے سے یہ بات نہ ہوسکتی ہو۔دوسری وجہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ کی نسل سے عباسی خلفاء کا ظہور ہوا۔بعض لوگ عباسی خلفاء کے جدّ امجد حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرکے اُن کا تقرب حاصل کیا کرتے تھے۔مختصر یہ کہ صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار میں اس قدر ضعف پیدا ہوگیا تھا کہ اُن پر اعتماد ممکن معلوم نہیں ہوتا تھا۔مگر خدا تعالیٰ نے اِن احادیث کو شکوک وشبہات کی آمیزش (ملاوٹ) سے محفوظ رکھنے کے لئے ایسے نقادِ حدیث پیدا فرمائے جنہوں نے انتہائی جانشانی و عرق ریزی (محنت و باریک بینی) سے صحیح و سقیم (صحیح و غلط) کو الگ کردیا۔اسطرح اقوال صحیحہ کا اِس قدر ذخیرہ جمع ہوگیا جو کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔اقوال میں ضعف کے اسباب میں موضوع روایات کی بھرمار، اسرائیلیات کی آمیزش اور حذفِ اسانید شامل ہوتے ہیں۔

9.3- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

سوال.21: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شخصیت بحیثیت مفسرِ قرآن کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب :۔آپ کا سلسلہ نسب واسم گرامی عبداللہ بن مسعود بن غافل اور کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔آپؓ بنو ھُذَیل کے

قبیلہ سے ہیں۔ والدہ محترمہ کا نام اُمّ عبـــــد ہے۔ والدہ کی جانب منسوب کر کے آپؓ کو بن اُمّ عبـــــد بھی کہا جاتا ہے۔ آپؓ کا حلیہ مبارک دُبلے، پست قامت اور گندم گوں تھے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں چھٹا مسلمان تھا، ہمارے سوا روئے زمین پر ساتواں مسلمان کوئی نہ تھا۔ یہ ابتداء اسلام کی بات ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اوّلین جہراً (با آواز بلند) قرآن پڑھ کر قریش کو سنایا اور اُس جرم میں مار کھائی۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر وقت مصروف رہتے، وضو کا پانی لاتے۔ مسواک مہیا فرماتے۔ جوتے پہنانے اور جوتوں کی حفاظت کرتے اپنے پاس ہی رکھ لیتے۔ جب آپ ﷺ چلتے تو ابن مسعودؓ آگے آگے چلا کرتے۔ جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو پردہ کرتے۔ حضور ﷺ جب آرام کرتے تو اجازت سے جگاتے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ رسول کریم ﷺ کے گھر میں بے حجابانہ داخل ہوتے۔ حد یہ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے تو عبداللہ بن مسعودؓ کو خاندانِ نبوت کا فرد خیال کیا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں!

''میں اور میرا بھائی یمن سے مکہ آئے اور کچھ عرصہ وہاں گزارا۔ دوران اقامت ہم عبداللہ بن مسعودؓ اور اُن کی والدہ کو خاندانِ نبوت میں تصور کرتے تھے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کے گھر میں اُن دونوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہوا کرتی تھی'' (بخاری و مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ نے پہلے حبشہ پھر بعد میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت سے مشرف ہوئے۔ قبلتین کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں غزواتِ بدرؔ و اُحدؔ و خندقؔ و بیعتِ رضوان اور دیگر لڑائیوں میں شرکت فرمائی۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہی ہیں جنہوں نے (کم عمری میں) غزوہ بدرؔ میں حملہ کر کے ابوجہل کو واصل جہنم کیا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپؓ معرکہ یرموک میں شامل ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے جنتی اور عالی مرتبت ہونے کی شہادت فرمائی تھی۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اگر میں کسی کو مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر امیر مقرر کرنا چاہتا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو مقرر کرتا''۔ (مسند امام احمد)

آپؓ خلافتِ فاروقی و عثمانی میں کوفہ (شہر عراق) میں بیت المال کے خازن رہے ہیں۔ آخری عمر میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور حسب وصیت خود اُن کو بقیع کے قبرستان میں رات کے وقت دفن کیا گیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر مبارک ساٹھ (60) سال سے کچھ زیادہ تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مبلغ علم ہونا:.

سوال.22:. حضرت ابن مسعودؓ کے مبلغ علم ہونے کے تعلق سے علماء کا نکتہ نظر بیان کرو؟

جـــواب :۔آپؓ کتاب الٰہی (قرآن) کے سب سے بڑے حافظ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ سے قرآن سننا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ خود روایت فرماتے ہیں کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مجھے سورۃ النساء پڑھ کر سناؤ''۔ میں نے عرض کی، کیا میں آپ ﷺ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ قرآن آپ ﷺ ہی پر نازل ہوا ہے،'' فرمایا، میں دوسروں سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں''۔ میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا جب اس آیت پر پہنچا **فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا** (النساء 41:4) (کیا کیفیت ہوگی جب ہم ہر اُمت سے گواہ لائیں گے،اور آپ کو اُن پر گواہ بنا کر لائیں گے) تو بے ساختہ حضورﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے!

''جو شخص چاہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ تلاوت کرے جیسے وہ اُترتا تھا تو وہ ابن مسعودؓ کی طرح پڑھے''۔

حضرت مسروقؒ تابعی کا قول ہے!

''اصحاب رسول کا علم چھ (6) صحابہؓ کی ذات پر ختم ہو گیا یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت ابو الدرداؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن مسعودؓ پھر ان چھ (6) صحابیوں کا علم دو (2) صحابہؓ کی ذات میں مرکوز ہو کر رہ گیا یعنی حضرت سیدنا علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

حضرت حذیفہؓ کا قول ہے!

''ہم صحابہ میں سے کسی کو نہیں جانتے جس کی چال ڈھال ابن مسعودؓ سے زیادہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی ہو۔ صحابہؓ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ حضرت ابن مسعودؓ کو سب سے زیادہ تقرب ربّانی نصیب تھا''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کا عامل (معلّم) بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا!'' میں نے عمار بن یاسرؓ کو امیر (گورنر) اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلّم و وزیر بنا کر روانہ کیا ہے۔ یہ جلیل القدر بدری صحابہ میں شامل ہیں۔ اُن کی بات سنیئے اور اُن کی اطاعت کیجئے۔ میں نے ابن مسعودؓ کو تمہاری جانب بھیج کر تمہیں اپنی جان پر ترجیح دی ہے''۔

اہل کوفہ حدیث وتفسیر وفقہ کا درس حضرت ابن مسعودؓ سے لیتے رہے۔ آپؓ کوفے کے قاضی و معلم تھے۔ نصّ یعنی دلیل قطعی موجود نہ ہو تو اپنی رائے (قیاس) پر عمل کرتے تھے اور اس طرح آپؓ اصحاب الرائے کے مکتب فکر کے اولین بانی قرار پائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں نزول (آمد) فرمانے پر لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے آج تک ابن مسعودؓ جیسا خلیق، نرم مزاج، بہترین ہم نشین اور اُن سے بڑھ کر عابد و زاہد شخص نہیں دیکھا''۔ تو اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''میں خدا کی قسم دیتا ہوں' آیا تم خلوص دل سے یہ بات کہہ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا ''جی ہاں''! فرمایا ''میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میری رائے بھی یہی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر''۔ اِن بیاناتِ صحابہ کرام سے حضرت ابن مسعودؓ کی قدر و منزلت کی آئینہ داری ہوتی ہے۔ وَ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ (اسدالغابہ)

تفسیر قرآن میں حضرت ابن مسعودؓ کا مقام:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے معنیٰ و مفہوم اور اُن پر عمل کرنے اور مطالب معلوم کرنے کے کس حد تک شائق ہیں خود آپؓ ہی کے اس قول سے واضح ہوتا ہے آپؓ روایت کرتے ہیں کہ ''ہم میں سے جب کوئی شخص قرآن کریم کی دس (10) آیات سیکھ لیتا تو جب تک ان کا معنیٰ و مفہوم اور اُن پر عمل کرنا سیکھ نہ لیتا آگے نہ بڑھتا''۔ (تفسیر ابن جریر)

مشہور تابعی حضرت مسروقؒ کا قول ہے، ''عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ ''اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ،قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کب اور کہاں نازل ہوئی۔ اور اگر مجھے کسی شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ تفسیر قرآن مجھ سے بہتر جانتا ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکتی ہے تو میں اس کے یہاں حاضری دے کر استفادہ کرتا''۔ اور یہ بھی فرمایا ''عبداللہ بن مسعودؓ ہمیں ایک سورۃ پڑھ کر سناتے اور اسکا اکثر حصہ اُسکی تفسیر بیان کرنے میں صرف فرمایا کرتے''۔

ابُونُعَیم حضرت ابوالجریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ''لوگوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ ابن مسعودؓ کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے'' آپؓ نے فرمایا، ''ابن مسعودؓ نے کتاب وسنت کا علم حاصل کیا اور پھر اُسی پر اکتفا فرمایا''۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں!

''میرے علم کی حد تک ابن مسعودؓ سے بڑھ کر قرآن کا کوئی عالم نہیں''۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے ابن مسعودؓ کی وفات کے بعد فرمایا، ''ابن مسعودؓ نے اپنے پیچھے اپنے جیسا کوئی عالم نہیں چھوڑا''۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کتاب اللہ کے معانی و مطالب' محکم و متشابہ' حلال و حرام' قصص و اَمثال اور اسبابِ نزول کے عظیم ترین عالم بے مثال فقیہہ اور عدیم النظیر محدث ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کی تفسیری روایات:۔

حضرت ابن مسعودؓ سے تفسیری اقوال حضرت ابن عباسؓ کے بعد سب سے زیادہ منقول ہیں۔ کتب حدیث وتفسیر میں بکثرت اسانید حضرت ابن مسعودؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ اُن میں صحیح وضعیف ہر قسم کی اسانید ہیں۔ بعض تو ''منقطع'' بھی ہیں۔ نقادِ حدیث نے اُن اسانید کو جانچا اور اُن پر جرح وقدح کی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اخذ نقل کے مشہور ترین اور صحیح ترین طرق (Chain) حسب ذیل ہیں۔

1- از حضرت اعمشؒ از ابو الضحیٰؒ از مسروقؒ از ابن مسعودؓ۔ یہ صحیح ترین سند ہے جس پر امام بخاری نے صحیح بخاری میں اعتماد کیا۔

2- از حضرت مجاہدؒ از حضرت ابن مسعودؓ۔ یہ سند بھی ضعف سے پاک اور صحیح ہے۔ اس پر بھی امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں اعتماد کیا۔

3- بطریق حضرت اعمشؒ از حضرت ابو وائل از حضرت ابن مسعودؓ یہ۔ بھی سند صحیح ہے اور امام بخاریؒ اس کے ساتھ روایت فرماتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اسانید صحت کے اعتبار سے اس قدر بلند پایہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ (عراق کے شہر) میں بود و باش (رہن سہن) رکھتے تھے، اس لئے اہل کوفہ آپؓ کے چشمۂ علم وفیض سے زیادہ مستفید ہوئے۔ آپؓ کے تلامذہ (شاگردوں) میں حضرت مسروقؒ بن اجدع، علقمہؒ بن قیس، حضرت نخعیؒ، اور حضرت اسودؒ بن یزید ودیگر علمائے کوفہ شامل ہیں۔

9.4- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ:.

سوال.23:۔ حضرت اُبی بن کعبؓ کی شخصیت بحیثیت مفسرِ قرآن آپؓ کا مقام ومرتبہ کے بارے میں تذکرہ کرو؟

جواب:۔ آپؓ کا نسب واسم گرامی اُبی بن کعب بن قیس انصاری خزرجی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی کنیت ''ابوالمنذر'' اور حضرت عمر فاروقؓ نے ''ابو الطفیل'' مقرر فرمائی۔ آپؓ نے غزوۂ بدر اور عقبہ میں شرکت فرمائی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ شریف لائے تو حضرت اُبی بن کعبؓ آپ ﷺ کے اوّلین کاتب (Writer) قرار پائے۔ حضرت عمرؓ نے آپؓ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش فرمایا! ''اُبی مسلمانوں کے سردار ہیں'' حضرت اُبی بن کعبؓ سید القرّاء ہیں اور کاتبین وحی میں شمار ہوتے ہیں۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

وَ اَقْرَءُ هُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ (اور سب سے بڑے قاری اُبی بن کعب ہیں)

حضرت اُبی بن کعبؓ بہترین حافظِ قرآن ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ آپؓ کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپؓ کو سورۃ ''لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' پڑھ کر سناؤں۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے عرض خدمت کی ''کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں''! یہ سن کر حضرت اُبی بن کعبؓ رونے لگے۔ ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت اُبی بن کعبؓ سے کہا گیا ''کیا آپؓ اِس پر خوش ہو گئے؟'' حضرت اُبیؓ نے عرض کیا ''میرے لئے خوشی سے کون چیز مانع تھی'' چنانچہ قرآن میں خود فرمایا!

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (یونس:58:10)

(فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل و رحمت کے ساتھ پس اس پر خوشی کا اظہار کریں یہ اُس چیز سے بہتر ہے جو تم جمع کرتے ہو)۔

حضرت اُبی بن کعبؓ کے وصال (وفات) کے بارے میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ اکثر علماء آپؓ کا وصال خلافت فاروقی میں ہونے پر متفق ہیں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ کے تفسیری اقوال کا مقام استناد:.

حضرت اُبی بن کعبؓ کتاب اللہ (قرآن) کے بڑے عالم رہے ہیں۔ غالباً آپؓ کی قرآن دانی کے عوامل و محرکات یہ ہیں کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے قبل آپؓ یہود کے علماء میں سے تھے۔ اور کتب قدیمہ کے اسرار و رموز سے بخوبی آگاہ تھے۔ اِس کے علاوہ آپؓ حضور نبی کریم ﷺ کے کاتب (Writer) وحی بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کو اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ اور قرآن کے مقدم و موخر سے گہری مناسبت پیدا ہو گئی تھی۔ اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپؓ کو قرآنی آیات کے معنیٰ و فہم جب بھی سمجھ میں نہ آئے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کر لیے ہوں گے۔ اس طرح آپؓ کا شمار مشہور مفسرین صحابہ میں ہوتا ہے۔ اور آپؓ کے تفسیری اقوال کو علماء وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ کے تفسیری اقوال کا مقامِ استناد (Authentity):۔

حضرت اُبی بن کعبؓ سے کثیر تفسیری اقوال، مختلف و متعدد طرق و اسانید سے منقول ہیں۔ اور علماء نے اُن پر شدید نقد و تبصرہ کیا ہے۔ مشہور ترین اسانید حسب ذیل ہیں۔

1- از ابو جعفر رازیؒ از ربیع بن انسؒ از ابوالعالیہؒ از اُبی بن کعبؓ۔ یہ سند صحیح ہے۔ اس سند کے ذریعہ حضرت اُبی بن کعبؓ سے تفسیر کا ایک ضخیم نسخہ علماء تک پہنچا ہے۔

2- بطرق وکیعؒ از سفیانؒ از عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ از طفیل بن اُبی بن کعبؓ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ''مسند'' میں اس سند سے روایت فرمایا ہے۔ یہ سند حَسن کے درجہ کی ہے بقول حافظ ہیثمیؒ

(تذہیب اکمال، میزان الاعتدال)

10- تفسیر قرآنِ عصرِ تابعین

۔: دوسرا دَور :۔

10.1- تفسیر عصر تابعین میں :.

سوال-24:. عصرِ تابعین میں قرآن کے مصادر اور تفسیری خصوصیات کے متعلق مختصر تبصرہ کرو؟

جواب :۔تفسیر کے دوسرے مرحلہ کا آغاز عصر صحابہؓ کے بعد عصر تابعینؒ سے ہوا جنہوں نے صحابہ کرامؓ کے فیض سے اپنی پیاس بجھائی۔تابعین میں بھی ایسے فضلاء (فضیلت کے حامل اشخاص) کی کمی نہ تھی جنہوں نے اپنے معاصرین (ہم زمانہ لوگوں) کو قرآن کریم کے پیچیدہ اور حل طلب مقامات کے مطالب و معانی سے روشناس کراتے رہے ہیں۔

عصر تابعین کے مصادرِ تفسیر قرآن:.

تابعینؒ کے عصر وعہد میں مصادر (Sources) تفسیر حسب ذیل ہیں۔

1- تفسیر القرآن بالقرآن 2-احادیث مرفوعہ 3-صحابہ کے تفسیری اقوال 4-اہل کتاب اوران کے کتب مقدسہ 5-تابعین کا اجتہاد استنباط۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے جو تفسیر منقول ہے وہ جملہ آیات قرآن کو شامل نہیں بلکہ صرف انہی آیات پر مشتمل ہے جن کے معنیٰ ومفہوم میں غموض وخفا (پیچیدگی اور دقّت) پایا جاتا ہے۔عہد رسالت وصحابہ سے جوں جوں دوری ہوتی گئی یہ غموض (Abstruse) بڑھتا چلا گیا۔یہ ہی وجہ ہے کہ تابعین تفسیر قرآن میں دلچسپی لینے لگے اور ذاتی محنت وکاوش کو کام میں لاکر رفتہ رفتہ پوری تفسیر قرآن کو مکمل کر دیا۔اس سلسلہ میں تابعین نے لُغت عرب،عربوں کے اسالیب اوراُن واقعات واسباب سے مدد لی جو نزول قرآن کے عہد میں پیش آئے تھے۔

10.1-دورِ تابعین کی تفسیری خصوصیات:.

تابعین سے ماثورہ تفسیر قرآن مندرجہ ذیل چار خصوصیات و ممیّزات کی حامل ہے۔

اوّل:۔تابعینؒ کے دَور میں بکثرت اہل کتاب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ان کے ساتھ ایسے اخبار وواقعات لگے ہوئے تھے جو شرعی احکام سے تعلق نہ رکھتے تھے مثلاً آغازِ تخلیق یا ظہورِ کائنات واسرار و وجود سے متعلق کہانیاں ہیں۔قرآن

مجید یہود و نصاریٰ کے جن واقعات کی جانب اشارہ کرتا ہے یعنی نفوسِ انسانی کی تفصیلات کے سننے سے لوگ دلچسپی رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے بکثرت اَحداث و وقائع (Weakness) تفسیر میں بغیر کسی نقد و تبصرہ کے شامل کر دئے گئے۔ اس قسم کی روایات زیادہ تر اُن لوگوں سے نقل ہو کر مسلمانوں میں عام ہو گئے جو اہل کتاب میں سے مشرف باسلام ہوئے تھے، مثلاً عبداللہ بن سلامؓ، کعب الاحبارؒ، وہب بن منبہؒ، عبدالملک بن عبدالعزیز ؒ اور ابن جُریج ؒ وغیرہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تفسیر کے سلسلہ میں اسرائیلیات کی جانب رجحان تابعین و اتباع تابعین پر جرح و نقد (Critial & Examination) کا موجب ہوا۔ (منہج الفرقان)

دوم:۔ دَورِ تابعینؒ میں بھی تفسیری نقل و روایت کا طرز جاری رہا مگر ہر شہر کے رہنے والے اپنے شہر کے امام کے اقوال سے اعتناء (توجہ) کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے حضرت ابن عباسؓ سے، مدینہ منورہ کے لوگ حضرت اُبی بن کعبؓ سے اور عراقی حضرات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تفسیری اقوال نقل کیا کرتے تھے۔

سوم:۔ تابعینؒ کے دَور میں مذہبی اختلاف کی تخم ریزی (مشروعات) ہوئی اور اِس قسم کے تفسیری اقوال منظر عام پر آئے جن میں اختلاف کی رنگ آمیزی کی گئی تھی۔ مثلاً قتادہ بن دعامہ سدوسی جو منکرِ تقدیر تھا، اس کی تفسیر میں ''عقیدہ قدریت'' (منکرِ تقدیر) کی جھلک دکھائی دیتی اور بعض لوگ اُس کی روایات سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت حسن بصریؒ کی تفسیر اثبات تقدیر کے عقیدہ پر مبنی ہے۔ آپؒ منکرِ تقدیر کی تکفیر کرتے ہیں جو حق ہے۔

چہارم:۔ عہد صحابہ کرامؓ میں تفسیر قرآن میں چنداں اختلاف نہ تھا۔ عصر تابعینؒ میں اختلاف کی خلیج بہت حد تک وسیع ہو گئی۔ تاہم تابعین کا یہ تفسیری اختلاف متاخرین (بعد کے زمانہ) کی نسبت بہت کم تصور ہو گا۔

10.2- تابعین سے ماثور تفسیر کی اهمیت:.

تفسیر بالماثور کا مفهوم:.

سوال-25:. عصر تابعین میں تفسیر ماثورہ اور اس کی اہمیت کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

جواب :۔ تفسیر بالماثورہ کے مفہوم میں خاص وسعت پائی جاتی ہے۔ کسی آیت کا معنیٰ و مفہوم اگر قرآن کریم ہی کی کسی اور آیت سے واضح ہوتا ہو یا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی (سنت و حدیث) سے، نیز صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار سے اس پر روشنی پڑتی ہو تو اس کا نام تفسیر بالماثورہ (منقول تفسیر) ہے۔ تابعین کی تفسیر کے قبول کرنے اور قبول نہ کرنے میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ تابعی کی تفسیر غیر مقبول ہے۔ ان علماء میں حضرت ابن عقیلؒ اور حضرت شعبہؒ شامل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں، ''جو بات رسول کریم ﷺ سے منقول ہو وہ

بسر وچشم تسلیم اور جو صحابہؓ سے منقول ہو اس میں سے ہم اپنی پسند کے قول پر عمل کریں گے۔ جہاں تک تابعین کے اقوال کا تعلق ہے تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی۔''

امام احمد بن حنبلؒ سے اس سلسلہ میں دو قول نقل کئے گئے ہیں۔ ایک میں تابعین کے تفسیری اقوال کو قابل قبول قرار دیا گیا ہے اور دوسرے میں اس کے برعکس فیصلہ صادر فرمایا گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں!

''شعبہ بن حجاج اور دیگر علماء کا خیال ہے کہ تابعین کے اقوال جب علی العموم (عام طور سے) حجّت نہیں ہیں تو پھر تفسیر میں کیوں کر حجّت (دلائل) ہو سکتے ہیں؟ اُن کا مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال سے مخالفت پر حجّت قائم نہیں ہو سکتی یہ بات بجائے خود درست ہے۔ مگر جس بات پر تابعینؒ کا اجماع (Consensus) منعقد ہو جائے اس کے حجّت ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ جب تابعین کسی بات میں مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حجّت ہو سکتا ہے اور نہ بعد میں آنے والے لوگوں پر۔ برخلاف ازیں ایسے موقع پر عربی زبان یا سنتِ نبوی یا عربی زبان کے عموم اور یا قولِ صحابہ کی جانب رجوع کیا جائے گا۔'' (مقدمہ اصول تفسیر ابن تیمیہؒ، الاتقان) اکثر مفسرین کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ تابعین کے تفسیری اقوال قبول ہیں۔ اس لئے کہ اُن میں سے اکثر اقوال صحابہ کرام سے منقول ہیں مثلاً تابعی مفسر حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں!

''میں نے تین مرتبہ قرآن کریم کو از اوّل تا آخر حضرت ابن عباسؓ (صحابی) کو سنایا اور ہر آیت کی تفسیر کے بارے میں اُن سے پوچھتا رہا۔''

اسی طرح تابعی مفسر حضرت قتادہؒ کا قول ہے!

''قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کی تفسیر کے بارے میں میں نے کچھ نہ سنا ہو''۔

اِس ضمن میں درست بات یہ ہی ہوگئی کہ تابعیؒ کا قول اُسی صورت میں واجب الاحتجاج ہے جب اس میں رائے کی گنجائش نہ ہو۔ ایسی صورت میں وہ قول اس شرط کے ساتھ قابل احتجاج ہوگا کہ شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ اگر اس تابعیؒ کے بارے میں شک ہو کہ وہ اہل کتاب سے استفادہ کیا کرتے تھے تو اُسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ البتہ جب کسی رائے پر تابعینؒ کا اجماع منعقد ہو جائے تو اس رائے (قول) کو ترک کر کے کسی دوسرے قول کو قبول نہیں کر سکتے۔

10.3- عصر تابعینؒ میں مدارسِ تفسیر:.

سوال-26:. عصر تابعینؒ میں مدارس تفسیر کن صحابہ کرام کی نگرانی میں قائم ہوئے اور ان کے مشہور تلامذہ کے

اسماء کیا ہیں؟

جواب :۔عہد رسالت اور خلافتِ راشدین میں اسلامی فتوحات ہوئیں اور صحابہؓ مدینہ سے نکل کر دُور دراز علاقوں تک پھیل گئے۔تابعینؒ نے اُن کی ہم نشینی سے فیض حاصل کیا۔چنانچہ بلاد و دیار (ملکوں اور شہروں) میں علمی مدارس قائم ہوگئے جن کے اساتذہ صحابہؓ اور تلامذہ تابعینؒ ہوئے۔تابعینؒ کی کثیر تعداد نے مشہور مفسرین صحابہؓ سے کسبِ فیض کیا۔چنانچہ ایک مدرسہ مکہ مکرمہ میں، دوسرا مدینہ منورہ میں اور تیسرا عراق میں مشہور ہوا جو اس دَور کے تفسیری مکاتب میں شمار ہوتے تھے۔

1- **مکہ مکرمہ کا مکتبِ تفسیر** :. مکہ کا تفسیری مکتب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں قائم ہوا۔آپؓ اپنے تابعی تلامذہ (شاگردوں) کے درمیان بیٹھ کر درسِ قرآن فرماتے اور اُن کے مشکل مطالب کی توضیح کیا کرتے تھے۔تلامذہ آپؓ سے جو اقوال سنتے اُن کو دوسروں تک پہنچاتے تھے۔اس مکتب تفسیر کے مشہور تلامذہ تابعین حسب ذیل ہیں!

1- حضرت سعیدؒ بن جبیر 2- حضرت مجاہدؒ 3- حضرت عکرمہؒ مولیٰ ابن عباسؓ 4- حضرت طاؤسؒ بن کیسان الیمانی 5- حضرت عطاءؒ بن ابی رباح ۔

یہ سب تابعین آزاد کردہ غلام ہیں۔قلت و کثرتِ روایت کے اعتبار سے بھی اُن میں فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

2- **مدینہ منورہ کا مکتبِ تفسیر** :. مدینہ منورہ کے تفسیری مکتب کی بنیاد حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ڈالی۔بکثرت صحابہ مدینہ ہی میں اقامت پذیر رہے۔اس مدرسہ (مکتب) میں کثیر تابعین نے مشاہیر صحابہ سے تفسیر کا درس حاصل کیا۔اکثر تابعین نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے کسبِ فیض کیا اور آپؓ سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں۔اس مدرسہ کے مشہور تابعین تلامذہ حسب ذیل ہیں۔

1- حضرت ابوالعالیہؒ 2- حضرت محمد بن کعبؒ القُرَظی 3- حضرت زیدؒ بن اسلم۔

اِن تابعین میں سے بعض نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ استفادہ فرمایا۔

3- **عراق کا مکتبِ تفسیر** :. عراق کے مکتبِ تفسیر کی بنیاد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پڑی۔آپؓ کے سوا وہاں اور بھی صحابہؓ موجود تھے جن سے اہل عراق نے درسِ تفسیر قرآن حاصل کیا۔حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمارؓ بن یاسر کو کوفہ کا والی (گورنر) اور حضرت ابن مسعودؓ کو معلّم و وزیر مقرر فرمایا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کوفہ نے (عراق کا علاقہ) حضرت ابن مسعودؓ کی صحبت اختیار کی اور دوسروں کے بہ نسبت آپؓ سے زیادہ استفادہ

کرنے لگے۔

اہل عراق کو عموماً اہل الرائے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔علماء کا قول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اوّلین مفسر تھے جنہوں نے اپنی نظر استدلال کی طرف ڈالی اور پھر علماء عراق کی طرف سے تفسیری مدرسہ وفکر میں اِس کی پیروی ہونے لگی اور قرآن کی تفسیر رائے واجتہاد کی اساس پر شروع ہوگئی۔ وہ اس لئے کے شرعی مسائل میں استنباط نصوصِ قرآن وسنت (دلیل قطعی) میں اپنی رائے کو استعمال کرنے ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔مکتبِ عراق سے کسب فیض پانے والے مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں!

1- حضرت علقمہ بن قیسؒ 2- حضرت مسروقؒ 3- حضرت اسودؒ بن یزید 4- حضرت مُرّہ حمدانیؒ 5- حضرت عامر شعبیؒ 6- حضرت حسن بصریؒ 7- حضرت قتادہؒ بن دعامہ السدوسی۔

11- تعارف مفسرین عصر تابعینؒ

11.1- تلامذہ مکتبِ تفسیر مکہ مکرمہ:.

سوال-27:۔ مفسر تابعیؒ حضرت سعیدؒ بن جبیر کی شخصیت کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟

جواب:.1 حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمۃ:۔آپؒ کا اسم گرامی سعید بن ہشام اسدی اور کنیت ابو محمد یا ابو عبداللہ ہے۔آپؒ حبشی الاصل، سیاہ فام مگر عمدہ سیرت وکردار کے حامل رہے ہیں۔آپؒ نے اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے استفادہ وکسب فیض فرمایا۔تفسیر قرآن میں آپ کا بلند مقام رہا ہے۔آپؒ کبار تابعین سے ہونے کے علاوہ حدیث وتفسیر اور فقہ میں سرخیل (سردار) رہے ہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے قراءت وتفسیر کا درس حاصل کیا اور اُن ہی کے وابستۂ دامن رہے۔ (وفیات الاعیان)

حضرت اسماعیلؒ بن عبدالملک فرماتے ہیں کہ حضرت سعیدؒ بن جبیر ماہِ رمضان میں ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔چنانچہ ایک رات حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت کے مطابق پڑھتے۔دوسری رات حضرت زید بن ثابتؓ کے مطابق اور اسی طرح ہر شب جداگانہ انداز سے مختلف صحابہؓ کی قراءتیں تلاوت فرماتے۔مختلف قراءتیں جمع کرنے کی بناء پر قرآن کریم کے معانی ومطالب سے بھی پوری طرح آگاہ تھے مگر قرآن کریم کی تفسیر بالرائے بیان کرنے سے احتراز فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن خلکانؒ لکھتے ہیں!''ایک شخص نے حضرت سعیدؒ بن جبیر سے تفسیر قرآن لکھنے کی فرمائش کی تو وہ ناراض ہوگئے اور فرمایا میرے جسم کا ایک حصہ گر جائے تو مجھے گوارا ہے مگر قرآن کی تفسیر لکھنا پسند نہیں''

آپؒ ''جامع الفنون تھے۔ چنانچہ حضرت حنیفؒ آپ کے بارے میں فرماتے تھے۔''تابعین میں طلاق کے مسائل سب سے زیادہ سعید بن جبیرؒ جانتے تھے۔مناسک حج کا علم حضرت عطاءؒ کو حاصل تھا۔حلال وحرام کے عالم حضرت طاؤسؒ ،تفسیر کے جاننے والے حضرت مجاہدؒاوران سب کے جامع حضرت سعیدؒبن جبیر تھے''۔

(وفیات الاعیان)

آپؒ کے استاد حضرت ابن عباسؓ آپؒ کے علم پر بھروسہ کرتے اور جب اہل کوفہ مسائل دریافت کرنے آتے تو فرماتے''کیا سعیدؒبن جبیر تمہارے یہاں موجود نہیں؟''۔

حضرت قتادہؒ کا قول ہے،''حضرت سعیدؒبن جبیر تابعین میں سب سے بڑے مفسر قرآن ہیں''۔بعض علماء کی رائے میں آپؒ کا علمی پایہ حضرت مجاہدؒاور حضرت طاؤسؒ سے بھی بلند تھا۔علمائے جرح وتعدیل نے آپ کو ثقہ (عادل) قرار دیا۔ حضرت ابوالقاسم طبریؒ فرماتے ہیں'' حضرت سعیدؒ ثقہ حجت اور امام المسلمین ہیں''۔حضرت ابن حیانؒ نے بھی آپؒ کو ثقاہت میں شامل فرمایا۔اصحاب صحاح ستہ آپؒ سے روایت میں متفق ہیں۔

حضرت عمروؒبن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ''حضرت سعیدؒبن جبیر خدا سے جا ملے۔سطح زمین سے کوئی شخص نہیں جو اُن کے علم کا محتاج نہ ہو''۔ 95ھ ماہِ شعبان میں خلیفہ حجّاج کے ساتھ ایک مناظرہ کے بعد آپؒ کو شہید کر دیا گیا۔اس واقعہ سے آپؒ کے قوتِ ایمان وایقان اور توکل علی اللہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ **(تھذیب التھذیب)**

2- حضرت مجاهد عليه الرحمة:.

سوال-28:. مفسر تابعیؒ حضرت مجاہدؒ کی شخصیت اور تفسیر قرآن میں اُن کے مقام کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟

جواب :۔آپؒ کا اسم گرامی مجاہد خیر الحجاج فخر ومی ہے۔آپؒ 21ھ خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے۔اصحابِ ابن عباسؓ میں آپؒ سب سے زیادہ قابل اعتماد رہے ہیں ۔یہ ہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ نے آپؒ کی تفسیر پر اعتماد کیا۔اور امام بخاریؒ نے تو صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں حضرت مجاہدؒ کے بکثرت اقوال نقل فرمائے ہیں۔حضرت مجاہدؒ کا خود قول ہے!

''میں نے تین مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو قرآن مجید سنایا۔ ہر آیت پر ٹھہر کر دریافت کیا کرتا کہ یہ کیسے اور کہاں نازل ہوئی۔ **(تهذيب ا لتهذيب)**

حضرت مجاہدؒ نے بحالت سجدہ مکہ میں 104ھ میں بعمر تراسی (83) برس وصال فرمایا۔رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مجاھدؒ کا مقام تفسیر:.

حضرت مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ (آپکے استاد) سے بنسبت دوسرے تلامذہ کے بہت کم تفسیری اقوال نقل فرمایا ہے۔مگر آپؒ سب سے زیادہ قابل اعتماد تلامذہ رہے۔آپؒ کی ثقاہت وعدالت (Trust worthiness) کی شہادت اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ امام بخاریؒ نے آپؒ کے بکثرت اقوال جامع صحیح بخاری میں نقل فرمائے ہیں۔

حضرت امام ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں حضرت ابوبکر الحنیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام سفیان ثوریؒ کو کہتے سُنا ''جب حضرت مجاہدؒ سے منقول تفسیر تمہیں میسر آجائے تو اُسے کافی خیال کرو'' (ابن جریر) پوری امت حضرت مجاہدؒ کی امامت اوراُن سے اخذ واحتجاج کرنے پر متفق ہے۔صحاح ستہ کے جامعین نے بھی آپؒ سے اقوال روایت کی ہیں۔ (المیزان)

امام ذہبی کتاب المیزان میں حضرت ابوبکر بن عیاشؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اعمشؒ سے کہا۔''کیا بات ہے کہ حضرت مجاہدؒ کے تفسیری اقوال پر اعتماد نہیں کیا جاتا؟ حضرت اعمشؒ نے فرمایا لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مجاہدؒ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں۔''

حضرت مجاہدؒ کی تفسیر پر صرف یہ حرف گیری کی گئی ہے۔حضرت مجاہدؒ کے ثقہ اور عادل ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔اب رہا اہل کتاب سے اخذ واستفادہ' تو حضرت مجاہدؒ نے اس ضمن میں جائز حدود سے تجاوز نہ کیا ہوگا خصوصاً جب کہ آپؒ حضرت ابن عباسؓ کے تلمیذ رشید ہیں جو اہل کتاب سے اخذ و روایت کے سلسلہ میں تشدد سے کام لیتے تھے۔

3- حضرت عکرمہ علیہ الرحمۃ:.

سوال-29:. مفسر تابعیؒ حضرت عکرمہؒ کی شخصیت اور تفسیر میں آپؒ کا مقام کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔آپؒ کا اسم گرامی ابوعبداللہ عکرمہ بَربَری مدنی مولیٰ ابن عباسؓ ہے اور آپؒ مغرب علاقہ بَربَر کے رہنے والے ہیں۔آپؒ نے حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر صحابہ سے کسب فیض فرمایا۔حضرت عکرمہؒ کی توثیق میں علماء مختلف الرائے ہیں۔بعض آپؒ کو ثقہ (سچا) اور بعض غیر ثقہ قرار دیتے ہیں۔معترضین کے تمام دلائل بے بنیاد ہیں اور اُن میں کوئی صداقت نہیں۔دراصل حضرت عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ کے غلام تھے اور اُن کی صحبت و رفاقت میں رہنے کی وجہ آپؒ (حضرت ابن عباسؓ) سے کثرت روایت کی بناء آپؒ کی صداقت وعدالت میں کوئی فرق نہیں آتا۔کثرت روایت ایسا عمل نہیں جس سے راوی کی ثقاہت جاتی رہے۔چنانچہ حضرت عثمان بن حکیمؒ فرماتے ہیں! ''میں حضرت ابوامامہ سہلؒ بن حنیف کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ حضرت عکرمہؒ بھی آگئے اور کہنے لگے ابوامامہ! میں آپ کو خدا

کی قسم دیتا ہوں سچ بتائیے کہ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ کہتے سنا تھا کہ عکرمہؒ جو کچھ بھی مجھ سے سن کر بیان کرے اس کی تصدیق کیجئے، اس نے مجھ پر جھوٹ نہیں باندھا'' حضرت ابوامامہؒ نے جواب دیا ''جی ہاں''۔

یہ اعتراض کہ حضرت عکرمہؒ خارجی ہیں، یہ تو عظیم بہتان ہے۔ حضرت حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، ''اگر حضرت عکرمہؒ کا خارجی ہونا ثابت ہو بھی جاتا ہے تو اس سے اُن کی روایت میں فرق نہیں آتا کیونکہ وہ اس بدعت کے داعی نہ تھے مگر یہ بات کسی دلیل و برہان سے ثابت نہیں ہوتی''۔ اس کے برخلاف باانصاف نقاد حدیث کے اقوال سے مستفاد (معلوم) ہوتا ہے کہ حضرت عکرمہؒ جلیل القدر تابعی قابل اعتماد ہیں۔ آپؒ کی شان میں جو کچھ بھی اعتراض کیا گیا ،اُس کا مقصد آپؒ سے لوگوں کو ہٹانا اور روکنا ہے۔ چنانچہ علمائے جرح وتعدیل (Critical Examination) کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں!

1- امام مروزیؒ فرماتے ہیں۔ ''میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ حضرت عکرمہؒ کی روایت سے احتجاج (دلیل لیا جانا) کیا جاسکتا ہے تو آپؒ نے فرمایا ''ہاں''۔

2- امام العجلؒ کا قول ہے! ''حضرت عکرمہؒ ایک ثقہ تابعی ہیں۔ اُن پر خارجی ہونے کا الزام ایک بہتان ہے۔''

3- محدث ابن معینؒ فرماتے ہیں! ''جب تم دیکھو کہ کوئی شخص حضرت عکرمہؒ اور حضرت عمادؒ بن ابی سلمہ پر نکتہ چینی کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا اسلام مشکوک ہے''۔

4- امام نسائیؒ نے حضرت عکرمہؒ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

5- امام بخاریؒ کا ارشاد ہے! ''حضرت عکرمہؒ کی روایت سے ہمارے سب اصحاب احتجاج کرتے'' (دلیل لیتے ہیں)۔

6- امام مسلمؒ پہلے حضرت عکرمہؒ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے بعد ازاں اُن کی تعدیل (تصدیق) کرنے لگے۔ اس طرح امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤد، امام نسائیؒ اور دیگر محدثین آپؒ سے روایت کرتے ہیں۔

7- امام مروزیؒ فرماتے ہیں! ''حضرت عکرمہؒ سے اخذ و نقل پر جملہ محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ہمارے معاصر اکابر محدثین نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے۔ مثلاً حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت ابن راہویہؒ، حضرت یحییٰؒ بن معین، حضرت ابو ثورؒ اور دیگر علماء اکابر۔ مذکورہ صدر جلیل القدر محدثین کی جرح وتعدیل کے بیان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عکرمہؒ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور آپؒ پر تمام اعتراضات کو نظر انداز کیا جائے گا۔

حضرت عکرمہؒ کا تفسیری مقام:.

۔حضرت عکرمہؒ تفسیر قرآن میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔علماء نے بھی اس بات کو تسلیم فرمایا ہے۔چنانچہ محدث ابن حبانؒ فرماتے ہیں!''عکرمہؒ ''اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضلِ قرآن وفقہ ہیں''۔

۔حضرت عمروؒ بن دینار کا قول ہے،''حضرت جابرؒ بن زید نے مجھ سے چند سوالات بتلا کر فرمایا حضرت عکرمہؒ سے اُن سوالات کے بارے میں دریافت کرو کہ وہ علم کے بحر بیکراں ہیں''۔

-امام حضرت شعبیؒ فرمایا کرتے تھے!''حضرت عکرمہؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم آج روئے زمین پر موجود نہیں ہے''۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عکرمہؒ مولیٰ ابن عباسؓ روایت حدیث میں امین اور علم وفضل میں دوسروں پر فائق اور کتاب اللہ (قرآن) کے فہم وادراک میں یکتائے روزگار (Unique) ہیں۔آپؒ حضرت ابن عباسؓ کے علمی ورثہ کے مالک ہونے کے اعتبار سے ایسا ہونا بھی چاہیئے۔حضرت عکرمہ کا وصال 104ھ میں ہوا۔ (تھذیب ا لتھذیب)

4- حضرت طاؤس بن کیسان یمانی علیہ الرحمۃ:.

سوال-30:. مفسر تابعیؒ حضرت طاؤس بن کیسان یمانیؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔آپؒ کا اسم گرامی طاؤس بن کیسانؒ،کنیت ابوعبدالرحمٰن اور نسبت الیمانی الحمیری ہے۔آپؒ بہت بڑے عالم وفاضل اور مفسر قرآن ہیں۔دیگر اصحاب کی نسبت آپؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ کسب فیض فرمایا اور مکہ کے مکتب کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔آپؒ کے اساتذہ میں حضرت عبادلہ اربعہ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ،حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔خود حضرت طاؤسؒ کا قول ہے کہ''میں پچاس(50) صحابہ کرام کی صحبت میں رہ کر اُن سے استفادہ کر چکا ہوں''۔

حضرت طاؤسؒ نہایت عابد وزاہد اور متقی شخصیت کے حامل رہے ہیں۔چنانچہ آپؒ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں!''میں طاؤس کو جنتی خیال کرتا ہوں''۔

حضرت عمرو بن دینارؒ کا قول ہے!''میں نے طاؤسؒ جیسا صالح آدمی نہیں دیکھا''۔اصحاب ستہ نے حضرت طاؤسؒ سے روایت کی ہیں۔امام ابن معینؒ فرماتے ہیں!''حضرت طاؤسؒ ثقہ (Trustworthy) ہیں۔

محدث ابن حبانؒ کا قول ہے! حضرت طاؤسؒ اہل یمن کے عبادت گزاروں میں شامل ہیں اور آپؒ تابعین کے سردار اور مستجاب الدعوات رہے ہیں۔آپؒ نے چالیس(40) حج ادا فرمائے''۔

حضرت امام ذہبیؒ لکھتے ہیں!''حضرت طاؤسؒ اہل یمن کے استاذ تھے۔آپؒ نے بہت سے حج ادا فرمائے اور 106ھ

میں مکہ مکرمہ میں وصال ہوا۔ (تهذيب التهذيب)

5-حضرت عطاء بن ابی رباح علیہ الرحمۃ:۔

سوال-31:۔مفسر تابعیؒ حضرت عطاءؒ بن ابی رباح کی شخصیت مرتبہ کے متعلق مختصر تبصرہ کرو؟

ء:۔آپؒ کا اسم گرامی ابو محمد عطاء بن ابی رباح مکی القریشی ہے۔آپؒ جسمانی نقائص ومعذوریت کے باوجود پیکر علم وفضل تھے۔بالآخر آپؒ نابینا بھی ہوگئے تھے۔آپؒ 27 ھ کو پیدا ہوئے اور 114ھ میں وصال ہوا۔

حضرت عطاؒ نے حضرت ابن عباسؓ،حضرت ابن عمرؓ،حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے استفادہ فرمایا۔خود حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسو(200) صحابہؓ کا زمانہ پایا۔آپؒ ثقہ،فقیہ عالم اور کثیر الحدیث رہے ہیں۔اہل مکہ کی فتویٰ نویسی آپؒ کی ذات پر ختم ہوگئی تھی۔اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اہل مکہ حضرت عباسؓ سے استفادہ کرنے جاتے تو حضرت عباسؓ فرماتے!''اہل مکہ!تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ تمہارے اندر حضرت عطاءؒ جیسا شخص موجود ہے''۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا!''میں نے اپنے ملنے والوں میں عطاءؒ جیسا کسی کو نہیں پایا اور نہ جابر جعفیؒ سے بڑھ کر جھوٹا آدمی دیکھا''

حضرت سلمہ بن کُھیمَلؒ کا قول ہے!''رضائے الٰہی کے لئے علم حاصل کرنے والے میں نے صرف تین آدمی دیکھے ہیں 1-عطاءؒ 2-مجاہدؒ 3-طاؤسؒ ''حضرت ابن حبانؒ لکھتے ہیں!''علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے حضرت عطاءؒ تابعی کے سرخیل (سردار) تھے۔''حضرت امام اَوزاعیؒ فرماتے ہیں!''جب حضرت عطاءؒ کا وصال ہوا تو وہ سب لوگوں کے نزدیک پسندیدہ انسان تھے''۔

اصحاب صحاح ستہ بھی آپؒ سے اخذ ونقل کرتے ہیں۔ (تهذيب التهذيب)

حضرت عطاءؒ علمی مقام کے لحاظ سے بہت اونچے درجے کے عالم راست گفتار اور ثقہ ہیں۔آپؒ کے استاذ گرامی حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔

حضرت قتادہؒ فرمایا کرتے تھے!''تابعین'' کے جید علماء چار ہیں!

1-مناسک حج کے سب سے بڑے عالم حضرت عطاءؒ ہیں۔

2-سب سے بڑے مفسر قرآن حضرت سعیدؒ بن جبیر ہیں۔

3-سیر ومغازی (علم نسب وتعارف) میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عکرمہؒ کو حاصل ہے۔

4- حلال وحرام کے عظیم عالم حضرت حسن بصریؒ ہیں۔

تحقیق و تدقیق (Research and Analysis) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ میں حضرت عطاؒ کثیر الروایت نہ تھے۔ قلتِ روایت کی وجہ آپؒ کی کثرتِ روایت سے احتیاط اور تفسیر بالرائے سے آپؒ کا اجتناب و احتراز ہے۔ چنانچہ بقول عبدالعزیز ابن رفیعؒ کہ تفسیر میں اپنی رائے بیان کرنے سے متعلق حضرت عطاؒ نے فرمایا ''مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میری رائے کو دین قرار دیا جائے''۔

11.2-تلامذہ مکتب تفسیر مدینہ منورہ:.

سوال-32:۔ مفسر تابعیؒ حضرت ابوالعالیہؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

1-جواب- حضرت ابو العالیہ علیہ الرحمۃ :. آپؒ کا اسم گرامی رفیع بن مہران اور کنیت ابوالعالیہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے دو سال بعد آپؒ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آپؒ ثقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں اور تفسیر قرآن میں خصوصی شہرت کے حامل ہیں۔ اکابر محدثین مثلاً حضرت ابن معینؒ، ابوزرعہؒ، اور ابوحاتمؒ نے آپؒ کو ثقہ قرار دیا۔ اصحابہ صحاحِ ستّہ آپؒ سے روایت کرنے پر متفق ہیں۔ آپؒ قرآن کریم کے بہترین حافظ بھی رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت قتادہؒ حضرت ابوالعالیہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے دس سال بعد، میں نے قرآن کریم پڑھا''۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے علمی استفادہ فرمایا۔

اسناد صحیح:. حضرت اُبی بن کعبؓ سے تفسیر قرآن کا ایک ضخیم نسخہ منقول ہے جس کو حضرت ابوجعفر رازیؒ نے بروایت ربیع بن انسؒ از ابوالعالیہؒ از اُبی بن کعبؓ نقل کیا ہے، اور یہ اسناد صحیح ہیں۔ اسی طرح مفسر حضرت ابن جریرؒ، حضرت ابن ابی حاتمؒ اور امام حاکمؒ نے ''مستدرک'' میں اُس نسخۂ اُبی بن کعبؓ سے بکثرت روایتیں نقل فرمائیں ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ''مُسند'' میں اُس نسخہ سے استفادہ کیا ہے۔

ایک قول کے مطابق حضرت ابوالعالیہؒ کا وصال 90ھ میں ہوا۔ (تھذیب التھذیب)

2- حضرت محمد بن کعب القُرظی علیہ الرحمۃ:.

سوال-33:۔ مفسر تابعیؒ حضرت محمد بن کعب القرظیؒ بحیثیت مفسر قرآن مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔ آپؒ کا اسم گرامی محمد بن کعب بن اسد القُرظی المدنی اور کنیت ابوحمزہ یا ابوعبداللہ ہے۔ آپؒ ثقاہت وعدالت'

زہد وتقویٰ، کثرتِ حدیث وتفسیر قرآن میں خاص شہرت کے حامل رہے ہیں۔آپؒ نے حضرت علیؓ،حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے کسب فیض فرمایا۔اور حضرت اُبی بن کعبؓ سے بالواسطہ روایت فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں! ''محمد ابن کعبؒ ثقہ' عظیم عالم اور مفسرقرآن ہیں۔اصحابِ صحاح ستہ نے بالاتفاق آپؒ سے حدیثیں نقل کیں ہیں''۔

حضرت ابن عونؒ کا قول ہے:''میں نے محمد بن کعبؒ سے بڑھ کر مفسر قرآن نہیں دیکھا''

حضرت محدث ابن حبانؒ فرماتے ہیں:

''محمد بن کعبؒ مدینہ کے فضلاء میں شمار ہوتے ہیں۔ایک مرتبہ مسجد میں وعظ فرمارہے تھے کہ اچانک چھت گر پڑی جس سے آپؒ کے ساتھ اور چند رفقاء کی وفات ہوگئی۔یہ 118ھ کا واقعہ ہے۔۔اُس وقت آپؒ کی عمر مبارک 78 برس کی تھی''۔

3- حضر ت زید بن اسلم علیہ الرحمۃ:.

سوال-34:مفسرتابعیؒ حضرت زید بن اسلمؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب : آپؒ کا اسم گرامی زید بن اسلم العدوی المدنی اور کنیت ابو اُسامہ یا عبداللہ ہے۔آپؒ اُن کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے روایت تفسیر میں شہرت حاصل کی۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ،حضرت ابوزرعہؒ، حضرت ابوحاتم نسائیؒ اور دیگر عظیم محدثین نے آپؒ کو ثقہ قرار دیا۔اربابِ صحاح ستہ آپؒ سے اخذ وروایت کرنے پر متفق ہیں۔

کثرتِ علم کی بنا پر آپؒ اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں۔بعض ہم عصر آپؒ سے استفادہ کرتے تھے۔چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں تحریر فرمایا کہ حضرت علی بن امام حسینؓ (امام زین العابدینؒ) زید بن اسلمؒ کے یہاں حاضر ہوکر علمی استفادہ فرمایا کرتے تھے۔اور فرماتے تھے''آدمی اس شخص کی صحبت اختیار کرتا ہے جس سے کچھ دینی فائدہ حاصل ہوتا ہو''۔حضرت نافع بن جُبیر بن مطعمؒ نے فرمایا،''آپؒ (حضرت زین العابدینؒ) اپنی قوم کی علمی مجالس چھوڑ کر حضرت عمر بن خطابؓ کے غلام حضرت زید بن اسلمؒ کے یہاں جاتے ہیں''۔

علمائے مدینہ میں سے جن لوگوں نے حضرت زید بن اسلمؒ سے تفسیر قرآن کا درس حاصل کیا ان میں سے مشہور ترین حسب ذیل حضرات ہیں۔

1- حضرت امام مالک بن انسؒ صاحب مؤطّا۔

2- حضرت زید بن اسلمؒ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؒ

حضرت زید بن اسلمؒ کا وصال 136ھ میں ہوا۔ (تهذيب التهذيب)

11.3-تلامذہ مکتب تفسیر عراق:.

1- حضرت علقمه بن قيس رضى الله عنه:.

سوال.35:۔مفسر تابعی حضرت علقمہ بن قیسؒ کی شخصیت کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔آپؒ کا اسم گرامی علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی الکوفی ہے۔آپؒ حضور سرورِ کونین کے حیات طیبہ میں ہی پیدا ہوئے۔حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ کے ارشد تلامذہ سے ہیں اور آپؒ کے علم وفضل سے خوب آشنا وآگاہ ہیں۔حضرت علقمہؒ نے حضرت عمرؓ،حضرت عثمان غنیؓ،حضرت علیؓ،حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا''میں جو کچھ پڑھا یا جانتا ہوں حضرت علقمہؒ بھی جانتے ہیں،علقمہؒ نہایت ثقہ،امین،راست باز اور زہد وتقویٰ سے بہرہ ور ہیں''۔

حضرت ابوثنیٰؒ کا قول ہے''جب تم حضرت علقمہؒ کو دیکھ لو تو حضرت ابن مسعودؓ کو نہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں،وہ اُن سے بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں''۔

حضرت عثمان بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حضرت ابن معینؒ سے پوچھا''آپ کے نزدیک حضرت علقمہؒ بہتر ہیں یا حضرت عبیدہؒ؟ فرمایا''دونوں یکساں ہیں''حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں''حضرت علقمہؒ صالح اور ثقہ شخص ہیں''۔

اصحاب صحاح ستہ آپؒ سے روایت کرنے پر متفق ہیں۔بقول حضرت ابونعیمؒ کے حضرت علقمہ بن قیسؒ کا وصال 61ھ یا 62ھ میں بعمر نوے 90 سال ہوا۔ (تهذيب التهذيب)

2- حضرت مسروق عليه الرحمة:.

سوال-36:۔مفسر تابعی حضرت مسروقؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔نام حضرت مسروق بن اجدع بن مالک کوفی کنیت ابوعائشہ ہے۔مگر ایک دن حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا''اجدع تو شیطان کو کہتے ہیں۔آپؒ مسروق بن عبدالرحمٰن ہیں''۔حضرت مسروقؒ نے خلفاء اربعہ راشدینؓ،حضرت ابن مسعودؓ،حضرت اُبی بن کعبؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے علمی استفادہ فرمایا۔

آپؒ حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں سب سے بڑے عالم اور زہد وتقویٰ میں ممتاز ہیں۔کوفہ کے مشہور مفتی وقاضی مشکل

مسائل میں آپؒ سے مشورہ کرتے تھے۔
چنانچہ امام شعبیؒ فرماتے ہیں ”میں نے حضرت مسروقؒ سے بڑھ کر علم کا شائق نہیں دیکھا“۔اس طرح امام بخاریؒ کے استاذ حضرت علی بن مدینیؒ کا قول ہے، ”میں حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے حضرت مسروقؒ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا“۔
حضرت مسروقؒ نے اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابن مسعودؓ کی صحبت و رفاقت میں علم و فضل کا لازوال خزانہ جمع فرمالیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپؒ اپنے عہد کے امامِ تفسیر اور کتاب اللہ کے معانی و مطالب کے جیّد فاضل قرار پائے۔حضرت مسروقؒ خود فرماتے ہیں، ”حضرت ابن مسعودؓ ہمیں قرآن کریم کی کوئی سورت سناتے اور پھر دن بھر اُس کی تفسیر بیان فرماتے رہتے“۔
آپؒ کی ثقاہت و عدالت کے تعلق سے علماء جرح و تعدیل نے اتفاق کیا ہے۔چنانچہ محدث حضرت ابن معینؒ فرماتے ہیں، ”حضرت مسروقؒ جیسے شخص کی عدالت (Honesty) کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں“۔
اس طرح حضرت ابن سعدؒ کا قول ہے ”حضرت مسروقؒ ثقہ (Trustworthy) ہیں اور انہوں نے احادیث صحیحہ روایت کی ہیں“۔
حضرت ابن حبانؒ نے بھی آپؒ کو ثقہ رواۃ و رجال میں شمار کیا ہے۔صحاح ستہ نے بھی بالاتفاق آپؒ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔
مشہور محدث حضرت شعبہؒ نے حضرت ابو اسحاقؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ”حضرت مسروقؒ حج کو گئے تو یہ کیفیت تھی کہ سوتے بھی سجدہ کی حالت میں تھے“۔حضرت مسروقؒ کا وصال ایک مشہور قول کے مطابق 63 ھ میں ہوا۔

(تهذيب التهذيب)

3- حضرت اسود بن یزید علیہ الرحمۃ:.

سوال-37:۔مفسر تابعی حضرت اسود بن یزیدؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔اسم ابو عبدالرحمٰن اسود بن یزید بن قیس نخعی ہے۔آپؒ کبار تابعین اور اصحابِ (تلامذہ) حضرت ابن مسعودؓ میں سے ہیں۔آپؒ صالح، ثقہ اور علوم قرآن کے ماہر تھے۔حضرت ابن سعدؒ، امام احمدؒ اور حضرت یحیٰی بن معینؒ نے آپؒ کو ثقہ قرار دیا ہے۔صحاح ستہ کے مولّفین آپؒ سے اخذ و نقل پر متفق ہیں۔آپؒ نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت بلالؓ اور دیگر صحابہ کرام سے حدیثیں روایت کیں۔حضرت ابراہیم نخعیؒ نے

حضرت اسود بن یزیدؒ کو حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے جو فتویٰ دیا کرتے تھے۔اس طرح حضرت ابن حبانؒ نے بھی آپؒ کو ثقہ قرار دیا۔حضرت اسودؒ کا وصال 74 ھ یا 75 ھ میں ہوا۔ ((تھذیب التھذیب)

4- حضرت مُرّہ ھمدانی علیه الرحمة:.

سوال-38:۔ مفسر تابعی حضرت مرّہ ھمدانیؒ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب :۔اسم اسماعیل مُرّہ بن شرجیل ھمدانی،کوفی ہے۔آپؒ نے حضرت ابوبکرؓ،حضرت عمرؓ،حضرت علیؓ،حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرام سے علمی استفادہ فرمایا۔اور امام شعبیؒ اور دیگر اصحاب و تلامذہ نے آپؒ سے کسبِ فیض کیا۔حضرت ابن معینؒ اور حضرت ابوالعجلیؒ نے حضرت مُرّہ ھمدانیؒ کو ثقہ قرار دیا۔صحاح ستّہ کے جامعین نے آپؒ سے حدیثیں روایت کیں۔کا وصال 76 ھ میں ہوا۔ (تھذیب التھذیب)

5- حضرت عامر شعبی علیه الرحمة:.

سوال-39:۔مفسر تابعی حضرت عامر شعبیؒ کی شخصیت کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟

جواب :۔اسم ابوعمرو عامر بن شرجیل شعبیؒ کوفی ہے۔آپؒ جلیل القدر تابعی اور کوفہ کے قاضی ہیں۔آپؒ کا خود قول ہے کہ ''میں نے پانچ سو (500) صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے اور اڑتالیس (48) صحابہ کرام سے احادیث نبویہ کا سماع کیا ہے''۔آپؒ نے حضرت عمرؓ،حضرت علیؓ،حضرت ابن مسعودؓ سے اگرچہ حدیثیں روایت کی ہیں تاہم اُن سے براہ راست استفادہ نہیں کیا۔اس طرح آپؒ نے حضرت ابوہریرہؓ،ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ،حضرت ابن عباسؓ،حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی روایت کی ہے۔

امام شعبیؒ کے بارے میں علمائے حدیث کے مندرجہ ذیل اقوال مشہور ہیں۔

1- حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں۔''میں شعبیؒ سے بڑھ کر فقیہ آج تک نہیں دیکھا''۔

2- حضرت ابن **عُیَینہؒ** کا قول ہے۔''لوگوں کا خیال ہے کہ صحابہؓ کے بعد اپنے زمانے میں تین آدمی یکتائے روزگار (غیر معمولی) ہیں۔1- حضرت ابن عباسؓ۔ 2- حضرت شعبیؒ 3- حضرت سفیان ثوریؒ

3- محدث حضرت ابن شبرمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں''جو بات بھی میں نے لکھی یا کسی سے سنی وہ مجھے ازبر (یاد) ہوگئی۔جب بھی کسی نے کوئی حدیث سنائی تو میں نے اس کے اعادہ کی ضرورت محسوس نہ کی''۔

4- حضرت ابن معینؒ،حضرت ابوزرعہؒ اور دیگر محدثین نے فرمایا کہ حضرت شعبیؒ ثقہ ہیں۔صحاح ستّہ نے آپؒ سے روایت کی۔

5-ابوجعفر طبریؒ طبقات الفقھا میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت شعبیؒ بڑے عالم فقیہہ اور ادیب تھے''۔

6-حضرت ابواسحاق الجبالؒ کا قول ہے کہ حضرت شعبیؒ مختلف علوم میں ماہر رہے ہیں''

7-حضرت سلیمان بن ابی مجلزؒ فرماتے ہیں۔''میں نے حضرت شعبیؒ سے بڑا فقیہہ نہیں دیکھا''۔حتیٰ کے حضرت ابن المسہبؒ، طاؤسؒ، عطاؒ، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابن سیرینؒ بھی اُن کے ہم پلّہ (برابر) نہ تھے۔

امام شعبیؒ جید عالم ہونے کے باوجود قرآن کریم کی تفسری بالرائے کرنے جسارت (ہمت) نہیں کرتے تھے۔جب کسی آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں آپؒ کو علمائے سلف کا کوئی قول معلوم نہ ہوتا تو مسائل کا جواب نہ دیتے۔چنانچہ حضرت ابن عطیہؒ فرماتے ہیں،''اکابر علمائے سلف مثلاً حضرت سعید بن المسیّبؒ کا قول ہے کہ حضرت شعبیؒ تفسیر قرآن کو بڑی وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے علم وفضل کے باوجود زہد وتقویٰ کی بنا پر تفسیر بالرائے سے کنارہ کش (دور ہی) رہتے تھے''۔آپ کا یہ بھی قول ہے کہ جس کو حضرت ابن جریر طبریؒ نے بیان کیا کہ ''میں نے ہر آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا ہے مگر اس میں احتیاط کی ضرورت ہے، یہ کلام الٰہی کی تفسیر کا معاملہ ہے''۔

(مقدمہ تفسیر ابن جریرؒ)

حضرت امام شعبیؒ، حضرت سُدّیؒ اور حضرت ابو صالحؒ کی تفسیر کو پسند نہیں کرتے تھے۔چنانچہ حضرت ابن جریرؒ نے حضرت شعبیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپؒ ابوصالحؒ سے کہتے تھے کہ ''تم قرآن کی تفسیر کرتے ہو حالانکہ تم قرآن پڑھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے''۔کچھ اِسی طرح امام شعبیؒ نے سُدّیؒ کو ان کی تفسیر کے بارے میں کہا کرتے۔

حضرت امام شعبیؒ کی ولادت و وصال کے بارے میں مشہور ترین قول یہ ہے کہ آپؒ 20 ھ میں پیدا ہوئے اور 109 ھ میں وصال ہوا۔ (تھذیب التھذیب)

6- حضرت حسن البصری علیه الرحمة:.

سوال-40:۔مفسر تابعی حضرت حسن بصریؒ کی شخصیت اور تفسیر قرآن میں آپؒ کا مقام کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟

جواب:۔آپؒ کا اسم گرامی حَسن بن ابوحسن یسار بصری اور کنیت ابوسعید ہے۔آپؒ کی والدہ ماجدہ کا نام خیرہ ہے جو حضرت ام المؤمنین امّ سلمہؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔حضرت ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ خلافتِ فاروقی (حضرت عمرؓ کے دَور خلافت) کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے۔حضرت امّ سلمہؓ نے آپؒ کو اپنا دودھ بھی پلایا اور آپؒ وادی القریٰ میں پروان چڑھے۔آپؒ بڑے فصیح و بلیغ، عابد و زاہد اور یکتائے روزگار (غیر معمولی) خطیب

ہیں۔ سامعین آپؒ کے وعظ سے بے حد متاثر ہوا کرتے تھے۔

آپؒ نے حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور کثیر صحابہ و تابعین سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپؒ قرآن و حدیث کے جید فاضل اور احکام حلال و حرام میں اعلیٰ پایہ کی بصیرت کے حامل رہے ہیں۔ چنانچہ آپؒ کے علم و فضل کے بارے میں علمائے سلف کے چند اقوال ملاحظہ ہوں!

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔ ''دینی مسائل حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کریں۔ انہیں وہ مسائل یاد ہیں اور ہم بھول گئے''۔

اسی طرح حضرت سلمان القیمیؒ کا قول ہے کہ ''حضرت حسن بصریؒ اہل بصرہ کے استاذ ہیں''۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں۔ ''میں جس فقیہ کی صحبت میں بیٹھا، حضرت حسن بصریؒ کو اُس سے بڑھ کر پایا''۔

حضرت بکر المزنیؒ فرماتے ہیں۔ ''جو شخص دورِ حاضر کے منفرد عالم کو دیکھنا چاہے وہ حضرت حسن بصریؒ کو دیکھ لے۔ ہم نے اُن سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا''۔

حضرت ابوجعفر الباقرؒ کے پاس جب حسن بصریؒ کا ذکر آتا تو فرمایا۔ ''اُن کا کلام انبیاء کے کلام سے ملتا جلتا ہے''۔

حضرت ابن سعدؒ کا قول ہے کہ ''حضرت حسن بصریؒ عظیم عالم، بلند پایہ فقیہہ، نہایت ثقہ، بڑے عابد و زاہد، حد درجہ فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل تھے''۔ اصحابہ صحاح ستّہ نے حضرت حسن بصریؒ سے روایت کی ہیں۔ آپؒ کا وصال مبارک 88ھ میں ہوا۔ (تھذیب التھذیب)

7- حضرت قتادہ علیہ الرحمۃ:.

سوال-41:۔ مفسر تابعی حضرت قتادہؒ کی شخصیت اور تفسیر قرآن میں آپؒ کا مقام کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟

جواب:۔ نام قتادہ بن دعامہ السدوسی کی کنیت ابوالخطاب ہے۔ آپؒ مادرزاد نابینا (Blind) تھے۔ آپؒ عربی الاصل تھے اور بصرہ (عراق) میں آباد ہو گئے تھے۔

آپؒ قوتِ حافظہ سے بہرہ ور، عربی اشعار کے عظیم عالم، ایام العرب اور علم الانساب کے زبردست ماہر ہونے کے علاوہ عربی زبان و ادب میں بصیرت تامّہ رکھتے تھے۔

حضرت قتادہؒ مفسرِ قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی مشہور ہیں۔

آپؒ نے حضرت انسؓ، حضرت ابوطفیلؓ، حضرت ابن سیرینؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت عطاءؒ بن رباح اور اکابر اصحاب سے حدیثیں روایت کیں۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے تھے ''قتادہؒ جیسا دوسرا حافظ میں نے نہیں دیکھا''۔

حضرت حسن بصریؒ تو یوں فرماتے تھے کہ حضرت سعد بن المسیبؒ نے کہا۔''میں نہیں سمجھتا تھا کہ خدا تمہارے (قتادہؒ) جیسا انسان بھی پیدا کیا ہے۔''اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت قتادہؒ، حضرت سعید بن المسبؒ کے پاس کئی دن قیام کیا اور دینی مسائل واحکام دریافت کرتے رہے۔حضرت سعیدؒ نے دریافت فرمایا۔''آپؒ نے جو کچھ مجھ سے پوچھا ہے وہ سب یاد ہے! حضرت قتادہؒ نے کہا''جی ہاں''! پھر وہ سب کچھ واپس صحیح صحیح سنا دیا۔

حضرت قتادہؒ کی ثقاہت وعدالت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ صحاح ستّہ کے مولفین آپؒ سے اخذ و اِحتجاج کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ امام ابو حاتمؒ کا قول ہے۔''حضرت انس بن مالکؓ کے اصحاب و تلامذہ میں سے ثقہ ترین (Most TrusWorthy) شخص حضرت زھریؒ اور حضرت قتادہؒ ہیں۔

حضرت قتادہؒ کا وصال بعمر چھپن (56) سال 117ھ میں ہوا۔ (تھذیب التھذیب)

11.4-ماثور تفسیر قرآن میں تابعینؒ کا اھم رُول:.

سوال-42:۔تفسیر قرآن بالماثورہ کے سلسلہ میں تابعین مفسرین کے اہم رول اور تفسیر میں اختلافِ سلف کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟

جواب:۔نامور تابعین کرامؒ جنہوں نے تفسیر قرآن میں شہرت پائی اُن کے اکثر تفسیری اقوال صحابہ کرامؓ سے ماثور و ماخوذ ہیں۔بعض اہل کتاب سے لئے گئے ہیں۔اور دیگر اقوال اُن حضرات کے اپنے اجتہاد (Interpretation) پر مبنی ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ تابعینؒ علم وفضل کا زندہ پیکر (زندہ نمونہ) اور بڑے دقیقہ رس (باریک بین) تھے اِس لئے کہ تابعینؒ کا عہد عصرِ نبوت سے قریب ہے اور عہدِ صحابہؓ نے اُن کو زمانۂ رسالت کے ساتھ جوڑ دیا تھا۔مزید یہ کہ عربی زبان میں آگے چل کر جو بگاڑ پیدا ہوا وہ اُس سے محفوظ رہے۔

تفسیر کے ارتقاء کی ضرورت اور اھمیت:.

تابعینؒ نے جو علمی ورثہ چھوڑا' اتباع تابعینؒ اس کے وارث ٹھہرے۔پھر بعد میں آنے والے علماء اُن کے علم وفضل کے امین (محافظ) قرار پائے۔علیٰ ہذا القیاس (بتدریج) سلف (آگے) کا علم خلف (پچھلے) کی جانب منتقل ہوتا رہا۔پچھلے دَور کے علماء نے اپنے سابقین کے علم کو سنبھالا اور اس پر شاندار اضافہ (ارتقاء) کیا۔یہ تو سنت الٰہی رہی ہے کہ آغاز میں

علم کا دائرہ نہایت تنگ ہوتا ہے، اُس کے وسائل محدود ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ (بتدریج) یہ علمی دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کے اپنے نقطۂ عروج وکمال تک پہنچ جاتا ہے۔ اِسی کو توارتقاء یا ترقی یا (Moderation) کہتے ہیں جو اقتضاء زمانہ کے لحاظ سے وقوع پذیر اور ناگزیر ہوتا گیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اسلام ہی ایک ہمہ گیر (ہر زمانہ میں پسندیدہ) اور زندہ دین قرار پایا۔ اسلام کے مقابل تمام دوسرے مذاہب وقتیہ (Timely) ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر میں اختلافِ سلف:.

عصرِ تابعینؒ تک فقہی اور کلامی مذاہب ومسالک پیدا نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی ادبی وعلمی اور علوم وفنون کی شاخیں موجود تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ وتابعینؒ کے دَور میں تفسیری اختلافات کا دائرہ نہایت محدود رہا جو آگے چل کر وسیع ہوتا گیا۔ اُس دَور میں تفسیر قرآن میں جو کچھ اختلاف منقول ہے وہ اکثر و بیشتر نزاع لفظی (لفظی تکرار) یا پھر اختلافِ تنوع (Diversity) کے قبیل (صورت) سے ہے نہ کہ تناقص وتضاد (نقص اور ضد) پر مبنی ہے۔ ہاں مگر بعض پیش کرنے والوں نے اُن کو متباین ومتضاد اقوال (Different & Contrary) خیال کیا جن میں کسی طرح کوئی موافقت ویگانگت نہیں پائی جاتی ہو۔ اُن بظاہر متخالف اقوال کو باریک بینی (Minutely) اور گہری نظر سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اِن اقوال میں کوئی فرق واختلاف سِرے سے موجود نہیں ہے۔

تفسیر میں ظاہری اختلاف کے چند اسباب ہیں جن میں !

(1) مفسرین اپنا اپنا مفہوم جداگانہ الفاظ وعبارت میں ادا کرتے ہیں۔ (2) بطورِ تمثیل ایک عام اسم کے بعض انواع (قِسم) کا ذکر کر دیا جاتا ہے اور اِس عام اسم کو عموم وخصوص کے اعتبار سے تعریف کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ (3) بعض الفاظ میں دو یا دو سے زیادہ معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ (4) بعض مفسرین کسی آیت یا لفظ کا مفہوم (Meaning) ایسے الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو باہم قرب المعنیٰ ہوں لیکن بالکل مترادف (ہم معنیٰ) نہ ہوں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ (5) ایک ہی آیت میں ایک لفظ دو یا دو سے زیادہ قراءتوں کے مطابق پڑھا جاتا ہو اور ایک مفسر ایک قراءت کے پیشِ نظر تفسیر کرتا ہو اور دوسرا مفسر دوسری قراءت کے مطابق۔ اصل میں یہ اختلاف ہی نہیں ہوتا۔

اگر بظاہر مخالف تفسیری اقوال میں جمع وتطبیق (مشترک مفہوم ومعنیٰ) کا کوئی امکان نہ ہو۔ اور بقول امام ابن تیمیہؒ کے ایسا کم ہی ہوتا ہے.....تو یہ دیکھا جائے گا کہ اختلاف کس سے منقول ہے۔ اگر متضاد اقوال ایک ہی مفسر کے ہوں اور دو مختلف سندوں (طرق) سے منقول ہوں تو سند صحیح کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور اگر صحت میں دونوں قول کا درجہ مساوی ہو تو متاخر قول کو ترجیح ہوگی۔ اور اگر متقدم (پہلا) اور متاخر (آخر) قول کا پتہ نہ چل سکے تو دیکھا جائے گا کہ کس کا سماع ثابت

ہے۔اگر سماع ثابت نہ ہوتو ایک قول کو بطریق استدلال قوی قرار دیا جاسکتا ہوتو وہ قول راجح اور مرجوع ہوگا۔اگر دونوں اقوال کے حق میں دلائل موجود ہوں تو مرادِ الٰہی پر ایمان لانا چاہیئے اور دونوں میں سے کسی ایک قول کی تعیین (ترجیح) پر زور نہیں دینا چاہیئے۔

جہاں تک اختلاف صحابہؓ کے مابین ہوتو امام زرکشیؒ کے قول کے مطابق اگر جمع وتطبیق کا کوئی امکان نہ ہوتو حضرت ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے حق میں دعا فرمائی ہے کہ ''یا اللہ اِن کو (ابن عباسؓ کو) تفسیر قرآن سکھادے۔'' (الاتقان، اصول تفسیر ابن تیمیہؒ)

12-عصرِ تدوین تفسیر قرآن

(تیسرا دَور)

سوال-43:۔عصر تدوین تفسیر قرآن کے پہلے مرحلہ میں اکابر علماء و ائمہ مفسرین کے اسماء اور اُنکی تفسیری خدمات کے متعلق مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔تفسیر نویسی کے تیسرے دَور کا آغاز عصرِ تدوینِ تفسیر سے ہوتا ہے۔اِس تیسرے دَور کو دو مرحلوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(1) پہلا مرحلہ اُموی خلافت کے اواخر (End) سے لے کر خلافتِ عباسیہ کے اوائل (Begin) تک اور

(2) دوسرا مرحلہ دَورِ خلافت عباسیہ سے شروع ہو کر عصرِ حاضر (آج تک) ایک طویل ترین دَور ہے۔

12.1-(1) عصرِ تدوین میں تفسیر قرآن کا پہلا مرحلہ:.

عصرِ صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد تفسیر کی تدوین کے پہلے مرحلہ کا آغاز اُس وقت ہوا جب تدوین حدیث کی بنیاد پڑی۔ اِس سے پہلے حدیثِ نبوی مختلف ابواب میں منقسم تھی اور اُن میں ایک باب تفسیر قرآن پر مشتمل تھا۔ایسی کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی تھی جس میں ایک ایک سورت یا آیت کی تفسیر تحریر کی گئی ہو۔

تفسیر کے تیسرے دَور کے اس پہلے مرحلہ میں علما مختلف دیار و امصار (مقامات) میں سفر کر کے حدیثیں جمع کرتے تبعاً وضمناً وہ تفسیری اقوال بھی فراہم کرتے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کی جانب منسوب تھے۔

اُن میں مندرجہ ذیل اکابر علما قابل ذکر ہیں:

سلسلہ نشان	اسماء اکابر علماء و مفسرین	سنِ وصال
1	حضرت یزید بن ھارون السلمیؒ	117ھ
2	حضرت شعبہ بن حجاجؒ	118ھ
3	حضرت وکیع بن الجرّاحؒ	197ھ
4	حضرت سفیان بن عینیہؒ	198ھ
5	حضرت رَوح بن عبادہ بصریؒ	205ھ
6	حضرت عبدالرزاق بن ھمامؒ	211ھ

7	حضرت آدم بن ابی ایاسؒ	220ھ
8	حضرت عَبد بن حُمیّدؒ	249ھ

اِن علماء محدثین نے اپنے پیش رو (پہلے کے) ائمہ تفسیر سے جو کچھ نقل کیا تھا وہ سب مجموعے افسوس کے ضائع ہوگئے۔ اس کے بعد تبع تابعین علماء نے تفسیر کو حدیث نبوی سے الگ کر کے ایک جداگانہ علم کی حیثیت دے دی۔ اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر ہر آیت کی تفسیر مرتب کی جانے لگی۔ اِن میں مذکورہ ذیل علماء نے حصہ لیا۔

سلسلہ نشان	اسماء مفسرین	سنِ وصال
1	حضرت ابن ماجہؒ	273ھ
2	حضرت ابن جریر طبریؒ	310ھ
3	حضرت ابو بکر بن منذر نیشا پوریؒ	318ھ
4	حضرت ابن ابی حاتمؒ	327ھ
5	حضرت ابو الشیخ بن حیانؒ	369ھ
6	حضرت حاکمؒ	405ھ
7	حضرت ابو بکر بن مَردَوَیہؒ	410ھ
	اور دیگر محدثین	

تفسیر کے تیسرے دَور کے اس پہلے مرحلہ میں تفسیر کا تدریجی ارتقاء (Gradation) جاری رہا۔ مثلاً ابتدائی پہلے دَور میں تفسیری اقوال صرف بطریق اخذ و روایات نقل کئے جاتے تھے۔ پھر دوسرے دَور میں تفسیر کی تدوین، ابوابِ حدیث میں سے ایک باب ہونے کے اعتبار سے کی جانے لگی۔ اب تفسیر کے تیسرے دَور کے اِس مرحلہ (Phase) میں تفسیر کی تدوین کا باضابطہ آغاز ہوگیا۔ مگر اب بھی کچھ ایسے محدثین موجود تھے جو دوسرے دَور کی راہ پر گامزن رہے۔

12.2- عصرِ تدوین میں تفسیر کا دوسرا مرحلہ:.

12.3- تعارف مفسرین عصرِ تدوین تفسیر:.

سوال-44 :. حضرت وکیع بن الجراح علیہ الرحمۃ کی تفسیری خدمات کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب :۔ حضرت وکیع بن الجراح علیہ الرحمۃ (127-197) ھجری آپؒ کا اسم ونسب: حضرت وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی اور کنیت ابوسفیان ہے۔ آپؒ 'اتباع تابعین میں عظیم حافظِ حدیث اور محدثِ کبیر اور اہلِ کوفہ (عراق) کے

امام رہے ہیں۔آپؒ نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے کسبِ فیض فرمایا!

1- حضرت اعمشؒ 2- حضرت ھشام بن عروہؒ 3- حضرت عبداللہ بن عونؒ 4- حضرت حنظلہ بن ابی سفیانؒ
5- حضرت ابن جریجؒ 6- حضرت شریک بن عبداللہ 7- حضرت اوزاعیؒ 8- حضرت سفیان ثوریؒ
9- حضرت سفیان بن عیینہؒ۔تمام علماءآپؒ کی امانت وجلالت، کثرتِ حفظ وعلم اور صلاح وتقویٰ کے بارے میں متفق اللسان (یک زبان) ہیں۔چنانچہ حضرت ابن معینؒ محدث فرماتے ہیں''حضرت وکیع بن الجراحؒ کے سوامیں نے کسی کو رضائے الٰہی کے لئے حدیثیں روایت کرتے نہیں دیکھا' آپؒ مجھے حضرت سفیانؒ، حضرت ابن مہدیؒ اور حضرت ابونعیمؒ سے بھی عزیز تر ہیں، میں نے آپؒ سے بڑھ کر حافظِ حدیث نہیں پایا۔آپؒ اپنے زمانے میں ایسے ہیں جیسے اپنے عصر و عہد میں حضرت امام اوزاعیؒ تھے''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ آپؒ سے روایت فرماتے تو کہتے''یہ حدیث مجھے حضرت وکیعؒ نے سنائی۔میری آنکھوں نے ایسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔آپؒ کو حدیثیں اچھی طرح یاد ہیں اور اُس کے ساتھ ساتھ آپؒ فقہ میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔آپؒ نہایت متقی اور صاحبِ اجتہاد ہیں''۔

آپؒ کا سنِ ولادت 127ھ اور سنِ وصال 197ھ ہے۔

سوال-45:۔حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ (198-107) ہجری:۔حضرت سفیان بن عیینہ بن عمرانؒ کی کنیت ابو محمد اور نسبت کوفی' مکی اور بلالی ہے۔آپؒ تبع تابعین میں سے ہیں۔آپؒ کا سنِ ولادت 107ھ ہے۔

آپؒ کے اوصاف ومحامد لاتعداد مشہور ہیں۔آپؒ نے مندرج ذیل اساتذہ سے کسبِ فیض فرمایا!

1- حضرت زہریؒ 2- حضرت عمرو بن دینارؒ 3- حضرت شعبیؒ 4- حضرت عبداللہ بن دینارؒ
5- حضرت محمد بن المنکدرؒ اور بے شمار تابعینؒ ہیں جن سے حدیث کا درس لیا۔

آپؒ کے تلامذہ میں قابلِ ذکر اسماء!

1- حضرت اعمشؒ 2- حضرت ثوریؒ 3- حضرت ابن جریجؒ 4- حضرت شعبہؒ 5- حضرت ہمامؒ

6- حضرت وکیعؒ 7- حضرت عبداللہ بن مبارکؒ 8- حضرت ابن مہدیؒ 9- حضرت قطانؒ
10- حضرت امام شافعیؒ 11- حضرت امام احمد بن حنبلؒ 12- حضرت ابن المدنیؒ

13- حضرت ابن معینؒ 14- حضرت ابن راہویہؒ 15- حضرت حمیدؒ اور دیگر علمائے حدیث وفقہ ہیں۔
آپؒ کی امامت، جلالت اور مہارتِ حدیث و فقہ کا سب علماء اعتراف کرتے ہیں۔
حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ''میں نے حضرت سفیان بن عینیہؒ سے کم فتویٰ دینے والا اور اُن سے بڑھ کر حدیث نبوی کی شرح و توضیح (Elucidation) کرنے والا نہیں دیکھا''۔ آپؒ کا سنِ وصال 198 ھ ہے۔

سوال-46 :۔حضرت شعبہ بن الحجاج علیہ الرحمۃ کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔حضرت شعبہ بن الحجاج علیہ الرحمۃ متوفی 160 ھ:۔ آپؒ کا اسم ونسب شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی الازدی الواسطی ثمّ البصری اور کنیت ابو بسطام ہے۔ آپؒ مقام ''واسطہ'' کے رہنے والے تھے پھر بصرہ (عراق) میں اقامت گزیں ہوگئے۔ حضرت شعبہؒ اتباع تابعین میں سے عظیم محدث ومحقق اور جلیل القدر امام رہے ہیں۔ آپؒ کے شیوخ میں 1- حضرت انس بن سیرینؒ 2- حضرت عمرو بن دینارؒ 3- حضرت شعبیؒ اور کثیر تابعینؒ ہیں جن سے آپؒ نے حدیثِ نبوی کا درس لیا۔
آپؒ کے تلامذہ میں 1- حضرت اعمشؒ 2- حضرت ایوب سختیانیؒ 3- حضرت محمد بن اسحاقؒ
4- حضرت ثوریؒ 5- حضرت ابن مہدیؒ 6- حضرت وکیعؒ 7- حضرت ابن مبارکؒ
8- حضرت یحییٰ القطانؒ اور دیگر اکابر ائمہ شامل ہیں۔
علم حدیث میں آپؒ کی امانت وجلالت، عرق ریزی (محنت) اور احتیاط واتقان (تقویٰ) پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔
حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ''اگر شعبہؒ نہ ہوتے تو عراق کے لوگ علم حدیث سے بے گانہ رہتے''۔
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ''حضرت شعبہؒ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں''۔ حضرت صالح بن محمدؒ فرماتے ہیں، ''راویوں پر نقد وجرح سب سے پہلے حضرت شعبہؒ نے کی پھر حضرت یحییٰ القطانؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت ابن معینؒ اُن کے نقش قدم پر چلنے لگے''۔
حضرت عبد الصمدؒ کا قول ہے کہ ''حضرت شعبہؒ نے حضرت ابن عمرؓ کے پچاس (50) سے زائد تلامذہ سے مل کر کسب فیض کیا''۔ آپؒ کا بعمر ستتر (77) برس 160 ھ میں بصرہ میں وصال ہوا۔

سوال-47:۔**حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ** کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ: (277-209 ھ) آپؒ کا اسم محمد بن عبد اللہ بن ماجہ قزوینی اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔
آپؒ کا سنِ ولادت 209 ھ ہے۔ آپؒ نے تحصیل حدیث نبوی کی اور اس کی کتابت کی خاطر بلاد (شہر) ری، بصرہ، کوفہ،

بغداد، شام، مصر اور حجاز (مکہ، مدینہ) کا سفر کیا اور وہاں کے ائمہ حدیث سے درس لیا۔ مثلاً حضرت ابو بکر بن ابی شیبہؒ، اصحاب مالکؒ اور حضرت لیثؒ اور دیگر ائمہ کرام۔

آپؒ کے تلامذہ میں حضرت ابن سیبویہؒ، حضرت محمد بن عیسیٰؒ، حضرت اسحاق بن محمدؒ، حضرت علی بن ابراہیم بن سلمہ القطانؒ اور حافظ ابن کثیرؒ دیگر علماء شامل ہیں۔

آپؒ نے سنن ابن ماجہ (کتابِ حدیث) کے علاوہ ایک تفسیر قُرآن لکھی۔ آپؒ ایک جید عالم ہیں اور متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔

تمام علمائے علمِ حدیث آپؒ کی امامت وجلالت کے بارے میں متفق ہیں۔ محدث حاکمؒ نے آپؒ کو فقہائے الحدیث میں شمار کیا ہے۔ آپؒ کا وصال 277 ھ میں ہوا۔

سوال:48:۔ **امام محمد بن جریر طبری علیہ الرحمۃ** کی شخصیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔ امام محمد بن جریر طبری علیہ الرحمۃ (310-244) ھ:۔ آپؒ کا اسم ونسب ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب طبری ہے۔ آپؒ کا سنِ ولادت 244 ھ ہے۔ آپؒ بغداد میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور وہیں آپؒ کا وصال ہوا۔ آپؒ کو امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کے طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

امام محمد بن جریر طبریؒ نے حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام مسلمؒ اور دیگر محدثین سے کسب فیض فرمایا۔ آپؒ کے تلامذہ میں حضرت احمد بن حنبلؒ، حضرت محمد بن عبداللہ شافعیؒ اور حضرت مخلد بن جعفرؒ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ حضرت ابن جریر طبریؒ کو اکابر ائمہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپؒ کتاب اللہ کے حافظ، ماہرِ قراءت اور قرآن کے معانی ومطالب کے رازداں، عظیم فقیہ، طرقِ حدیث سے آگہ، احادیثِ صحیحہ وسقیمہ اور ناسخ ومنسوخ سے باخبر، اقوالِ صحابہؓ وتابعینؒ سے آشنا اور زبردست مورخ گزرے ہیں۔

آپؒ کی تصانیف میں "**تاریخ الامم والملوک**" اور تفسیر قرآن بہت مشہور ہیں۔ حضرت ابو حامد الاسفرائینیؒ "تفسیر ابن جریرؒ" کے بارے میں فرماتے ہیں، "اگر کوئی شخص تفسیر ابن جریر حاصل کرنے کے لئے چین تک بھی سفر کرے تو یہ کچھ زیادہ سفر نہیں"۔

بقول حضرت ابن کثیرؒ کہ حضرت طبریؒ نے ایک اور کتاب مرتب فرمائی جس میں "حدیث الطیر" کی تمام اسانید یکجا کر دی ہیں۔ آپؒ کا سنِ وصال 310 ھ ہے۔

سوال-49:۔ حضرت امام حاکم علیہ الرحمۃ اور **حضرت ابن مردویہ علیہ الرحمۃ** کی شخصیت کے

بارے میں مختصر تذکرہ کرو:

جواب:۔ حضرت امام حاکم علیہ الرحمۃ (312-403)ھ:۔آپؒ کا اسم امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری ہے۔آپؒ ابن البیعؒ کے نام سے مشہور ہیں۔آپؒ ''المستدرک'' (کتاب حدیث) کے مصنف ہیں۔آپؒ نے علم حدیث پر متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔آپؒ کا سنِ ولادت 312 ھ ہے۔طلب حدیث کے سلسلہ میں آپؒ نے عراق وحجاز (مکہ مدینہ) کا طویل سفر کیا۔حفاظ وشیوخ سے مذاکرے و مناظرے کئے۔سن 359ھ میں آپؒ نیشاپور کے قاضی مقرر کئے گئے۔آپؒ نے سن 403ھ میں نیشاپور میں وصال فرمایا۔

حضرت ابن مردویہ علیہ الرحمۃ متوفی416ھ:۔ آپؒ کا اسم ابوبکر احمد بن موسیٰ اصبہانیؒ ہے۔آپؒ تفسیر قرآن اور تاریخ کے مصنف ہونے کے علاوہ جلیل القدر حافظ ہیں۔آپؒ کا سنِ وصال 24 رمضان 416ھ ہے۔

12.4:۔ عصرِ تدوین کا تیسرا مرحلہ:۔

سوال-50:عصر تدوین تفسیر کے دوسرے مرحلہ میں نقلی تفسیر کے ساتھ ساتھ عقلی تفسیر کا بتدریج ارتقاء کے متعلق واضح تبصرہ کرو؟

جواب:۔تفسیر نویسی کے تیسرے دَور کے دوسرے مرحلہ (2nd Phase) کے آغاز میں یعنی خلافتِ عباسیہ کے وسط میں بھی تفسیر بالماثور کے دائرے سے باہر نہ نکل سکی۔صرف فرق اتنا ہوا کہ روایت بالاسناد کی قید نہ رہی۔اب تفسیر میں بکثرت تصانیف منظر عام پر آنے لگیں۔جو تفسیری اقوال مفسرین سلف سے منقول تھے اُن کی جانب منسوب کئے بغیر اُن کی نقل و روایت کیا جانے لگا۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیر میں وضع و اختراع (Innovation Fabrication) کا عمل دخل شروع ہوا۔

تفسیر قرآن کا یہ طویل تدوین کا تاریخی دَور خلافتِ عباسیہ سے شروع ہوکر عصر حاضر تک پھیلا ہوا ہے۔قبل ازیں تفسیر کا انحصار منقول روایت پر تھا۔لیکن اِس دَور میں عقل ونقل میں باہم آمیزش واختلاط (Adultevation) کا آغاز ہوا۔مگر یہ رفتہ رفتہ ہوا۔

عقلی تفسیر قرآن میں تدریج:.

عقلی تفسیر (تفسیر بالرائے) کا آغاز پہلے پہل انفرادی فہم وادراک (Perception) سے ہوا اور اس کی روشنی میں بعض اقوال کو بعض کے مقابلہ میں ترجیح دی جانے لگی۔اِس طرز تفسیر کو پسند بھی کیا جانے لگا بشرطیکہ عقلی پہلو کا انحصار (Base) عربی لغت اور قرآنی کلمات کے معنی ومفہوم پر ہو۔آگے چل کر مختلف قسم کے علوم ومعارف اور متضاد افکار (عقائد) وآراء کے زیر اثر اس کے دائرہ میں وسعت آتی گئی۔پھر اُس دورِ تدوین میں صَرف ونَحو

اور عربی لغت سے متعلق علوم مدوّن ہوئے۔ فقہی مذاہب و مسالک ظہور پذیر ہوئے۔ کلامی مسائل (علمی و عقائدی مسائل) اٹھ کھڑے ہوئے۔ عباسی خلافت میں گروہی تعصب (Sectarial Prejudice) انتہا کو پہنچ گیا۔ مختلف فرقے اپنے مخصوص افکار و عقائد کی دعوت دینے لگے۔ فلسفہ سے متعلق کتب کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ سب علوم اور اُن کے متعلقات تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے اور نتیجتاً نقلی پہلو اقوال تفسیر میں مغلوب اور عقلی پہلو بالرائے غالب ہو گیا۔

علمِ تفسیر کا یہ ارتقائی عمل تدریجی طور پر جاری رہا۔ تفسیر کے سلسلہ میں علمی اصطلاحات وضع ہوئیں اور قرآنی عبارتوں سے مذہبی عقائد کو ثابت کیا جانے لگا۔ تفسیر قرآن کے ذریعہ مسلمانوں کے سامنے فلسفیانہ، تہذیب و ثقافت (Cultural etiquette) کے آثار کا مظاہرہ ہونے لگا۔ صوفیانہ و عارفانہ نظریات بھی اُن میں شامل ہو گئے۔ یہاں تک کے بعض باطل مذاہب کے گمراہانہ عقائد نے بھی تفسیر کتب میں جگہ پا گئی۔ بہرحال جو شخص بھی کسی علم و فن میں کمال رکھتا تھا اس کی تفسیر اُسی علم تک محدود رہ گئی۔ چنانچہ علم و نحو (عربی گرامر) میں مہارت رکھنے والے مفسرین بڑی تفصیل سے نحو (Arabic Grammar) کے مسائل و فروع اور خلافیات کا ذکر کرتے مثلاً مفسّر زجّاجؒ کی تفسیر یا مفسّر واحدیؒ کی تفسیر **البسط**، اور حضرت ابوحیانؒ کی تفسیر **البحر المسیط**۔

اس طرح علوم عقلیہ میں بصیرت رکھنے والے مفسّرین نے اپنی کتب تفسیر کو علماء و فلاسفہ کے اقوال سے بھر دیا مثلاً امام فخر الدین رازیؒ کی ''مفاتیح الغیب۔'' جن فقہا نے تفسیریں تحریر کیں وہ صرف فقہی فروعات کے دلائل ذکر کرنے تک محدود ہے مثلاً جصاصؒ اور قرطبیؒ۔ اسی طرح مورخین (Historians) نے تفاسیر کو صحیح و سقیم واقعات و اخبار سے بھر دیا مثلاً ثعلبیؒ اور خازنؒ۔ یہاں تک کہ اصحاب بدعت نے اپنی تفاسیر میں کلام الٰہی کی تاویلاتِ بے جا کر کے اُن کو اپنے باطل عقائد و افکار کو ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی مثلاً معتزلہ فرقے میں ربّانی جبّائی، قاضی عبدالجبار اور زمخشری اور شیعہ اثنا عشریہ میں سے طبرسی اور ملا محسن کاشی وغیرہ۔

صوفیہ کرام نے ترغیب و ترطیب (Incitement) یعنی اخلاق حمیدہ کے نصب العین کے تحت قرآنی آیات سے ایسے اشارات کا اِستخراج (اخذ) کیا جو اُن کے مسلک و مشرب، وجدان و ریاضت سے میل کھاتے ہیں۔

ان صوفیاء کرام میں حضرت ابن عربیؒ اور حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ عقلی تفسیر کی شدّت کے باوجود، با وصف نقلی تفسیر بالکلیہ طور سے محو نہ ہو پائی۔ قرون و عصور (متقدمین اور متاخرین)، میں ایسے علماء موجود تھے جنہوں نے خالص نقلی انداز میں صحیح و سقیم میں امتیاز کئے بغیر قرآن کی تفسیر لکھی۔ مثلاً امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تصنیف ''**الدر المنثور**''۔

13- تفسیر بالماثور

(منقول تفسیر)

سوال-51:۔تفسیر منقول یا تفسیر بالماثور سے کیا مراد ہے؟ اِس تفسیر کے ارتقاء اور اسبابِ ضعف کے بارے میں واضح بیان کرو۔

تعریف:۔

جواب:۔ تفسیر جس میں قرآنی آیات کا معنیٰ ومفہوم اگر قرآن کریم ہی کی کسی آیت سے واضح ہوتا ہو یا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیز صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال و آثار (افعال) سے اس پر روشنی پڑتی ہو تو ایسی تفسیرِ قرآن کو ''تفسیر بالماثور'' (منقول تفسیر) کہتے ہیں۔

13.1-تفسیرِ بالماثور کا ارتقاء(Development):.

تفسیر بالماثور کا تدریجی ارتقاء(Development) دورِ روایت اور عصر تابعین میں جاری رہا۔ دورِ روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی مشکل آیات کی وضاحت فرمادیا کرتے تھے۔ پھر صحابہؓ باہم اس کو ایک دوسرے سے نقل وروایت کرتے اور آگے تابعین تک پہنچاتے۔ صحابہ کرام احادیثِ صحیحہ کے پیشِ نظر تفسیر قرآن کے سلسلہ میں گفتگو کرتے مگر اپنی رائے واجتہاد سے بہت کم کام لیا کرتے۔ صحابہ کرام خوب جانتے تھے کہ تفسیر قرآن کے معنیٰ اِس امر کی شہادت ہے کہ خداوند کریم نے فلاں لفظ سے یہ مفہوم مراد لیا ہے۔ یہ اُن کی بلند ذہنی وعقلی مقام پر دلالت کرتا ہے۔ آگے چل کر تابعینؒ نے تفسیر قرآن کے تعلق سے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر احادیث مل سکیں اُن کو جمع کیا اور اقوال صحابہؓ کو یکجا کرکے، اپنی رائے اجتہاد کا اُسی قدر اضافہ کیا جس قدر قرآن کریم میں غموض وخفاء پیدا ہو چکا تھا یعنی عہدِ رسالت سے دُوری کی وجہ سے قرآنی آیات کے معانی ومطالب لوگوں سے مخفی یا اُن کی نگاہوں سے اُوجھل ہوتے جارہے تھے، اسکے ازالہ کے لئے مساعی جمیلہ انجام دیں۔ پھر اتباع تابعینؒ نے تابعینؒ کے اقوال وآثار کے اخذ ونقل کا اہتمام کیا۔ اس طرح اگلے تاریخی ادوار میں یہ تفسیری سرمایہ بڑھتا چلا گیا اور ہر پچھلا طبقہ اپنے سابقین کے اقوال وآثار کو روایت کرتا رہا۔

پھر عصرِ تدوین (زمانہ ترتیب وکتابت) کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تفسیر بالماثور مدوّن (مرتّب وشائع) ہوئی اور اس کا ارتقاء تدریجاً ہوا۔

آگے چل کر علم تفسیر قرآن حدیث نبوی سے الگ ہوگیا اور اس کو جداگانہ تالیف کا موضوع قرار پایا۔ اس سلسلہ میں

اوّلین رسالہ غالباً حضرت علی بن ابوطلحہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا۔ پھر چند اجزاء (کتب) خصوصی طور سے علم تفسیر میں مرتب ہوتے گئے۔ پھر تفسیر قرآن کی ضخیم وعظیم کتب منظر عام پر آئیں جنہوں نے سابقہ تمام تفسیری ذخیرہ کو اپنے میں سمولیا۔ مثلاً حضرت ابن جریر طبریؒ جنہوں نے اسناد کے اہتمام کرنے کے باوجود نقل وروایت میں مبالغہ آمیزی (Exaggeration) سے کام لیا۔ بعدازاں ایسے مفسّرین آئے جنہوں نے تفسیر بالماثورہ کو مدوّن کیا مگر اسانید کو حذف (Avoid) کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کتب تفسیر کے متعلق یہ خیال کیا جانے لگا کہ مبادا (کہیں) اُن میں مندرج اقوال موضوع (Fabricated) ہوں۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ صرف تفسیر بالماثورہ (نقلی) پر انحصار کئے بغیر رفتہ رفتہ تفسیر بالرائے (عقلی) کا چرچہ ہونے لگا۔

13.2-اسبابِ ضعف تفسیر بالماثور (Shortcoming):.

اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تفسیر بالماثور کی نقل وروایت میں ضعف کے اسباب تین تھے۔

1- موضوع روایات کا درج کرنا۔ (Adultration of Fabricated narrations)

2- اسرائیلیات کی آمیزش۔ (اہلِ کتاب کے واقعات کی بھرمار)

3- حذفِ اسانید۔ (Elimination of Authentication)

تفسیری روایات کو ناقابل اعتماد بنانے میں اسلام دشمن بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور اصحابِ بدعت جنہوں نے سیاسی اختلاف کی بناء پر سر نکالا تھا بہت حد تک ان مذکورہ اسباب کو مؤثر ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی۔

13.3- تفسیر بالماثور کے صدر اقسام (Basic rules of Tafseer):.

سوال:52:۔ تفسیر بالماثور کے صدر اقسام کے متعلق مختصر تبصرہ کرو؟

جواب:۔ تفسیر بالماثور کے تین اقسام ہیں۔

1- تفسیر قرآن بالقرآن۔

2- تفسیر قرآن بالحدیث۔

3- تفسیر القرآن باقوالِ صحابہ وتابعین۔

مذکورہ اقسام میں پہلی دو اقسام کی تفسیر بلاشبہ و نزاع واجب القبول ہیں، اس لئے کہ یہ شک و ضعف سے بالا (قابلِ اعتماد) ہے۔ باقی رہی تیسری قسم ان میں وہ احادیث جن کے متن و سند میں ضعف وخلل پایا جاتا ہو تو قابلِ اعتماد نہیں۔ جہاں تک صحابہ و تابعین کے اقوال کا تعلق ہے اُن میں حد درجہ

(Hindrance) ضعف پیدا ہو گیا تھا کہ اُن پر اعتماد ممکن نہ رہتا۔ مگر ہوا یہ کہ ایسے نقادِ حدیث پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی جانفشانی و کاوش سے صحیح وسقیم (صحیح وضعیف) اقوال کو الگ کر دیا اور اقوال صحیحہ کا اس قدر ذخیرہ جمع کر دیا جو کسی طرح بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ تاہم بعض کتب تفسیر ایسی بھی ہیں جن میں ہر قسم کے اقوال صحیحہ وسقیمہ موجود ہیں۔

اعدائے اسلام کی مذموم مساعی (نیچی اور گھٹیا کوشش) سے تفسیری اقوال کے صحیح وسقیم روایات کے اختلاط و امتزاج (گھل مل جانے) کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ جو مفسرین دونوں روایات کی امتیاز کی صلاحیت سے محروم تھے وہ اُن کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنے اور دونوں کو صحیح قرار دینے لگے۔ بسا اوقات اُن کو ایک ہی مفسّر سے منقول و متناقض (Incompatible) روایات مل جاتیں اور اس مفسّر کو متناقض کا مرتکب قرار دیتا ہے اور اہل اسلام پر یہ طعن توڑتا (الزام لگانا) ہے کہ وہ متناقض روایت کو بھی قبول کر لیتے ہیں مثلاً دشمنِ اسلام گولڈ زیہر کے بیجا اعتراضات اور بہتان جو تفسیر بالماثور کے تعلق سے اُس نے کئے ہیں۔

14- مشہور کتبِ تفسیر بالماثور اور اُن کی خصوصیات

سوال:53-: مشہور و اول کتبِ تفسیر اور اُن کے مولفین (مفسرین) کے اسماء بیان کرو؟

جواب:۔ تفسیر بالماثور کے سلسلہ میں یہ بات واضح ہے کہ اُن میں سے اکثر کتب موجود نہیں، گردشِ زمانہ کی نظر ہوگئیں۔ جو بھی تفاسیر موجود ہیں اُن میں سے آٹھ (8) مشہور و اول کتبِ تفسیر اور اُن کے مولفین (اہلِ سنت) کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں!

تفسیر قرآن	مولف (مفسرِ قرآن)	سنِ وصال
1- جامع البیان فی تفسیر القرآن	حضرت ابن جریر طبریؒ	310ھ
2- بحرالعلوم (تفسیر ابواللیث سمرقندی)	حضرت ابو اللیث سمرقندیؒ	375ھ
3- الکشف والبیان عن تفسیر القرآن	حضرت ابو اسحٰق ثعلبیؒ	427ھ
4- معالم التنزیل	حضرت ابو محمد حسین بغویؒ	510ھ
5- المحرّز الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	حضرت ابن عطیّہ اندلسیؒ	546ھ
6- تفسیر القرآن العظیم	حضرت ابن کثیرؒ	774ھ
7- الجوھر الحسان فی تفسیر قرآن	حضرت عبد الرحمٰن ثعلبیؒ	876ھ
8- الدرُّ المنثور فی تفسیر الماثور	حضرت جلال الدین سیوطیؒ	911ھ

یہ ہیں وہ کتبِ تفسیر بالماثور جن کو تبصرہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے اِن میں تفسیر ''الدر المنثور'' تنہا ایسی کتاب ہے جس میں صرف تفسیری اقوال و آثار کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا اور ذاتی رائے کو جگہ نہیں گئی۔ دیگر تمام کتب میں ذاتی افکار و آراء کو بھی شامل کر دیا گیا۔ اُن کو تفسیر بالماثور کے دائرے میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں ذاتی رائے کی حیثیت ثانوی (Secondary) ہے۔ اکثر اقوال و آثار پر انحصار و اعتماد کیا گیا ہے۔ اِن کتب پر بحث کو کافی سمجھا گیا اور خوفِ طوالت کے پیشِ نظر تفسیر بالماثور پر مشتمل اور بھی دوسرے کتب کو تبصرہ و بحث کے لئے شامل نہیں کیا گیا۔

14.1- جَامعُ الَبیان فی تفسیر القرآن از حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ:۔

سوال:54:- مفسرِ قرآن حضرت ابن جریر طبری علیہ الرحمۃ کا مختصراً تعارف اور تذکرہ کرو؟

جواب:۔**حضرت ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ**: آپؒ کا اسم محمد بن جریر بن یزید طبریؒ اور کنیت ابو جعفر ہے۔آپؒ عظیم وجلیل القدر مجتہدِ مطلق (Absolute Jurist) اور صاحبِ تفسیر و تصانیف تھے۔آپؒ کا مقامِ ولادت طبرستان ہے جہاں آپؒ 224ھ میں پیدا ہوئے۔بارہ سال کی عمر سے ہی آپؒ نے طلبِ علم میں سرزمین مصر و شام اور عراق میں بکثرت سفر کیا اور بالآخر بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہیں سن 310 ھ میں آپؒ کا وصال ہوا۔آپؒ تبع تابعین میں سے ہیں۔آپؒ کے علم وفضل اور عدالت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں!

''ابن جریرؒ علم وفضل میں یکتائے روزگار (Eminent) تھے۔آپؒ قرآنِ کریم کے حافظ ومفسر، احکامِ قرآن کے ماہر، عظیم محدث، صحیح وسقیم (صحیح وغلط) اور ناسخ ومنسوخ سے آگاہ، صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال وآثار سے آشنا (واقف) تھے۔مسائلِ حرام و حلال سے واقف اور تاریخی اخبار و واقعات کے زبردست عالم تھے''۔

آپؒ کی قابلِ ذکر تصانیف میں **1- تفسیر قرآن 2- تاریخ الامم والملوک 3-کتاب القراءت 4- کتاب العدد و التنزیل 5- اختلاف العلماء و تاریخ الرجال 6- احکام شریعۃ الاسلام 7-التبصرہ فی اصول الدین** شامل ہیں۔جبکہ یہ کتب بھی عرصہ ہوا ناپید ہوچکی ہیں۔البتہ آپؒ کی تفسیرِ قرآن اور تاریخ موجود ہے۔ان دونوں کتب کی بلند پایہ علمی سطح کے پیشِ نظر حضرت ابن جریرؒ کو علمِ تفسیر و تاریخ دونوں کا بانی قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابن خلکانؒ فرماتے ہیں،''ابن جریرؒ ائمہ مجتہدین میں سے تھے اور کسی کے مقلد (پیرو) نہ تھے''۔آپؒ ایک معروف فقہی مسلک رکھتے تھے۔اُن کے معتقدین کو''جریریہ'' کہا جاتا ہے۔مگر یہ مسلک دیگر فقہی مسالک کی طرح عصرِ حاضر (آج) تک زندہ نہ رہ سکا۔درجہ اجتہاد پر فائز ہونے سے پہلے (قبل) حضرت ابن جریرؒ امام شافعیؒ کے وابستہ دامن رہے۔چنانچہ امام سُبکیؒ نے اپنی کتاب طبقات الکبریٰ میں حضرت ابن جریرؒ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ ''میں نے بغداد میں فقہ شافعی کا اعلان کیا اور اُس کے مطابق دس سال تک بغداد میں فتویٰ دیتا رہا''۔

حضرت ابن جریرؒ راست گفتار اور ثقہ (Trustworthy) تھے مگر آپؒ میں کسی حد تک تشیّع (شیعہ رجحان) پایا جاتا ہے جو چنداں ضرر رساں (نقصان دہ) نہیں ہے۔ (وفیات الاعیان. طبقات الکبریٰ ابن سُبکیؒ)

تفسیر ابن جریر (تعارف):۔ تفسیر ابن جریر کی وقعت واہمیت پر تمام علماء متفق ہیں۔گویا تفسیر ابن جریر تفسیرِ قرآن

کا ایسا عظیم ماخذ (Source) ہے جس سے کوئی مفسر بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں!

''تفسیر ابن جریر (**جامع البیان فی تفسیر القرآن**) جملہ کُتبِ تفسیر سے اعظم وافضل ہے۔ اس میں تفسیری اقوال کی توجیہ و ترجیح، کلمات کی نحوی حالت اور استنباطِ مسائل سے تعرض (احتراز) کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ تفسیر سابقہ کُتبِ تفسیر پر فوقیت رکھتی ہے''۔ (الاتقان ج 2 ص 190)

حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں!

''اس بات (امر) پر پوری اُمت کا اجماع (Consensus) منعقد ہو چکا ہے کہ تفسیر ابن جریر جیسی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی''۔

شیخ الاسلام حضرت ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں!

''لوگوں میں جو کُتب تفسیر متداول (دستیاب) ہیں، تفسیر ابن جریر ان سب میں صحیح تر ہے۔ اس میں علمائے سلف (صحابہؓ و تابعینؒ) کے اقوال صحیح سند کے ساتھ مذکور ہیں''۔ (فتاویٰ ابن تیمیہؒ)

خلاصہ یہ کہ تفسیر ابن جریر کو سبقت زمانی حاصل ہے اس لئے کہ یہ اوّلین تفسیر ہے جو ہم تک پہنچ سکی۔ اس سے قبل تفسیر کے سلسلہ میں جو کوششیں کی گئیں وہ گردشِ ایام کی نذر ہوگئیں اور اُن میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا ماسوا اُن اقوال کے جن کو حضرت ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں سمولیا۔ جہاں تک فنّی برتری کا تعلق ہے مفسرین کے یہاں یہ تفسیر (ابن جریر) ایک مرجع و ماخذ (Reference) کی حیثیت رکھتی ہے۔

تفسیر ابن جریر (جامع البیان فی تفسیر القرآن) کی خصوصیات:.

سوال:55:۔ تفسیر ابن جریر کی خصوصیات اور اس کی مرکزی اہمیت کو واضح کرو؟

جواب-1:۔ تفسیر ابن جریر کا اسلوب (Style) نہایت عمدہ ہے۔ حضرت ابن جریرؒ صرف تفسیری اقوال نقل ہی نہیں کرتے بلکہ اُن کی توجیہ (سبب وعلت) بتایا کرتے ہیں اور ایک کو دوسرے قول کے مقابل میں ترجیح دیتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ جہاں ضرورت کا تقاضہ ہوتا ہے وہاں نحوی (Grammatically) بحث بھی کرتے ہیں۔ اگر آیت سے کوئی مسئلہ مستنبط (Derived) ہوتا ہو تو آپؒ استنباط بھی کرتے ہیں۔

2- حضرت ابن جریرؒ آزاد خیال مفسرین کی پُر زُور تردید کرتے اور اقوالِ صحابہؓ و تابعینؒ سے استفادہ کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ آپؒ نے اگرچہ اپنی تفسیر میں روایات کو مع اسناد ذکر کرنے کا التزام کیا ہے، اور اکثر اسناد کی جانچ پڑتال نہیں فرماتے مگر ہاں! آپؒ گاہے (کبھی) ایک اچھے ناقد (Critic) کی حیثیت سے اسناد پر نقد و

تبصرہ کرکے ناقابل اعتماد روایت کو رَدّ کردیتے ہیں۔

3- حضرت ابن جریرؒ مختلف قراءتیں ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اُن کے معانی ومطالب پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ جو قراءت معتبر نہ ہو اور اُس کے اختیار کرنے سے کتاب اللہ کا مفہوم بدل جاتا ہو تو حضرت ابن جریرؒ اس کو رَدّ کردیتے ہیں۔

4- حضرت ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں بکثرت اسرائیلی روایات ذکر کرتے ہیں مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ آپؒ نے ہر روایت کی سند ذکر کردی ہے۔ اگرچہ حضرت ابن جریرؒ ایسی روایات پر نقد وتبصرہ بھی کرتے ہیں تاہم آپؒ کی تفسیر ایک جامع اور ہمہ گیر تنقید وتبصرہ کی محتاج ہے۔

5- حضرت ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر بالماثور کے ساتھ ساتھ لغت (کلام عرب) سے بھی استشہاد (دلیل پیش) کرتے ہیں اور ایک مفہوم کو دوسرے کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح آپؒ جاہلی عرب اشعار سے بھی احتجاج واستشہاد کرتے ہیں۔

6- حضرت ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں صَرفی ونحوی مسائل (Grammatical Issues) سے متعلق کوفی اور بصری نحویوں کے بے شمار اقوال ذکر کئے ہیں۔ اِن لغوی و نحوی مباحث نے کتاب کی شہرت میں معتدبہ (بکثرت) اضافہ کردیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابن جریرؒ ایک جیّد عالمِ دین اور مورّخ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست ادیب ونقّاد بھی ہیں۔

7- حضرت ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں علماء وفقہا کے مذاہب ومسالک کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ پھر خلاصہ کے طور پر اپنی رائے ذکر کردیتے ہیں اور اس کی تائید میں علمی دلائل پیش کردیتے ہیں۔

8- اِس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تفسیر ابن جریر میں آپؒ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علمِ کلام (عقائد) کے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آپؒ نے اصولِ عقائد میں تطبیق (Comparison) کرتے ہوئے بعض کلامی نظریات کی تردید بھی کی ہے۔ اِسے آپؒ کا کمالِ فن ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال کلامی جدلیات (عقائد) ہوں یا تطبیق ومناقشات (موازنہ کرنا اور اثر وتاثیر) آپؒ نے کسی صورت میں بھی اہلِ سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپؒ نے جابجا فرقہ قدریہ (تقدیر کے منکر) اور فرقہ معتزلہ کے عقائد وافکار کی تردید کی ہے اس طرح حضرت ابن جریرؒ سلف (صحابہؓ وتابعینؒ) کے اُس عقیدہ کے ساتھ اظہارِ اتفاق کرتے ہیں کہ آیات

صفاتِ الٰہی کو اُن کے ظاہر پر محمول (منسوب Attribute) کیا جائے مگر اِس کے ساتھ ساتھ تشبیہ و تجسیم (Incarnation and simile) کے عقیدہ کی مخالفت کرتے اور اُن لوگوں کی سخت تردید کرتے ہیں جو ذاتِ خداوندی کو انسانوں کے مماثل قرار دیتے ہیں اور زنادقہ اور الحاد (Heresy) میں مبتلا ہیں۔ الغرض حضرت ابن جریرؒ کے عصرِ عہد میں جن کلامی (عقائدی) مسائل میں نزاع بپا ہوا تھا اُس میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے مخالفین کے افکار وعقائد کے برعکس اہلِ سنت کے معتقدات کا تحفظ کیا ہے۔

9- تفسیر ابن جریر ایک عظیم کتاب ہے جس کی مدح وتوصیف (Praise) میں علامہ داؤدیؒ اپنی تاریخ میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن احمد فرغانیؒ سے نقل کرتے ہیں!

''ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں قرآن کریم کے احکام ناسخ ومنسوخ، مشکل وغریب، نحوی مسائل، قِصص واخبار اور عجیب وغریب اسرار ونکات بیان کئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ تفسیر ابن جریر کی مدد سے دس کتب مرتب کرے گا جس میں سے ہر ایک جداگانہ علم وفن سے متعلق ہوگی تو وہ ایسا کرسکتا ہے''۔

(طبقات المفسرین داؤدی)

10- تفسیر ابن جریر دس ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔ حضرت ابن جریر طبریؒ نے یہ کتاب سات (7) سالوں میں اپنے تلامذہ (شاگردوں) کو املاء (Dictation) کرائی۔ حضرت ابوبکر بن بابویہؒ کے قول کے مطابق یہ 283ھ ست لے کر 290ھ تک (سات سال) کا ذکر ہے۔

بہرکیف تفسیر ابن جریر بالماثور تفسیر پر مشتمل کُتبِ تفسیر میں نہایت مرکزی اہمیت کی حامل ہے بلکہ یہ نقلی تفسیر کا اوّلین ماخذ (Source) ہے۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو کُتبِ تفسیر میں کسی میں بھی نہیں پائی جاتی۔ (معجم الادباء)

14.2- تفسیر بحر العلوم)تفسیر ابو اللیث سمر قندی)

از ابو اللیث سمر قندی علیہ الرحمۃ

سوال:56 :۔حضرت ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمۃ مفسر قرآن کے تعارف کے سلسلہ میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔حضرت ابواللیث سمرقندی علیہ الرحمۃ (تعارف):۔

تفسیر بحرالعلوم (تفسیر ابواللیث سمرقندی) کے مؤلف (مفسر) کا اسم گرامی حضرت ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندیؒ ہے۔ آپؒ حنفی فقیہ ہیں اور حضرت ابوجعفر الھندوانیؒ کے شاگردِ رشید ہیں۔ آپؒ کے مشہور تصانیف حسب، ذیل ہیں!

1- تفسیر **بحر العلوم** جوتفسیرِ ابواللیث سمرقندی کے نام سے معروف ہے۔

2- **کتاب النوازل** 3- **خزانہ فقہ** 4- **تنبیہ الغافلین** 5-**البستان**

تفسیر بحرالعلوم ایک نہایت عمدہ تفسیر ہے۔اس تفسیر کی احادیث کی تخریج (Derivation) حضرت شیخ زین الدین قاسم بن قطلو بقا حنفی فقیہ متوفی 854ھ نے کی۔

حضرت ابواللیث نصر بن محمد سمرقندیؒ کا سنِ وصال 372ھ یا 375ھ ہے۔ (کشف الظنون)

تفسیر بحر العلوم (ابو اللیث سمرقندی (تعارف):۔

تفسیر بحرالعلوم طباعت (Printing) سے آراستہ نہیں ہوسکی اور آج بھی اس تفسیر کا ایک مخطوطہ (Hand witten copy) تین(3) ضخیم جلدوں (3 Volumes) پر مشتمل **دارِ کتب المصریہ** میں محفوظ ہے۔ مکتبۃ الازہر (مصر) میں اس تفسیر کے دو قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ایک نسخہ (کاپی) دو جلدوں میں اور دوسرا نسخہ تین جلدوں میں ہے۔حضرت محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ''میں نے اس تفسیر بحرالعلوم سے بہت استفادہ کیا۔ مفسر حضرت ابواللیث نصر سمرقندیؒ اپنی تفسیر میں صحابہؓ وتابعینؒ واتباع تابعینؒ کے اقوال وآثار کی مدد لی مگر روایت ذکر کرتے ہوئے سندِ روایت بہت کم بیان کرتے ہیں، اور نہ ہی اُن اقوال وروایات پر نقد وتبصرہ کرتے ہیں اور نہ ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔تفسیر کے مقدمہ میں آپؒ نے علمِ تفسیر کی فضیلت واہمیت کو واضح کیا اور علماء سلف کی روایات کو دلیل وبرہان کے طور پر پیش کیا ہے۔مقدمہ میں آپؒ فرماتے ہیں!

''جوشخص وجوہِ لغت اور احوالِ تنزیل سے کماحقہ آگاہ نہ ہو اُس کے لئے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے''۔آپؒ نے اپنی سند کے ساتھ سلف صالحین کی روایات نقل کی کہ تفسیر بالرائے قطعی حرام ہے۔تفسیر میں بعض جگہ آپؒ نے مختلف قراءتوں پر بھی روشنی ڈالی۔تفسیر بحرالعلوم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کرتے ہیں یعنی آپؒ نے مصدرِ تفسیر بڑی حد تک قرآن کریم ہی کو بنایا ہے۔

آپؒ اسرائیلی قِصص واخبار بھی ذکر کرتے ہیں مگر بہت کم۔بعض اوقات آپؒ ضعیف رواۃ ورجال مثلاً سدّی کلبی اور دیگر مجروح (کذب) راویوں سے بھی اخذ ونقل کرتے ہیں۔کبھی کبھی کسی آیت پر وارد شدہ اعتراضات کا ذکر کرکے اس کا جواب بھی تحریر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تفسیر بحرالعلوم ہر لحاظ سے مفید، نافع تفسیر بالروایۃ والدرایہ (بالماثورہ) کا نادر خزانہ ہے۔اس میں

نقل کا پہلو عقل پر غالب ہے۔

14.3- الکشف والبیان عن تفسیر القرآن

از ابو اسحٰق ثعلی علیہ الرحمۃ

سوال:57:۔حضرت ابو اسحٰق ثعلی علیہ الرحمۃ مفسر قرآن کے تعارف کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔حضرت ابو اسحٰق ثعلی علیہ الرحمۃ (تعارف):۔

آپؒ کا اسم ونسب حضرت ابواسحٰق احمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری ہے۔آپؒ عظیم قاری مفسر حافظ و واعظ، ماہر عربیّت اور نہایت دین دار تھے۔آپؒ کو ثعلی بھی کہا جاتا ہے۔اور ثعالبی بھی۔یہ آپؒ کے لقب ہیں،نسب نہیں۔آپؒ نے حضرت ابوطاہر بن خزیمہؒ اور امام ابوبکر بن مھران ؒ قاری سے استفادہ فرمایا۔آپؒ کے تلامذہ (شاگردوں) میں حضرت ابوالحسن واحدیؒ کا نام قابل ذکر ہے۔حضرت واحدیؒ نے آپؒ سے تفسیر کا درس حاصل کیا اور آپؒ کے بڑے مداح بھی رہے ہیں۔

آپؒ عظیم محدث اور کثیر الشیوخ بھی ہیں۔مگر علماء میں سے بعض آپؒ کے ثقہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

آپؒ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔آپؒ کی تفسیر''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن'' انواع و اقسام کے معنیٰ واسرار کی جامع ہے۔اس تفسیر میں اعراب و قراءت کے بارے میں نہایت عمدہ مباحث موجود ہیں۔حضرت عبدالغفار بن اسماعیل فارسیؒ نے تاریخ نیشاپور میں آپؒ کا ذکر بڑے تعریفی انداز میں کیا اور آپؒ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

آپؒ کی تصانیف میں''کتاب العرائس'' بھی شامل ہے جس کا موضوع انبیاء کے اخبار وواقعات ہیں۔

(معجم الادباء ، وفیات الاعیان)

آپؒ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپؒ عہد طفولیت (بچپن) ہی سے علماء کی خدمت میں حاضری دیتے اور علمِ تفسیر کے حاصل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔اِس محنت و کاوش مین رات بھر جاگتے رہتے حتیٰ کہ خداوندِ رحیم و کریم نے آپؒ پر علم کے دروازے کھول دیئے،جس سے وہ حق اور باطل،ادنیٰ واعلیٰ،جدید و قدیم اور بدعت وسنت میں فرق کرنے لگے۔حضرت ابواسحٰق ثعلیؒ کا سنِ وصال 427ھ ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

الکشف و البیان عن تفسیر القرآن از ثعلیؒ:۔(تعارف)!

سوال:58:۔تفسیر قرآن ''الکشف و البیان عن تفسیر القرآن'' کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟

اور بتاؤ کہ مؤلف حضرت ثعلبیؒ کی نظر میں مفسرین کے اقسام کیا ہیں؟

جواب:۔ مؤلفِ تفسیر حضرت ابواسحٰق ثعلبیؒ اپنی تفسیر ''**الکشف و البیان عن تفسیر القرآن**'' کے مقدمہ (Preface) میں تفسیرِ قرآن کے علم کے حاصل کرنے کے سلسلہ میں اپنی محنت وکاوش کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ آپؒ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مفسرین قرآن کی چند قسمیں ہیں جو حسب، ذیل ہیں!

1- مفسرینِ اہلِ بدعت و ضلالت مثلاً مفسر جُبّائی اور مفسر رَمانی۔

2- مفسرین کی وہ جماعت جو بہترین مصنف تھے مگر انہوں نے اہل بدعت کے نظریات کو سلفِ صالحین کے اقوال کے ساتھ ملا دیا۔ مثلاً مفسر ابوبکر قفّالؒ۔

3- وہ مفسرین جو نقل وروایت کے اندر محدود رہے نقد و درایت کی جانب توجہ نہ دی۔ مثلاً **حضرت ابو یعقوب اسحٰق بن ابراھیم حنظلیؒ**

4- بعض مفسرین وہ تھے جنہوں نے اسناد کو حذف (Avoid) کر کے کتابوں سے روایت کی اوور تفسیر کو رطب و یابس (بیکار Worthless Stuff) روایات کا ڈھیر بنا دیا۔ یہ لوگ علماء میں شمار نہیں ہوتے۔

5- مفسرین کی ایک وہ جماعت تھی جنہوں نے حسنِ تالیف کا حق ادا کیا مگر اُن کے تصانیف تکرار واعادہ سے بھری ہوئی ہیں۔ اِن میں حضرت جریر طبریؒ بھی شامل ہیں۔

6- مفسرین کی ایک اور قسم یہ بھی ہے جنہوں نے تفسیر قرآن کے دوران نہ حلال وحرام پر روشنی ڈالی نہ اس کے غوامض ومشکلات (پیچیدگی) کی گرہ کھولی اور نہ گمراہ فرقوں کی تردید کا بیڑا اٹھایا۔ مثلاً حضرت مجاہدؒ، سُدّی وکلبی۔ حضرت ثعلبیؒ فرماتے ہیں کہ اُن سے لوگوں نے ایسی جامع تفسیر لکھنے کی خواہش کی جو تمام صفات کی حامل ہو۔ آپؒ مزید فرماتے ہیں ''میں نے رضائے الٰہی کی خاطر بعد از استخارہ وبتوفیقِ ربّانی اِس کتاب یعنی اپنی تفسیر قرآن کا آغاز کیا۔ اس میں مَیں نے قریباً ایک سو کُتب کا منتخب مواد جمع کر دیا۔ تالیفات اور متفرق اجزاء سے جو استفادہ کیا وہ اس کے علاوہ ہے۔ تین سو تیس (330) کبار شیوخ واساتذہ سے جو علمی اسرار ورموز مل سکے وہ بھی اس کتابِ تفسیر میں نہایت اختصار اور حسنِ ترتیب کے ساتھ یکجا کر دئے۔ اِس کتاب کا نام'' **الکشف والبیان عن تفسیر القرآن** '' تجویز کیا ہے۔ جن اساتذہ سے تفسیری روایات اخذ کی تھیں اِن کا ذکر آغازِ کتاب میں کر دیا ہے آگے چل کر تفسیر میں پوری سند ذکر نہیں کی۔ ہاں مگر معاصر مصنفین جن سے استفادہ کیا اور الفاظ غریبہ و قراءت پر مشتمل جن کتب سے مدد ملی اُن سب تک اپنی سند ذکر کر دی ہے۔ ایک

باب میں قرآن اور حاملینِ قرآن کے فضائل بیان کئے اور دوسرے باب میں تفسیر وتاویل کے معنیٰ ومفہوم کی عقدہ کشائی کی (گرہ کھولی)۔اور پھر اصل تفسیر کا آغاز کیا۔

تفسیر'' الکشف و البیان عن تفسیر القرآن '' کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حسن الذہبیؒ صاحب ''تفسیر والمفسرون'' رقمطراز (لکھتے) ہیں!

''میں نے جامعہ ازھر (مصر) کی لائبریری میں اِس کتابِ تفسیر کا ایک ناقص قلمی نسخہ دیکھا ہے جو چار جلدوں پر مشتمل تھا۔ چوتھی جلد سورۃ الفرقان تک ختم ہوئی۔کتاب کا باقی حصہ نہ مل سکا۔مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کتاب علمائے سلف کے اقوال پر مشتمل ہے۔اسانیدِ روایات آغازِ کتاب میں ذکر کردی گئیں اور آگے چل کر کتاب میں حذف کردیا گیا ہے۔مؤلفِ کتاب (حضرت ثعلبیؒ) نحوی مسائل سے خصوصی دلچسپی لیتے ہیں مثلاً آیت! بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ (البقرہ :90:2) کی تفسیر کرتے ہوئے ''نِعْمَه وَ بِئْسَ'' افعالِ مدح وذمّ پر کُھل کی گفتگو فرمائی ہے''۔ (معجم الادباء)

حضرت ثعلبیؒ اپنی تفسیر میں صرفی ونحوی مشکل الاظ واضح کرتے وقت عربی اشعار سے بھی استشہاد (استدلال) کرتے ہیں۔فقہی احکام کی تفسیر کرتے ہوئے موافق ومخالف دلائل و براہین پر روشنی ڈالتے ہیں حتیٰ کہ آیت میں ذکر کردہ مسئلہ کا پہلو تشنہ نہیں رہتا۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آیت کا معنیٰ ومطلب کھل کر سامنے آتا ہے۔

الغرض آپؒ ہر علمی مسئلہ کے ذکر و بیان میں اس حد تک طوالت سے کام لیتے ہیں کہ کتاب تفسیر بالماثور کے دائرہ سے نکلتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ (تفسیر والمفسرون)

آپؒ نے اسرائیلی قِصص واخبار کا ذکر بھی بکثرت کیا ہے مگر نقد وجرح سے کام نہیں لیا۔چنانچہ آیت اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ (الکھف :10:18) کی تفسیر میں اصحاب کہف کے اسماء، تعداد اور ملک سے نکلنے کے اسباب کے سلسلہ میں سُدّی، وھبؔ اور دیگر مجروح راویوں وعلماء کے بکثرت اقوال نقل کئے ہیں۔

(تفسیر الکشف البیان)

اسرائیلی اخبارات اور احادیث موضوعہ کی کثرت کی بناء پر نقادِ حدیث نے حضرت ثعلبیؒ کو ھدفِ تنقید بنایا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں!

''حضرت ثعلبیؒ اگرچہ بذات خود دین دار اور بھلے آدمی ہیں مگر حاطب لیل (رات کا لکڑہارا) کی طرح ہیں۔کتب حدیث میں جو صحیح وضعیف اور موضوع روایات ملتیں ہیں اُن کو اپنی تفسیر میں جگہ دیتے ہیں''۔(اصول تفسیر ص۔91)

امام ابن تیمیہؒ مزید فرماتے ہیں!

’’حضرت واحدیؒ حضرت ثعلبیؒ کے شاگرد ہیں اور عربیّت میں حضرت ثعلبیؒ سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں مگر حضرت ثعلبیؒ میں یہ خوبی ہے کہ وہ بدعتی نہیں ہیں۔ آپؒ نے جو کچھ تحریر کیا ہے دوسروں کی تقلید میں کیا ہے بذاتِ خود آپؒ اُس سے بَری ہیں۔ حضرت واحدیؒ کی تفسیر میں بھی نادر فوائد ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں باطل کی آمیزش بھی کچھ کم نہیں‘‘۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ)

14.4- معالم التنزیل از حضرت ابو محمد حسین بغویؒ

سوال:59:۔حضرت ابو محمد حسین بغوی علیہ الرحمۃ اور تفسیر ’’**معالم التنزیل**‘‘ کے تعارف کا مختصر بیان کرو؟

جواب:۔**حضرت ابو محمد حسین بغوی علیہ الرحمۃ(تعارف)**:۔

آپؒ کا اسم گرامی حضرت ابو محمد حسین بن مسعود الفرّاء ہے اور نسبت بغوی ہے بغ یا بَغْشُور خراسان میں ایک شہر کا نام ہے جو مقامِ مرو اور ہرات کے درمیان واقع ہے۔ اُس کی جانب نسبت کر کے آپؒ کو بغوی کہتے ہیں۔ آپؒ کا لقب ’’مُحِی السُّنَّة‘‘ ہے۔ آپؒ شافعی المسلک ہیں۔ آپؒ نے قاضی حسینؒ سے حدیث وفقہ کا درس حاصل کیا۔ آپؒ عظیم محدث، مفسر وفقیہ تھے۔ امام بغویؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپؒ بڑے عابد و زاہد اور قانع تھے اور ہمیشہ طہارت (پاک وصاف) حالت میں درس دیتے۔ حضرت تاج الدین سُبکیؒ آپؒ کو کبار علمائے شافعیہ میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں!’’امام بغویؒ بڑے جلیل القدر امام، عابد، محدث، مفسر، فقیہ، علم وعمل کے جامع اور طریقِ سلف (طریقِ صحابہؓ وتابعینؒ) پر گامزن تھے۔قرآن شریف کی تفسیر اور احادیثِ نبویہ کی مشکلات کے حل کرنے کے سلسلہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ حدیثِ رسولؐ کی نقل و روایت اور درس ومطالعہ میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے‘‘۔

آپؒ کی مشہور تصانیف حسبِ ذیل ہیں!

1- معالم التنزیل (تفسیر قرآن) 2- شرح السنة 3- المصابیح 4- الصحیح بین الصحیحین
5- التھذیب فی الفقه۔ آپؒ کی تصانیف کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔

آپؒ کا سن 510ھ میں وصال ہوا۔ اُس وقت آپؒ کی عمر اسّی (80) سال تھی۔

(طبقات المفسرین السیوطی۔ طبقات الکبریٰ ابن السُبکی)

معالم التنزیل (تفسیر بغوی):۔(تعارف)!

امام محی السنۃ بغویؒ کی تفسیر ''**معالم التنزیل**'' ایک مختصر الحجم کتاب ہے۔آپؒ نے اپنی تفسیر میں مفسرین صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے اقوال جمع کئے ہیں۔مفسر حضرت خازنؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ''**معالم التنزیل**'' (تفسیر بغوی) نہایت بلند پایہ اور گراں قدر کتاب ہے۔یہ صحیح اقوال کی جامع احادیثِ نبویہ سے آراستہ اور احکام شرعیہ سے پیراستہ ہے۔اِس میں ازمنۂ (زمانۂ) سابقہ کے عجیب وغریب واقعات درج ہیں۔اِس کی عبارت دل نشیں اور حسن وجمال کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہے''۔ (کشف الظنون)

حضرت تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن حسینیؒ متوفی 875ھ نے اس تفسیر کا اختصار (Summary) تحریر کیا ہے۔''**معالم التنزیل**'' (تفسیر بغوی) تسیر خازن اور تفسیر ابن کثیر دونوں کے حاشیہ سے الگ الگ مصر سے شائع ہوچکی ہے۔یہ تفسیر مختصر اور سہل انداز میں قرآن کریم کی تشریح و توضیح (Elucidation) کرتی ہے۔

حضرت امام بغویؒ علمائے سلف کے اقوال اکثر بلاسند ذکر کرتے ہیں کیونکہ آپؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ہی ایسے تمام اساتذہ تک اپنی سند ذکر کردی ہے جن سے آپؒ نقل و روایت کرتے ہیں البتہ اگر آپؒ ایسے لوگوں سے روایت کرتے ہیں جن کا ذکر مقدمہ میں نہیں کیا تو ضرور وہ سند کا ذکر دورانِ تفسیر کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ رواۃ رجال پر نقد وجرح (Critical Examination) بھی کرتے جاتے ہیں۔غیر متعلق اقوال اور روایات وآثار اور منکرِ روایات سے احتراز کرتے ہیں۔

معالم التنزیل (تفسیر بغوی) کی خصوصیات:.

سوال:60 :۔**معالم التنزیل** (تفسیر بغوی) کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔1- امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں کسی آیت کی تشریح یا حکم شرعی کی توضیح (Explanation) کے سلسلہ میں احادیثِ نبوی درج کیں ہیں جہاں کہیں بھی کتاب اللہ کی وضاحت وصراحت کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

2-چونکہ کتاب اللہ کی توضیح سنّت سے طلب کی جاتی ہے اور اُمورِ دین کا انحصار بھی سنّت ہی پر ہے اس لئے امام بغویؒ نے تفسیری اقوال واحادیث معتبر ائمہ حدیث کی کتب سے اخذ کیا اور منکر وغیر متعلق روایات سے احتراز فرمایا۔

3- بعض اوقات آپؒ کلبی جیسے ضعیف راویوں سے بھی روایت کرتے ہیں اور مختلف قراءتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں مگر اس معاملہ میں مبالغہ (Exaggeration) نہیں کرتے۔اُسی طرح غیر متعلقہ علوم کے ذکر و بیان سے بھی بہت کم دلچسپی لیتے ہیں۔البتہ ضرورتاً کسی آیت کے مفہوم کے بیان کے سلسلہ میں نحوی بحث بھی کرتے ہیں اور

اسرائیلی واقعات بلاتنقید ذکر بھی کر دیتے ہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ (معالم (تفسیر بغوی)

4- امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتویٰ میں فرمایا!

''ایک سائل نے دریافت کیا کہ تفسیرِ قرآن پر مشتمل کون سی کتاب قرآن وحدیث سے قریب ہے؟ آیا حضرت زمخشریؒ کی تفسیر؟ یا حضرت قرطبیؒ وحضرت بغویؒ کی کتاب یا اُن کے علاوہ کوئی اور کتاب؟''

اِس کا جواب یہ ہے کہ ''میرے خیال (امام ابن تیمیہؒ کے خیال) میں اِن تینوں کتابوں میں اِمام بغویؒ کی تفسیر بدعت اور احادیثِ ضعیفہ کی آمیزش (ملاوٹ) سے بمقابلہ زیادہ پاک وصاف ہے۔امام بغویؒ کی تفسیر حضرت ثعلبیؒ کی تفسیر سے مختصر ہے کیونکہ انہوں نے احادیثِ ضعیفہ اور بدعتانہ اقوال کو حذف (Avoid) کر دیا''۔ (فتاویٰ ابن تیمیہؒ)

5- امام بغویؒ اپنی تفسیر میں بعض اوقات قرآنِ کریم کے ظاہری الفاظ پر وارد شدہ اعتراض نقل کر کے خود ہی اس کا جواب تحریر کر دیتے ہیں اور یوں بھی ہوتا ہے کہ آپؒ علمائے سلف (صحابہؓ وتابعینؒ) کے مختلف اقوال ذکر کرتے ہیں مگر کسی ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ ایک کی تضعیف (کمزوری) اور دوسری کی تصحیح (صحت) پر تبصرہ کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر ''**معالم التنزیل**'' بذات خود نہایت عمدہ اور بہت سی تفسیر بالماثور سے افضل واحسن اور ہر طبقہ کے علماء کے مابین مقبول متداول ہے۔

14.5- المحرّر اُلوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز: از ابن عطیّہ!

سوال:61:۔حضرت ابن عطیّہ اندلسی علیہ الرحمۃ کا تعارف اور آپؒ کی تفسیر ''**المحرّر اُلوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز**'' کا تعارف مختصراً بیان کرو؟

جواب:۔ **حضرت ابن عطیّہ اندلسی علیہ الرحمۃ**:۔تعارف!

آپؒ کا اسم ونسب حضرت ابومحمد عبدالحق بن عطیّہ اندلسی غرناطی ہے۔آپؒ کا سنِ ولادت 481ھ ہے۔آپؒ ایک بلند پایہ علمی خاندان میں پروان چڑھے۔آپؒ کے والدِ ماجد حضرت ابوبکر غالب بن عطیّہ علیہ الرحمۃ بہت بڑے امام، حافظِ حدیث اور جلیل القدر عالم تھے۔آپؒ کے دادا (جدِ امجد) بھی زبردست فاضل بزرگ تھے۔حضرت ابن عطیّہ اندلسی ذہانت وفطانت اور حُسنِ فہم (Wisdom) میں عدیم النظیر (یکتا) تھے۔آپؒ نہایت بلند پایہ عالم، جلیل القدر فقیہ، محدث، مفسر نحوی ولغوی اور شاعر وادیب گزرے ہیں۔آپ اندلس (Spain) میں منصبِ قضات پر فائز رہے اور نہایت عدل وانصاف سے مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ابن عطیّہ مختلف تنوّع

(اقسام) کے علوم وفنون میں مہارت تامّہ (Excellence) رکھتے تھے۔آپؒ نے اپنی تصانیف کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا اُن میں تفسیر القرآن قابلِ ذکر ہے۔اِس کے علاوہ ایک اور تصنیف ہے جس میں آپؒ کی مروّیات اور آپؒ کے شیوخ واساتذہ کے اسماء ذکر کئے گئے ہیں۔

مفسرابوحیّانؒ اپنی تفسیر''البحر المحیط'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں!''

جن لوگوں نے بھی تفسیر القرآن مرتب کی ہیں اُن سب میں حضرت ابن عطیّہ کا مقام بلندتر ہے''۔

اُسی طرح حضرت ابن فرحونؒ نے اپنی کتاب'' الدیباج المذھب''میں آپؒ کو مالکی فقہ کا ایک ستون (Pillar) قرار دیا ہے''۔

حضرت جلال الدین سیوطیؒ نے'' بَغیۃُ الوُعَاۃَ ''میں حضرت ابن عطیّہ کونحو (Arabic Grammar) کے معروف شیوخ اوراساتذہ میں شمار کیا ہے۔

المحرّر الُوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز (تفسیر القرآن ازابن عطیّہ:۔تعارف!

حضرت ابن عطیّہ کی یہ تفسیر جملہ مفسّرین کے نزدیک کتبِ تفسیر میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔اور اِس تفسیر کو جملہ تفاسیر سے ملخّص (خلاصہ Gist) کیا گیا اوراس میں صرف صحیح مواد کوجگہ دی گئی ہے۔یہ کتابِ تفسیر دیارِمغرب واندلس (Western countries & Philipin) میں نہایت مقبول ومستحسن خیال کی جاتی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

حضرت ابن عطیّہؒ عربیت اور دیگر علوم وفنون میں امامت کے درجہ پرفائز تھے۔آپؒ نے اپنی تفسیر میں اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کیا ہے۔مگر اِس کے باوجود یہ تفسیر طبع ہوکر منصّہ شہود (منظرِ عام) پرآ نہ سکی۔تفسیر ابن عطیّہؒ جملہ دس (10) جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب ہے جس کے دارالکتب المصر یہ میں صرف چار قلمی اجزاء (جلدیں) سوم، پنجم، ہشتم اوردہم موجود ہیں۔صاحبِ تصنیف''التفسیر والمفسّرون''نے ان اجزاءِ تفسیر (جلدوں) سے استفادہ کرکے اپنا یہ تاثر دیا ہے!

1- حضرت ابن عطیّہؒ ایک آیت ذکرکرکے نہایت شیریں اور بلیغ عبارت میں اُس آیت کی تفسیر کرتے ہیں' پھر تفسیر میں وارد شدہ روایات وآثارتحریر کرتے ہیں۔حضرت ابن جریرطبریؒ کی تفسیر سے بہت استفادہ کیا۔بعض دفعہ حضرت ابن جریرطبریؒ کی عبارت نقل کرکےاس پرکڑی تنقید بھی کرتے ہیں۔

2- حضرت ابن عطیّہ قرآنی الفاظ کی تشریح کے سلسلہ میں اکثرعربی اشعاراورادبی شواہد سے استدلال کرتے ہیں۔ آپؒ کونحوی مسائل کے ساتھ بھی خصوصی دلچسپی ہے۔چنانچہ اکثرمختلف قراءتوں کا ذکرکرکے ان کے جداگانہ معانی ومطالب پرروشنی ڈالتے ہیں۔

3- حضرت ابن عطیہؒ کی تفسیر کا تجزیہ (Analysis) دوسرے علماء ومفسرین نے یوں کیا!

۔ مفسّر ابوحیّان اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں!

''حضرت ابن عطیہؒ کی تفسیر زیادہ جامع اور غیر صحیح مواد سے پاک ہے اور اُس کے مقابلہ میں حضرت زمخشریؒ کی تفسیر زیادہ گہری اور مختصر ہے''۔ (البحر المحیط)

۔ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں!

''حضرت ابن عطیہؒ کی تفسیر حضرت زمخشریؒ کی تفسیر سے بہتر اور صحیح تر مواد کی حامل ہے۔ بدعت سے متعلق آثار (افعال واقوال) اُس میں بہت کم ہے۔ اس لئے حضرت ابن عطیہؒ کی تفسیر زمخشریؒ بلکہ جملہ تفاسیر سے افضل و احسن ہے''۔

۔حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی تصنیف ''اصولِ تفسیر'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں!

حضرت ابن عطیہؒ اور اُن کے ہم خیال مفسرین کی تفاسیر سنّت سے بالکل یک رنگ وہم آہنگ (ملتی جلتی) ہیں۔ حضرت ابن عطیہؒ کی تفسیر میں بدعت کی آمیزش (ملاوٹ) زمخشریؒ کی تفسیر سے کم ہے۔ تفاسیر بالماثور میں علمائے سلف کے جو اقوال موجود ہیں بہتر ہوتا کہ حضرت ابن عطیہؒ اُن اقوال کو من وعن نقل کر دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بسا اوقات آپؒ حضرت ابن جریر طبریؒ جیسی عظیم تفسیر سے کچھ عبارت نقل کرتے مگر اُس میں مذکور علمائے سلف کے اقوال نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اور خود اپنے خیال کے مطابق محققین کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ محققین سے اُن کی مراد متکلمین کا وہ گروہ ہے جنہوں نے فرقہ معتزلہ کی طرح کچھ اصول وضع کئے تھے حالانکہ حضرت ابن عطیہؒ معتزلہ افکار کی بہ نسبت سنّت سے قریب تر تھے۔ (مقدمہ اصولِ تفسیر)

خلاصہ یہ کہ حضرت ابن عطیہؒ بڑی فاضل شخصیت کے حامل ہونے کی وجہ اُن کی تفسیر مفسرین کے نزدیک اپنا خاص مقام رکھتی ہے۔ آپؒ کا سنِ وصال 546ھ ہے۔

14.6- تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر

سوال:62:۔ **حضرت ابن کثیر علیہ الرحمۃ** مفسرِ قرآن کی شخصیت کا تعارف اور آپؒ کے علمی مقام کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔ آپؒ کا اسم گرامی **عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمرو بن کثیر** ہے اور نسبت بصریؔ و دمشقیہ ہے۔ آپؒ کا سنِ ولادت 700ھ میں ہے۔ آپؒ کے والدِ ماجد حضرت عمرو بن کثیر بصریؒ کی وفات کے بعد سات سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ دمشق (شام) تشریف لے آئے۔ آپؒ کے اساتذہ میں حضرت ابن شمنہ آمدیؒ اور دیگر علماء ہیں جن سے آپؒ نے استفادہ کیا۔ حضرت علامہ مزّیؒ نے اپنی دامادی کا

شرف بھی بخشا۔ پھر آپؒ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے وابستۂ دامن ہوگئے۔ آپؒ شافعی المسلک تھے۔ حضرت ابن قاضی شبہؒ کے کتاب طبقات میں ذکر کے مطابق حضرت امام ابن تیمیہؒ کے ساتھ حضرت ابن کثیرؒ کو خصوصی لگاؤ تھا۔ اکثر نظریات میں حضرت ابن کثیرؒ اُن کے ہم نوا رہے۔ اِسی وجہ سے آپؒ پر بڑے مظالم ڈھائے گئے اور آپؒ کو مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا۔

علامہ داؤدیؒ فرماتے ہیں، ''حضرت ابن کثیرؒ اپنے عصر وعہد کے یکتائے روزگار فاضل اور حافظِ حدیث رہے۔ حضرت امام ذہبیؒ اور امام سُبکیؒ کی وفات کے بعد مدرسہ اشرفیہ کے صدر المدرّسین قرار پائے''۔

(طبقات المفسرین داؤدی)

حضرت ابن کثیرؒ کا علمی پایہ نہایت بلند ہے۔ تمام علماء نے آپؒ کے علم وفضل کا اعتراف بھی کیا آپؒ تفسیر قرآن اور تاریخِ اسلام میں خصوصی مہارت کے حامل رہے۔

حافظ حضرت ابن حجر عسقلانیؒ آپؒ کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں!

1- ''حضرت ابن کثیرؒ نے حدیث کے متون و رجال کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور تفسیر قرآن سے متعلق مواد (matter) فراہم کیا۔

2- دینی احکام پر کتاب مرتب کرنا چاہا مگر اِس کی تکمیل نہ کر سکے۔

3- تاریخِ اسلام کے موضوع پر اپنی عظیم کتاب ''البدایہ والنہایہ'' مرتب کی۔

4- کتاب طبقات الشافعیۃ تحریر کی۔

5- بخاری شریف کی شرح لکھنے کا آغاز بھی کیا تھا۔

6- آپؒ نے مقدمہ ابن الصلاح کا اختصار بھی لکھا جو نہایت مفید ہے۔

آپؒ نہایت شیریں مقال (بیان) تھے۔ آپؒ کی زندگی ہی میں آپؒ کی تصانیف کا چرچہ عام ہوگیا اور لوگوں نے آپؒ کی تصانیف سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ حضرت ابن کثیرؒ کا شمار فقہائے محدثین میں ہوتا ہے''۔

مشہور محدث حضرت ذہبیؒ فرماتے ہیں!

''حضرت ابن کثیرؒ بہت بڑے محدث، فقیہ، مفسر اور صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے''۔

مصنف شَذراتُ الذَّھب رقمطراز ہیں!

''حضرت ابن کثیرؒ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ آپؒ بہت کم بولتے، صاحبِ فہم وفراست تھے''۔

حضرت ابن حبیبؒ کا قول ہے!

''حضرت ابن کثیرؒ مفسرین کے سرخیل (سردار) تھے۔ کثرت سے احادیث سماعت فرمائیں اور جمع کیں۔ آپؒ عظیم محدث، مفتی اور مفسرِ قرآن ہیں۔ آپؒ کے فتاویٰ کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ تفسیر وحدیث اور تاریخِ اسلام کی سیادت و ریاست (سرداری وحکمت) آپؒ کی ذات پر ختم ہوگئی''۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابن کثیرؒ کی تفسیرِ قرآن اور تاریخِ اسلام دونوں کُتب دنیا کی بہترین تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔

آپؒ کا سنِ وصال 774ھ ہے۔ آپؒ آخری عمر میں نابینا (Blind) ہوگئے تھے۔

آپؒ کو آپؒ کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں مقبرۂ صوفیہ میں دفن کیا گیا۔ (طبقات المفسرین داؤدی)

تفسیر القرآن العظیم ابن کثیرؒ:۔ تعارف!

سوال:63:۔ تفسیر ابن کثیر (تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر) کا مختصر تعارف اور اُس کی خصوصیات پر واضح تذکرہ کرو؟

جواب:۔ تفسیر ابن کثیرؒ کا درجہ کُتبِ تفسیر میں تفسیر ابن جریر طبریؒ کے بعد ہے۔ حضرت ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں مفسرین سلف (صحابہؓ، تابعینؒ اور تباع تابعینؒ) کے تفسیری اقوال کو یکجا کرنے کا بہتر اہتمام فرمایا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر قرآن کریم کی تفسیر ماثور پر مشتمل کُتب میں حد درجہ شہرت رکھتی ہے۔ حضرت ابن کثیرؒ نے ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ دورِ حاضر کے اکثر تفاسیر تفسیر ابن کثیرؒ سے قرآنی آیات کی تشریح میں دوسری آیات سے استدلال کرنے میں پیش پیش ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کے شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جس میں قرآن کریم سے متعلق علمی مباحث تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ مقدمہ زیادہ تر آپؒ نے اپنے استادِ گرامی حضرت ابن تیمیہؒ کے رسالہ ''اصولِ تفسیر'' سے اخذ کیا ہوا ہے۔

تفسیر ابن کثیر کی خصوصیات:۔

1- تفسیر ابن کثیر کا طرز وانداز نہایت سلیس (آسان) اور عبارت مختصر۔ ایک آیت کی تفسیر کرتے اکثر دوسری آیت سے اُس کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ اس طرح باہم مقارنہ (نسبت) سے قرآن کریم کا مطلب کُھل کا سامنے آجاتا ہے۔

2- آیتِ قرآنی کی تشریح کرنے کے بعد حضرت ابن کثیرؒ اس آیت کے متعلق احادیثِ نبوی مرفوعہ ذکر کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی نشاندہی فرماتے ہیں کہ اُن میں سے کون سی احادیث قابلِ احتجاج (دلیل) ہیں کونسی نہیں۔ اور پھر اس کی تائید میں صحابہؓ وتابعینؒ اور دیگر علمائے سلف کے اقوال تحریر فرماتے ہیں۔ آپؒ بعض اقوال کے مقابلہ میں بعض کو ترجیح بھی

دیتے ہیں۔

3- آپؒ اپنی تفسیر میں رواۃ و رجال پر نقد وجرح (Critical Examination) بھی کرتے ہیں اور بعض روایات کو صحیح اور بعض کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فنونِ حدیث اور احوالِ رجال کے سلسلہ میں حضرت ابن کثیرؒ بہت حد تک گہری بصیرت کے حامل رہے ہیں۔

4- تفسیر ابن کثیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ متقدمین کی تفسیر ماثور میں مثلاً تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر عطیّہ وغیرہ سے استفادہ کرتے وقت ان تفاسیر میں مندرج اسرائیلی واقعات پر اجمالاً اور بعض اوقات تفصیلاً نقد وجرح کرتے ہیں۔شارع (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی اسرائیل سے جو نقل وروایت کی اجازت مرحمت فرمائی ہے وہ اُسی باتوں تک محدود ہے جو عقل کے معیار پر پوری اترتی ہوں۔ جو بات عقلِ سلیم کی معیار کے منافی ہو اور کتاب و سنت کے مغائر ہو اور جھوٹ معلوم ہوتی ہو تو ایسی بات کا بنی اسرائیل سے روایت کرنا درست نہیں۔ (ابن کثیر)

5- تفسیر ابن کثیر کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپؒ احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فقہی احکام اور علماء کے اقوال ودلائل ذکر کرتے ہیں مثلاً آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ (البقرہ:185:2) کی تفسیر میں آپؒ نے چار مسائل ذکر کرکے اُن کے بارے میں علماء کے مختلف مسالک اور اُن کے براہین و دلائل بیان فرمائے ہیں۔ اسی طرح آیات الاحکام کی تفسیر میں آپؒ فقہاء کے مسالک اور دلائل و براہین کی تفصیلات ذکر کرتے جاتے ہیں مگر حضرت ابن کثیرؒ دیگر مفسرین کی طرح حدّ سے تجاوز نہیں کرتے بلکہ اعتدال کے دائرے میں محدود نظر آتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تفسیر ابن کثیر تفسیر بالماثور پر مشتمل کُتب میں نہایت عمدہ تفسیر ہے جس کے متعلق حضرت جلال الدین سیوطیؒ اپنی تصانیف ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''زرقانی شرح المواھب'' میں فرماتے ہیں ''ابن کثیر جیسی تفسیر القرآن آج تک لکھی نہیں گئی''۔ (الرسالہ المتطرفہ الکتانی)

14.7- الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن ازحضرت ثعالبیؒ

سوال:64:۔حضرت عبدالرحمن ثعالبی علیہ الرحمۃ مفسرِ قرآن اور آپؒ کی تفسیر'' الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن'' کے تعارف کے سلسلہ میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔آپؒ کا اسم ونسب حضرت ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی علیہ الرحمۃ ہے۔آپؒ الجزائر کے متوطن ہونے کی نسبت سے آپؒ کو جزائری کہا جاتا ہے۔

آپؒ کا فقہی مسلک ''مالکی'' ہے۔آپؒ باعمل فاضل، عابد وزاہد بلکہ اولیاءاللہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔حضرت ثعالبیؒ

نے اپنی تصانیف کے اکثر مقامات پر خود اپنا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ، آپؒ آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں طلبِ علم کے لئے الجزائر (افریقہ) سے نکل کر تونس اور پھر مصر کا سفر کیا اور دوبارہ تونس لوٹ آئے۔ آپؒ فرماتے ہیں! ''تونس میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جو علمِ حدیث میں مجھ سے فائق (بڑھ کر) ہو۔ لوگ میری روایت کو خاموشی سے سنتے اور قبول کر لیتے تھے۔ اور جب میں مشرق سے مغرب کا سفر کیا تو بعض علمائے مغرب نے کہا کہ علمِ حدیث میں آپؒ ایک یگانہ عالم ہیں''۔

حضرت ثعالبیؒ نے بلادِ مشرق کے شیوخ واساتذہ سے کسبِ فیض فرمایا۔

حضرت ثعالبیؒ کے گراں قدر تصنیفات میں قابلِ ذکر حسبِ ذیل ہیں!

1- الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن 2- الذھب الابریز فی غرائب القرآن العزیز

3- تحفۃ الاخوان فی اعراب بعض آیات القرآن 4- جامع الامّہات فی احکام العبادات۔

حضرت عبدالرحمٰن ثعالبیؒ کا سنِ وصال 876ھ اور مقامِ تدفین الجزائر ہے۔

الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن:۔ تعارف!

حضرت ثعالبیؒ کی تفسیر ''**الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن**'' چار جلدوں میں الجزائر میں طبع ہو چکی ہے۔ اُس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ **دار الکتب مصریہ** اور دوسرا **المکتبۃ الازھریہ** (مصر) میں موجود ہے۔ تفسیر کے آخر میں ایک فرہنگ (Dictionary) ہے جس میں اُن مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے جو کتابِ تفسیر میں وارد ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ صحاح ستّہ کے بعض نادِر الفاظ کے معانی ومطالب پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اِس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مرثیے ہیں جو حضرت ثعالبیؒ نے کہے ہیں۔

حضرت ثعالبیؒ نے تفسیر کے شروع میں مقدمہ تحریر فرمایا جس میں اپنی تفسیر کا تعارف وفوائد بیان کرتے ہوئے آپؒ نے لکھا کہ! ''میں نے تمہارے اور اپنے لئے اِس کتاب میں ایسا مواد (Matter) فراہم کیا جس سے قاری کو سکونِ قلب نصیب ہوگا۔ جو فوائد میں نے اِس کتاب میں ودیعت (صراحت) کئے ہیں، اکثر وبیشتر تفسیر ابن عطیہؒ سے ماخوذ ہیں۔ اِس پر میں نے دیگر ائمہ وثقات کی کُتب سے اخذ کر کے مفید اضافے کئے ہیں۔ میں نے قریب ایک سو (100) کُتب سے قیمتی موتی جمع کئے ہیں۔ اِن میں سے ہر کتاب ایک جلیل القدر محقق عالم کی تحریر کردہ ہے۔ میں نے جو کچھ بھی نقل کیا ہے وہ معتبر مفسرین کی تفاسیر سے کیا ہے۔ روایت بالمعنی سے عمداً احتراز کیا ہے اور صرف علماء کے اصلی الفاظ نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ فسیر ابن جریر طبری سے میں نے جو استفادہ کیا وہ تفسیر ابن جریر کے اُس اختصار (Gist) سے ماخوذ ہے جس کا

اہتمام حضرت شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نجمی نحویؒ نے کیا تھا۔ اگر کسی خاص لفظ کے سمجھنے میں دقّت پیش آئے تو اصل ماخذ کی طرف مراجعت کر کے اِس لفظ کو دُرست کر لیا جائے۔ مگر محض عقل و قیاس کی مدد سے اُس کی تصحیح نہ کی جائے کہ اِس سے غیر شعوری طور پر غلطی میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے''۔ (تفسیر ثعالبی جلد اوّل)

تفسیر ثعالبی کی خصوصیات:۔

حضرت ثعالبیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا التزام (ویسا ہی) کیا ہے۔ بعض جگہ مختلف قراءتوں اور نحوی مسائل کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ بعض الفاظ کے معنیٰ بیان کرنے کے لئے عربی اشعار سے استشہاد (استدلال) بھی کرتے ہیں۔ تفسیری روایات ذکر کرتے ہوئے اُن کی اسناد بیان نہیں کرتے۔ کبھی کبھی اسرائیلی واقعات کا ذکر کرتے مگر اُن پر شدید نقد و جرح کرتے ہیں۔ جس سے اُن واقعات کی عدم صحت عیاں ہو جاتی ہے یا کم از کم اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کی صحت قطعی نہیں ہے۔ الغرض تفسیرِ ثعالبیؒ کی افادیت میں تفسیر بالماثورا کی حیثیت سے کوئی شک نہیں۔

14.8- الدرُّ المنثور فی التفسیر الماثور (از سیوطیؒ)

سوال:65:۔ **حضرت جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ** کی شخصیت بحیثیت مفسر القرآن اور آپؒ کی تفسیر بالماثور کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔ آپؒ کا اسم گرامی حضرت جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ہے۔ آپؒ کا سنِ ولادت ماہِ رجب 849ھ ہے۔ آپؒ پانچ برس سات ماہ کے تھے کہ آپؒ کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ والد نے آپؒ کو چند اشخاص کی تحویل (نگرانی) میں دے دیا تھا اُن میں قابلِ ذکر حضرت کمال ھمامؒ ہیں جنہوں نے حضرت سیوطیؒ کی حفاظت و تربیت کا حق ادا کیا۔ چنانچہ آپؒ آٹھ سال کی عمر میں ہی قرآن کریم کے بہت سی متون (سورتیں) زبانی یاد کر لی۔ حضرت علامہ داؤدیؒ جو آپؒ کے تلامذہ (شاگردوں) سے ہیں کے قول کے مطابق حضرت سیوطیؒ کے اساتذہ کی تعداد اکاون (51) تھی۔ آپؒ شافعی المسلک تھے۔

آپؒ نے جملہ پانچ سو (500) کُتب تصنیف فرمائیں اور یہ کُتب ساری دنیا (شرق و غرب) میں پہنچ گئیں اور ان کو عوام الناس میں شرفِ مقبولیت حاصل ہوا۔ حضرت امام سیوطیؒ صاحبِ تصانیف ہونے میں عدیم النظیر تھے۔ آپؒ ایک دن میں تین بڑے اجزاء (حصے) تحریر کر لیا کرتے تھے۔

حضرت امام سیوطیؒ علمِ حدیث اور اس کے متعلقہ فنون متون و اسانید، رواۃ و رجال اور استنباطِ احکام میں یکتائے روزگار (اپنی آپ مثال) تھے۔ چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں!

''مجھے دو لاکھ احادیث یاد ہیں اور اگر کچھ اور حدیثیں ملتیں تو اُنہیں بھی یاد کر لیتا''۔ آپؒ کی عمر جب چالیس (40) سال کی ہوئی تو آپؒ نے دنیوی علائق (گندگی) سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو ذکرِ الٰہی و عبادت کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک کہ فتویٰ و تدریس تک ترک کر دی اور روضۃ المیقاس میں سکونت پذیر ہو گئے۔ حتیٰ کہ 19۔ جمادی الاول 911ھ

شب جمعہ آپؒ کا وصال ہوگیا رحمۃ اللہ علیہ۔

آپؒ کے بہت سے مناقب وکرامات ہیں۔ آپؒ نے نہایت عمدہ اشعار بھی کہے ہیں جو علمی اور شرعی احکام سے متعلق ہیں۔ (شذرات الذهب)

الدرُّ المنثور فی تفسیر الماثور:۔تعارف!

حضرت جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ ''الاتقان'' میں وجہ تالیفِ تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا! میں نے تفسیرِ قرآن پر مشتمل مستند تفسیر تحریر کی ہے جو کئی ہزار احادیث کو سموئے ہوئے ہے۔اُس میں مرفوع، موقوف ہر قسم کی روایتیں موجود ہیں۔ میں نے اِس تفسیر کا نام ''ترجمان القرآن'' تجویز کیا۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جب ''ترجمان القرآن'' تکمیل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اِس میں احادیث کی اسانید باہتمام وکمال مذکور ہیں۔ مگر دورِ حاضر میں لوگوں کی ہمت پست ہوگئی ہے اور وہ اسانید سے قطع نظر صرف متنِ حدیث کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اور طوالت سے گھبراتے ہیں۔ اِسی وجہ سے میں نے ''ترجمان القرآن'' کا خلاصہ ''الدرُّ المنثور'' کی صورت میں تیار کیا۔ اور اِس خلاصۂ تفسیر میں صرف تین روایات پر اکتفا کیا اور جس کتاب سے وہ روایتیں لی اُس کا ذکر کردیا۔ (مقدمه الدرُّالمنثور)

الدرُّالمنثور فی التفسیر القرآن کی خصوصیات:.

۔امام سیوطیؒ نے اپنی تفسیر ''الدرُّ المنثور'' میں بخاریؒ، مسلمؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، مسند احمدؒ، ابن جریر طبریؒ، ابن ابی حاتمؒ، عبد بن حمیدؒ اور ابن ابی الدنیاؒ کی کُتبِ حدیث سے اخذ کرکے روایت کا خاصہ ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ علمائے سلف کے تفسیری اقوال کسی نقد وتبصرہ کے بغیر درج کردئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جامعیت اِس تفسیر کا طرّہ امتیاز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام سیوطیؒ جمع وتالیف اور کثرتِ روایت کو پسند فرماتے تھے۔ فنِ حدیث اور اس کے عِلل سے بخوبی آگاہ وآشنا ہونے کے باوجود آپؒ نے اِس تفسیر میں صحت کا التزام نہیں رکھا۔ دراصل تفسیر بالماثور کا لحاظ کرتے ''تفسیر الدرُّ المنثور'' تنہا ایسی کتاب ہے جس میں صرف تفسیری اقوال وآثار (احوال) کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا اور اپنی رائے کو جگہ نہیں دی گئی۔ دیگر کُتب میں ذاتی افکار (خیال) وآراء کو بھی شامل کرلیا گیا مگر اُن تفاسیر کو بالماثور کے دائرے میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں بیشتر اقوال وآثار سلف پر ہی اعتماد کیا گیا اور عقلی افکار کی حیثیت ثانوی (Secondary) ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بجا ہوگا کہ امام سیوطیؒ نے ایک اور مفسر حضرت جلال الدین المحلّی کے ساتھ مل کر تفسیر بالرائی بھی تصنیف فرمائی جو ''تفسیر جلالین'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ اِس تفسیر الجلالین کے متعلق تفصیل ''کُتبِ تفسیر بالرائی'' کے زیرِ عنوان بیان کی جائے گی۔

15- تفسیر القرآن بالرّأی

سوال:66:۔ تفسیر القرآن بالرأی سے کیا مراد ہے اوراس کے متعلق علماء کا موقف بیان کرو؟

جواب:۔تفسیر القرآن بالرأی کا مفہوم:۔لفظ''الرأی'' کا اطلاق اعتقاد واجتہاد اور قیاس پر کیا جاتا ہے۔اور قیاس(Anology) کے قائلین کو اصحاب الرأی کہا جاتا ہے۔لہذا تفسیر بالرأی سے وہ تفسیر قرآن مراد ہے جو اجتہاد (Interpretation) کی مدد سے کی جائے۔ یہ اُسی صورت ہی میں ممکن ہے جب مفسر عربوں کے اسلوبِ کلام،عرب الفاظ اوران کے وجوہِ دلالت سے بخوبی آ گاہ ہو۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اشعارِ جاہلی،اسبابِ نزول،ناسخ ومنسوخ اوراُن اُمور سے نابلد(ناواقف) نہ ہو جو مفسر کے لئے ناگزیر ہیں۔

تفسیر بالرأی سے متعلق علماء کا موقف:۔

علماء قرآنِ کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کرنے کے سلسلہ میں شروع ہی سے مختلف الخیال رہے ہیں۔اِس ضمن میں اُن کے نظریات ایک دوسرے کی ضِد ہیں!

۔ علماء کی ایک جماعت اِس سلسلہ میں تشدد سے کام لیتی ہے اور تفسیر قرآن کی بالکل اجازت نہیں دیتی حالانکہ قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں احادیثِ نبویہؐ اور آثارِ صحابہؓ وتابعینؒ کی جانب رجوع کرنا چاہیئے جو نزولِ قرآن کے شاہدِ عدل تھے۔

۔ اِس کے برعکس علماء کی دوسری جماعت یہ نظریہ رکھتی ہے کہ قرآن کی تفسیر اپنے اجتہاد کے ساتھ کی جاسکتی ہے اِس میں کوئی مضائقہ نہیں۔کیونکہ''ظنی''(قیاس) جانب راجح معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔''ظن''اُس وقت ممنوع ہوتا ہے جب قطعی ویقینی علم یعنی شرعی نصوص میں کوئی قطعی نص(تواتر) موجود ہو یا ایسی عقلی دلیل پائی جاتی ہو جو مفیدِ یقین ہو۔مگر جہاں یقین کا امکان نہ ہو وہاں''ظن''(قیاس) ہی کافی ہے۔ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ظن پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے فرمایا!

1- لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:2:286) اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف (شرعی) نہیں دیتا۔

2- كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ (صٓ:38:29) یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا تاکہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں۔حضور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح اجتہاد کرنے والے کو دو اَجر اور خطا کرنے والے کو ایک اَجر کا مستحق قرار دیا۔(حدیث)

چنانچہ جب آپؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ فرمایا تو حضرت معاذؓ سے دریافت فرمایا ''آپ'' کو پیش آمدہ اُمور کا فیصلہ کیوں کر کریں گے''؟ تو حضرت معاذؓ نے جواب میں کہا ''کتاب اللہ (قرآن) کی روشنی میں''۔ فرمایا، ''اگر کتابِ الٰہی میں اس کا حل موجود نہ ہو تو پھر''؟ کہا ''سنتِ رسول ﷺ کے مطابق''۔ فرمایا، ''اگر اُس (سنت) میں بھی وہ مسئلہ موجود نہ ہو تو''؟ حضرت معاذؓ کہنے لگے ''میں اجتہاد (قیاس جائز) سے کام لوں گا''۔ اِس جواب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو شاباشی دی اور فرمایا ''اللہ کا شکر ہے جس نے میرے فرستادہ (قاصد Envoy) کو احکامِ خداوندی پر چلنے کی توفیق بخشی''۔

اب ذرا حضرت امام راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ کے اس بیان پر بھی غور کریں جو انہوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ (Preface) میں دونوں فریقوں (موافقین بالرائی اور مخالفین) کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے!

''یہ دونوں مذہب (فریقین) دراصل افراط وتفریط پر مبنی ہیں۔ جس نے تفسیرِ منقول پر انحصار کیا اس نے تفسیر کے نہایت ضروری حصہ کو نظر انداز کر دیا۔ اور جس نے ہر کس وناکس کو تفسیر قرآن کی اجازت دی اُس نے کتابِ عزیز کو اختلاط وامتزاج کا (خلط ملط کر دینے) نشانہ بنا دیا۔ گویا اس نے قرآن کریم کی آیت لِّيَدَّبَّرُوٓا اٰيٰتِهٖ (تاکہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں) (ص:29:38) کا صحیح مفہوم ہی نہیں سمجھا''۔

مندرج صدر قول سے معلوم ہوتا ہے نقلی تفسیر بالماثور تک محدود رہنا تفریط (Lower Extremity) ہے۔ اور ہر شخص کو تفسیر قرآن کا مجاز ماننا کھلی چھٹی دینے کا نام بلا شبہ افراط (Upper Extremity) ہے۔ اوسط (Moderate) طریقہ یہ ہے کہ رائے یا قیاس (اجتہاد) کو قرآن وسنت کے تابع وموافق رکھنا۔

سوال:67:۔ موافق اور مخالف بالرائی تفسیر علماء کے دلائل وبراہین کا تجزیہ کیا جائے تو کیا حقیقت نمایاں ہوتی ہے۔ اُس پر تشریحاً روشنی ڈالو؟

جواب:۔ دونوں فریقین (موافق ومخالف بالرائی تفسیر) کے براہین ودلائل کا تجزیہ (Analyis) کیا جائے تو یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اختلاف ونزع صرف لفظی (Literal) ہے حقیقی (Real) نہیں۔

اس کی تشریح حسبِ ذیل ہے!

1- رائے بمعنی قیاس واجتہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ رائے کلامِ عرب کے موافق اور کتاب (قرآن) اور سنت سے ہم آہنگ (موافق ہو ٹکراؤ نہ ہو) اور اس ''رائے'' میں تفسیر قرآن کے تمام ضروری شرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ اس قسم کی رائے (Anology) بلا شک وشبہ جائز اور دُرست (Safe & Permissible) ہے۔ جن علماء نے تفسیر بالرائی کی

اجازت دی ہے اُن کی مراد اِسی قسم کی ہی ''رائے'' سے ہے۔

2- دوسری قسم کی ''رائے'' وہ ہے جو قوانین عربیت کے خلاف ہو اور شرعی دلائل سے میل نہ کھاتی ہو اور اِس رائے میں تفسیری شرائط کا فقدان (Absence) ہو۔ اِس دوسری قسم کی ''رائے'' بلا شبہ ممنوع و مذموم (ناجائز و لائق مذمت) ہے۔ اِس مذموم رائے کے حامیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''تم کتاب اللہ کی طرف دعوت دینے والی ایسی قوموں کو پاؤ گے جو بذاتِ خود کلامِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال چکی ہیں۔ ایسے حالات میں تم علم و دلیل کے دامن کو تھامے رکھنا اور بدعات وتکلف سے احتراز کرنا''۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے فرمایا کہ!

''جس سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو روزِ قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی''۔(حدیث) (مقدمہ اصول تفسیر ابن تیمیہؒ)

مندرجہ صدر تشریح و بیان سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تفسیر بالرائی کی دو قسمیں ہیں۔

1- ایک قسم جائز و دُرست (Proper & Safe)

2- دوسری قسم مذموم وناروا (Contemptible & Prohibited)

پھر یہ کہ تفسیر کی جو قسم جائز و دُرست ہے اس کی چند حُدود و قُیود (Limitations) ہیں۔

لہذا اب یہ بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ مفسر کے لئے کن علوم کا جاننا از بس ناگزیر (Extremely inevitable) ہے۔ نیز وہ کون سے اوصاف، ہیں کہ اندر پائے جاتے ہیں تو وہ مفسر نہیں رہتا۔ اس کی تفصیلات کے لئے **مقدمہ تفسیر قرطبی، الاجیاء للغزالی، الاتقان، مقدمہ تفسیر راغب اصفہانی، مقدمہ اصول تفسیر ابن تیمیہ اور مقدمہ تفسیر صدیقی** ملاحظہ فرمائیں۔

15.1- تفسیر بالرائی کرنے کے لئے اصول وقواعد:۔

سوال:68:۔تفسیر بالرائی کرنے والے پر کن اصول وقواعد کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور کسی صورت میں بھی ان سے عدول (Non-Compliance) نہ کرنا چاہیئے؟

جواب:۔تفسیر بالرائی کرنے والے مفسر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ حسبِ ذیل اصول وقواعد کو ہر صورت میں ملحوظ رکھے تاکہ تفسیر بالرائی جائز اور دُرست ہو۔

1- تفسیر اور آیات (قرآن کا وہ حصہ جس کی تفسیر کی جارہی ہو) میں یگانگت اور موافقت ہونی چاہیئے۔تفسیر ایسی

نہیں ہونی چاہیئے جس سے قرآن کا اصل معنیٰ ومفہوم ہاتھ سے جاتا رہے۔

2- کلام الٰہی کی اصل غرض وغایت(Aims & Objectives) کونظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔

3- قرآنی آیات کے باہمی توافق وتطابق (مطابقت) کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے یعنیٰ ایک آیت کے آخری حصہ کا جوربط وتعلق دوسری آیت کے ابتدائی کلمات کے ساتھ ہو، اُس کو واضح کیا جائے تاکہ قاری یہ تاثر لے کہ قرآن کریم ایک مربوط ومتصل (جامع) کتاب ہے اوراس کے اجزا باہم ملے جلے ہیں۔

4- تفسیر میں حقیقی ومجازی (Real and Metaphorical) دونوں معنوں کوملحوظ رکھنا چاہیئے کیونکہ بعض اوقات کسی کلام کے مجازی معنیٰ مراد ہوتے ہیں اورحقیقی مفہوم مراد لینا دُرست نہیں ہوتا۔

5- اسبابِ نزول کوپیش نظر رکھنا بھی مفسر کے لئے ضروری ہوجاتا ہے۔طریقہ یہ ہے کہ پہلے سابقہ آیت کے ساتھ اُس آیت کا ربط وتعلق واضح کیا جائے جس کی تفسیر کی جارہی ہو۔پھراس آیت کا سببِ نزول اوراس کے بعد اُس کی تفسیر کی جائے۔

6- ربط وتعلق اورسببِ نزول بیان کرنے کے بعد مفرد (Unique) الفاظ کی تحقیق کا آغاز کیا جائے کہ علمِ لغت، صَرف اور علمِ اشتقاق کے پیش نظر اس لفظ کی کیا حیثیت ہے۔ بعد ازاں ترکیبِ نحوی (Grammatical Aspect) کی جانب توجہ دی جائے پھرعلمِ معانی وبیان اور بدیع(Rhetoric Dealings) کے اصول وقواعد کے پیش نظراسے جانچا پرکھا جانا چاہیئے۔پھر یہ بیان کرے کہ اِس کلام سے مقصود دِربّانی (مرادِالٰہی) کیا ہے۔پھراس کے بعد اُس آیت سے کوئی شرعی مسئلہ (حکم) نکالا جاسکتا ہوتو نکالا جائے۔

7- مفسر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ضعیف روایات پرمبنی اسبابِ نزول وفضائل پرمشتمل من گھڑت واقعات اور اسرائیلیات کو بیان نہ کرے کیوں کہ اس سے قرآن کا حسن وجمال (Gracefulness) قائم نہیں رہتا اورلوگ (قاری) فکروتدبراورعبرت آموزی (پندونصیحت) سے دُورنکل جاتے ہیں اورقصہ کہانیوں میں اُلجھ کررہ جاتے ہیں۔

8- مفسر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ذہین وفطین(Intelligent & Intellectual) اور بیدارمغز(Wise) ہواور قانونِ ترجیح (Law of preferance) سے بھی آگاہ ہوکیونکہ جب آیت میں مختلف وجوہ (Reasons) کا احتمال (امکان) ہوتو وہ ایک وجہ کوترجیح دے سکے۔

9- مفسر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بے ضرورت اسبابِ نزولِ آیت کے تفصیلات پرزُور نہ دے بلکہ اُس آیت کو عصرحاضر کے حالات پرمنطبق کرکے یہ بتلائے کہ اس کا اطلاق کل بھی تھا، آج بھی ہے اورآئندہ بھی ہوگا کیونکہ قرآن

کریم ایک ہمہ گیر اور آخری ضابطہ حیات ہے جو رسول کریم ﷺ پر نازل ہوا اور اس کے قوانین کا اطلاق قیامت تک کے واقعات پر ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ وقتِ نزول رہا ہو۔ اور یہ حقیقت بھی ہے۔ غور کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہم مسلمان ہر زمانے میں یا تو رسول کریم ﷺ کے عہد کے مکّی جیسے حالات سے دوچار ہیں یا پھر مدنی جیسے حالات ہیں جن حالات میں قرآن حکیم نازل ہوا تھا۔ تو پھر قرآن حکیم کا اسلوب واطلاق ہر دَور کے لئے یکساں اور لاگو ہوگا۔ یہی تو اعجازِ قرآن ہے۔ جو دوسری آسمانی کُتب میں نہیں پایا جاتا۔

15.2- مفسر (تفسیر بالرأی) کے لئے ضروری عُلوم:۔

سوال:69:۔ ایک مفسر جو منقولات سے مدد لئے بغیر تفسیر بالرأی کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے کون کون سے عُلوم پر مہارت کی ضرورت اور لزوم ہے؟

جواب:۔ تفسیر بالرأی کرنے کے لئے مفسرین نے حسبِ ذیل عُلوم (Fields of knowledge) میں ماہر ہونے کی شرط لگائی ہے تاکہ اِن عُلوم کی روشنی میں قرآنِ حکیم کی جائز اور دُرست عقلی تفسیر کر سکے۔ مفسرین کی رائے میں یہ عُلوم بمنزلہ آلات واسباب (Tools & Instruments) کے ہیں جو مفسر کی غلطی کے مرتکب ہونے سے محفوظ رکھتے ہیں اور فہمِ قرآن کے سلسلہ میں بڑی حد تک مدد ومعاون (کارآمد ومددگار) ہیں!

1- علمِ لغت 2- علمِ نحو 3- علمِ صَرف 4- علمِ الاشتقاق 5- علمِ معانی، بیان وبدیع 6- علم القراءت
7- علم الکلام 8- علم القصص 9- علم الناسخ والمنسوخ 10- علم حدیث 11- مفرد الفاظ کا فہم وادراک
12- اسلوبِ قرآن 13- عالمِ احوال البشر 14- قرآن کریم کا طریق دعوت 15- سیرت رسول کریمؐ وصحابہؓ
16- اصول فقہ 17- علمِ حقیقت ومجاز اور ترجیح 18- علم منطق وفلسفہ اور اصول تاویل
19- اسبابِ نزول 20- دادِ ربّانی (علمِ لدنی)

1- **عِلمِ لُغَتْ** (Literal Science):۔ علمِ لغت کی مدد سے معلوم کیا جاتا ہے کہ فلاں مفرد لفظ کو کس معنیٰ کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ لغت سے معمولی آشنائی کافی نہیں بلکہ خصوصی وسعت ومہارت ضروری ہے۔ کیوں کہ بعض الفاظ مشترک ہوتے ہیں اور اُن کے کئی معنیٰ ہوتے ہیں۔ مفسر کو اُن تمام معانی سے وقفیت ضروری ہے تاکہ قرآن میں جو معنیٰ مراد ہو اُس سے آگاہ ہو سکے۔

2- **عِلمِ نحو** (Syntactical Knowledge):۔ مفسر کے لئے ''علمِ نحو'' میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اعرابی حالت کی تبدیلی سے بھی معنیٰ میں فرق آجاتا ہے۔ بسا اوقات آیت کو غلط معنیٰ پہنا کر اپنی ہلاکت کا

سامان بہم پہنچاتا ہے۔

3- **عِلمِ صَرف** (Grammatical Knowledge):۔علمِ صَرف ہی کی مدد سے کسی لفظ کے وزن اور صیغے کا پتہ چلتا ہے۔اس لئے اس علم کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔مثلاً'' وَجَدَ ''ایک مبہم کلمہ ہے جب اس کے مشتقات کو دیکھا جائے گا تو اُس کے معنیٰ ومفہوم کا پتہ چلے گا۔

4- **عِلمِ اشتقاق** (Etymology):۔علم الاشتقاق کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ جب کوئی اسم دو مختلف مادّوں سے مُشتَق ہو تو اس کے مشتقات سے مادّہ کے فرق واختلاف کا پتہ چل جاتا ہے مثلاً'' **مسیح** '' ایک اسم ہے۔اس کے لئے دو مادّے ہو سکتے ہیں 1- سیاحت اور 2- **مسح** پہلے مادّہ کے اعتبار سے مسیح کے معنی ہونگے ''سیاحت کرنے والا'' ۔دوسرے مادّہ کے لحاظ سے اس کے معنیٰ ہونگے ''چھونے والا''یعنی جس کے چھونے سے مریض تندرست ہو جائے۔

5- **عِلمِ مَعانِی ، علم بیان اور علمِ بدیع** (Branch of Rhetoric dealing of language):۔ہر سہ علم یعنیٰ معانی، بیان اور بدیع کو علم البلاغت کہا جاتا ہے۔'' **عِلمِ مَعانِی** '' کی مدد سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کلام کی مخصوص ترکیب سے کیا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

'' علم بیان '' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آیا فلاں قسم کی ترکیب اپنا مفہوم ادا کرنے میں واضح ہے یا پوشیدہ ہے۔ ''علم بدیع'' کی مدد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کلام کو حسین اور پُرکشش کیوں کر بنایا جا سکتا ہے۔یہ تینوں عُلوم مفسّر کے لئے بے حد لازمی ہیں۔

6- **عِلمِ قراءت** (Phonetics of Recitation):۔ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بعض الفاظ کی قراءت میں کس قدر وجوہ (Essence) کا احتمال ہے اور اُن میں قابلِ ترجیح پہلو کون سا ہے۔

7- **عِلمِ کلام** (Dogma):۔''علم کلام'' کی بدولت مفسّر یہ جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کون سی چیز واجب، کون سی مناسب اور کون سی محال اور غیر موزوں ہے۔اس کلام کی مدد سے اُن آیات کو صحیح طور سے سمجھا جا سکتا ہے جن آیات میں نبوت اور دیگر عقائد وافکار کا ذکر کیا گیا ہے۔اِس علم کے بغیر مفسّر کو غلطی میں مبتلا ہونے کا ہر وقت خطرہ دامن گیر رہتا ہے۔

8- **عِلمُ الْقِصَصُ** (Hisrtorical Awareness):۔''علم القصص''اس لئے ضروری ہے کہ قرآن میں جو واقعات وقصص بیان کئے گئے ہیں اُن کے تفصیلات معلوم ہو جانے سے بھی آیات کے مجمل مفہوم کی توضیح (Clarification) ہو جاتی ہے۔

9- **علم الناسخ والمنسوخ** (Abrogational Aspects):۔ناسخ ومنسوخ کا علم حاصل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی کون سی آیت ''محکم'' ہے اور کون سی نہیں۔بعض اوقات ایک منسوخ (Abrogated) حکم کے مطابق فتویٰ دے کر خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا ارتکاب کا احتمال (امکان) رہتا ہے۔

10- **علم حدیثِ نبویؐ** (Science of Narration of Hadiths) :۔مفسّر کے لئے علم وفنِ حدیث میں مہارت بھی ضروری ہے اِس لئے کہ احادیثِ نبویہؐ سے قرآن حکیم کے مجمل ومبہم (Brief & Doubtful) مقامات کی توضیح (Explanation) ہوتی ہے۔

11- **مفرد الفاظ کا فہمِ ادراک** (Perception of particular words):۔تفسیر کے لئے اوّلین شرط یہ ہے کہ مفسّر قرآن عزیز میں وارد شدہ مفرد الفاظ کی حقیقت سمجھنے پر قادر ہو اور جانتا ہو کہ اہلِ لغت نے ان کو کن معانی میں استعمال کیا ہے۔صرف لغت کے اقوال معلوم کر لینا کافی نہیں۔نزولِ قرآن کے زمانہ میں بکثرت الفاظ خاص معانی کے لئے استعمال کئے جاتے تھے بعدازاں ان کو دیگر مطالب کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔مگر بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک آیت یا لفظ معنیٰ ومطلب دوسری آیت سے سمجھا جائے۔ایک ہی لفظ قرآن میں متعدد مقامات پر وارِد ہو اور مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہو تو اس پر غور کیا جائے پھر سیاق وسباق (Context) پر غور کر کے دیکھا جائے کہ کون سے معنیٰ مراد لئے جاسکتے ہیں۔

12- **اسلوبِ قرآن** (Style of Quranic version):۔اسالیب کلام میں مہارت وبراعت بھی مفسّر کے لئے ضروری ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ مفسّر کلام بلیغ (قرآن) اور اُس کے نکات و محاسن (Signifcance) سے بخوبی واقف و آگاہ ہو اور جانتا ہو کہ متکلم (شارع) کا مقصد اُس کلام سے کیا ہے۔یہ بات بھی دُرست ہے کہ ہم کلامِ الٰہی کا مطلوب ومقصود پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔مگر استطاعتِ شرعی کی حد تک تو ہم قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے پر قادر ہیں اس کے لئے علمِ نحو اور معانی وبیان سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔صرف اِن علوم کا جان لینا کافی نہیں بلکہ عربی ادب کے درس ومطالعہ،عربی بول چال جو نحوی قواعد کے مطابق ہو اُس کی بھی ضرورت ہے۔

13- **عِلمِ احوالُ البشر** (Science of Human Being):۔مفسّر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم پر غائرانہ نگاہ رکھے۔اِس کے لئے ضروری ہے کہ بنی نوع انسان کے مختلف مراحل و ادوار اُن کے اسبابِ اختلافِ قوت وضعف،عزّت وذلّت،علم وجہل اور ایمان وکفر کے حالات سے بخوبی واقف ہو۔اس کے ساتھ ساتھ عالمِ علوی و سِفلی کے حالات سے بھی بے بہرہ نہ ہو اور تاریخ کے جملہ انواع (Varieties) میں مہارت تامّہ رکھتا ہو۔یہ اس لئے

بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید آخری کتاب ہے اور اِس میں مخلوقات کے احوال وطبائع (Nature) اور انسان کے بارے میں سننِ الٰہیہ (سنت الٰہی) کی تفصیلات مذکور ہیں۔ اِس میں سابقہ اقوام واُمم کے واقعات وحالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

14- **قرآن کریم کا طریقِ دعوت** (Method of Quranic Preaching):۔ مفسّر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اندازِ دعوت وتبلیغ سے آگاہ ہو۔ اُسے بخوبی معلوم ہو کہ دَورِ جاہلیت کے حالات کیسے تھے اور اسلام کے آنے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد آپ ﷺ کی ہدایت ورہنمائی سے کیا انقلاب بپا ہوا اور لوگ کس طرح کفر کی تاریکی سے نکل کر نورِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ مفسّر کے لئے اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ دینِ اسلام کی صحیح انداز میں قدر واہمیت کی ترجمانی کر سکے۔

15- **سیرتِ رسول کریم ﷺ و صحابہؓ** (Biography of Holi Profet & Sahaba):۔ مفسّر کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی سیرت اور اُن کے علم وعمل اور اُن کے دینی ودنیوی کارناموں سے پوری طرح بہرہ ور ہو۔

16- **اصولِ فقہ** (Islamic Jurisprudence):۔ مفسّر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصول وفنِ فقہ سے بخوبی آگاہ ہو۔ یہ اس لئے کہ اصولِ فقہ ہی وہ علم ہے جس کی بناء پر آیاتِ قرآنی سے مسائل واحکام کا استنباط (Inference) کیا جاسکتا ہے۔ اِس کے علاوہ عموم وخصوص، اطلاق و تقعید اور اَمر ونہی کا پتہ بھی اسی علم سے چلایا جاسکتا ہے۔

17- **عِلمِ حقیقت و مجاز اور ترجیح** (Knowledge of Metonymy & preference):۔ مفسّر کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ کلام کے حقیقی ومجازی پہلو سے اور ترجیح کی مختلف صورتوں سے بخوبی واقف ہو۔ یہ اس لئے کہ بعض اوقات کسی کلام (آیت) کے مجازی معنیٰ مراد ہوتے ہیں اور حقیقی مفہوم مراد لینا دُرست نہیں ہوتا۔

18- **عِلمِ منطق و فلسفہ اور اصولِ تاویل** (Logical science & interpretation):۔ مفسّر کے لئے ضروری ہے کہ علمِ منطق (Logic) اور فلسفہ اور اس کے اصول سے بھی آگاہ ہو۔ یہ اس لئے کہ مسائل میں بعض معنیٰ الفاظ کے تابع ہوتے ہیں اور بعض میں الفاظ معنیٰ کے مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ نقلیات یعنی قرآن و حدیث وقانون (فقہ) میں لفظ مقدم ہے اور الفاظ سے جیسے معنیٰ نکلتے ہیں وہی مراد لئے جاتے ہیں۔ فلسفہ میں معنیٰ مقدم ہیں۔ نقلیات میں تقسیماتِ اربعہ (اصولِ تاویل) کا جاننا ضروری ہے۔

19- **عِلمِ اسبابِ نزول** (Event of Revelation):۔ مفسّر کے لئے اسبابِ نزولِ آیت کا علم اس لئے ضروری

ہے کہ بعض اوقات سببِ نزول بڑی حد تک آیت کا معنیٰ ومفہوم سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

20- دادِ ربّانی (علمِ لدنی) (Inspired Knowledge):۔ یہ علم خاص عطیّہ ربّانی ہے یہ اُس شخص یا مفسّر کو نصیب ہوتا ہے جو علم کے ساتھ ساتھ اُس پر عمل صالح کا پابند ہوتا ہے اور تقویٰ کے عالی منازل پر فائز ہوتا ہے۔ اِس کے لئے اس کو علمِ تصوف واخلاق سے بخوبی واقف ہونا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ دادِ ربّانی (علمِ لدنی) کو امام سیوطیؒ اور دیگر علماء نے مفسّر کے لئے ضروری علوم میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے!

وَاتَّقُو اللّٰہَ ط وَ یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ ط (البقرہ:2:282)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (تقویٰ اختیار کرو) اور وہ (اللہ تعالیٰ) اُنہیں سکھاتا ہے (علم عطا فرماتا ہے)۔ اس آیتِ کریمہ میں اُسی علم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

علامہ زرکشی البرہانؒ کا قول ہے!

''خوب جان لو کہ وحی کے اسرار ورموز کسی شخص پر اُسی وقت منکشف ہو سکتے ہیں جب اس کا دل ودماغ بدعت، کِبر، ہوا و ہوس اور حُبّ دنیا سے خالی ہو۔ جب کوئی شخص کسی گناہ کرنے پر مُصر ہو یا ضعیف الایمان ہو یا کسی جاہل مفسّر کے قول پر اعتماد کرتا ہو یا اپنے عقلی ڈھکوسلوں پر یقین رکھتا ہو تو اُس پر وحی الٰہی کا راز کھل نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ سب حجابات اور موانع ہیں جن میں سے بعض زیادہ پختہ اور سنگین ہیں''۔ (الاتقان)

15.3- **قرآنی آیات اور اُن کے اقسام**:۔

سوال:70:۔ قرآن حکیم سیاق و سباق اور مختلف علوم کا لحاظ کرتے کتنی اقسام کی آیت پر مشتمل ہے ؟

جواب:۔ علوم واسرار کے لحاظ سے قرآن کریم کی حسبِ ذیل اقسام ہیں!

1- قسمِ اول میں حروفِ مقطعات جیسے **الٓمٓ** ، **کٓھٰیٰعٓصٓ** ، **عٓسٓقٓ** وغیرہ شامل ہیں۔ اِس قسم میں وہ اسرار داخل ہیں جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے یا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ حروفِ مقطعات قرآن حکیم کی سورتوں کے شروع میں وارد ہوئے ہیں۔

2- قسمِ دوم میں آیاتِ متشابہات شامل ہیں۔ اِس قسم میں وہ اسرار و رموز داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں (علماءِ حق) پر علم لدنی کے ذریعہ منکشف فرماتا ہے۔ اور وہ اِن آیات کی تاویل بجا طور پر کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

3- قسمِ سوم میں آیاتِ مبینات شامل ہیں جو احکام وعلومِ دین پر مشتمل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید

میں ودیعت (نازل) فرمائے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اُن کی تعلیم دیں (سکھائیں) تاکہ وہ آگے لوگوں تک اُن علوم کو پہنچائیں۔اِس کی پھر دو قسمیں ہیں!

ایک قسم تو وہ ہے جو شارع (رسول کریم ﷺ) سے سنے بغیر اس میں رائے زنی دُرست نہیں۔مثلاً اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، مختلف قسم کی قراءتیں، گزشتہ اقوام کے واقعات، آئندہ زمانے میں پیش آنے والے واقعات، حوادث اور حشر و نشر سے متعلق اُمور ہیں۔

b- دوسری قسم وہ ہے جس میں نظر واستدلال اور استنباط (Inference) سے کام لیا جاسکتا ہے جیسے شرعی احکام اور محکم واشارات کا استنباط جو ''مجتہدین'' کرتے ہیں۔پھر مجتہدین کے بھی اقسام ہیں۔پہلے مجتہدین مطلق (اربعہ) پھر مجتہدین فی المذہب پھر مجتہدین فی المسئلہ اور پھر اصحابِ ترجیح وغیرہ۔اجتہاد فی المسئلہ کا دروازہ ہر زمانے میں کھلا ہوا ہے۔تاکہ اقتضاء زمانہ کے لحاظ سے دین میں ارتقاء ورہنمائی جاری وساری رہے۔اِسی وجہ سے دینِ اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے جو ہمہ گیر ضابطہ حیاتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص (مفسّر) قرآن حکیم کی تفسیر بالرّأی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے مذکورِ بالا صدر علوم میں مہارت وبصیرت ضروری ہے۔جو فہمِ قرآن کے سلسلہ میں ممدّ ومعاون (Useful) اور اس کے اسرار و رموز (Secrets) کے حل وکشف کا ضروری وسیلہ ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ اِس امر کا بھی لازمی خیال رہے کہ مفسّر سب سے پہلے قرآن کی تفسیر قرآن ہی کی مدد سے کرے۔اگر اُس سے مدد نہ ہوسکے تو پھر حدیث نبوی ﷺ میں حل تلاش کرے، اس لئے کہ حدیثِ نبوی ﷺ قرآن کی شارح وترجمان ہے۔اگر کسی آیت کی حدیث سے بھی تفسیر نہ ہوسکے تو پھر اقوالِ صحابہؓ کی جانب رجوع کرے، اس لئے کہ صحابہؓ قرآن کریم کے معانی ومطلب کے سب سے بڑے عالم اور اُس کے ساتھ فہمِ کامل، علمِ صحیح اور عملِ صالح کی صفات سے متصف (بہرہ ور) ہیں۔اور یہ بات بھی بہت ممکن ہے کہ وہ تفسیر انہوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔مذکورہ مصادرِ تفسیر میں سے کوئی دستیاب نہ ہو تو مفسّر کے لئے آخری چارۂ کار یہ ہے کہ اپنی عقل وفکر سے کام لے اور مرادِ ربّانی معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ایسا کرتے وقت سابق الذّکر اصول و قواعد کو پیشِ نظر رکھے اور اُن تمام اُمور سے اجتناب کرے جو اُس کو مفسّر بالرّأی المذموم (ناجائز اور ناروا تفسیر بالرّأی کرنے والے مفسّر) کے زمرہ میں شامل کردے اور ہلاکت کا بعث ہوجائے۔

سوال:71:۔تفسیر بالرّأی میں غلطی کے وجوہ پر تبصرہ کرو؟

جواب:۔جو لوگ مسلکِ صحابہؓ و تابعینؒ سے ہٹ کر اور اُن اصول وقواعد اور بنیادی علوم سے بے نیاز ہوکر (پیشِ نظر نہ رکھ کر) جو ایک مفسّر کے لئے ازبس ضروری ہیں، قرآن کریم کی تفسیر بالرّأی کرنا چاہتے ہیں، اُن سے اکثر غلطیاں صادر ہوتی ہیں۔اِس کے حسبِ ذیل دو اسباب ہیں۔یہ دونوں بھی عصر صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد کی پیداوار ہیں۔

اوّل:۔مفسّر کا ایک خاص عقیدہ ہوتا ہے۔اور وہ قرآن کے الفاظ کو اُس کے تابع بنانا چاہتا ہے۔گویا جو چیز پیشِ نظر ہے وہ مفسّر کا اپنا عقیدہ ونظریہ ہے قطع نظر اِس کے کہ قرآنی الفاظ کا معنیٰ ومطلب کچھ بھی ہو۔تفسیر میں غلطی کے مرتکب اکثر باطل عقیدہ رکھنے والے اور اہلِ بدعت مفسرین ہی ہوتے ہیں۔

دوم:۔تفسیر میں غلطی کا احتمال اُس وقت ہوتا ہے جب قرآن کریم کے الفاظ کا صرف لغوی (Literal) اور ظاہری مفہوم مراد لیا جائے اور یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ کس نے کس پر اور کس مقصد کے لئے نازل کیا ہے۔دوسرے الفاظ میں متکلم، مخاطب اور سیاقِ کلام کی جانب مطلقاً توجہ نہیں دینے والے مفسّر سے غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے۔ایسی غلطی اُن مفسرین سے صادر ہوتی ہے جو تفسیر کے بنیادی اُصول وعُلوم سے عاری (دُور) ہوتے ہایں۔اِس غلطی کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مفسّر کسی لفظ کا مفہوم بیان کرتا ہے وہ بظاہر دُرست ہوتا ہے لیکن مراد و مقصودِ قرآن نہیں ہوتا۔اور ایک دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ مفسّر کے بیان کردہ معنیٰ غلط ہوتے ہیں مگر اِس کے باوجود وہ قرآن سے اسی مفہوم کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جن تفاسیر میں مذکورہ بالا غلطیوں کا احتمال ہو ایسے تفاسیر ''بالرأی مذموم'' اور ناروا کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف اُن غلطیوں سے پاک تفاسیر ''بالرأی جائز'' اور دُرست زمرہ میں شمار کئے جائیں گے۔

15.4- **مصادرِ تفسیر (بالرأی)** (Sources of Tafseer) :۔

سوال :72:۔تفسیر بالرأی کے سلسلہ میں کن مصادرِ تفسیر کی جانب رجوع کرنا چاہیئے تا کہ تفسیر جائز اور مقبول ہوسکے ؟تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرأی میں تعارض اور ترجیح پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔ تفسیر بالرأی کے لئے مصادر وماخذ حسبِ ذیل ہیں تا کہ تفسیر جائز اور دُرست قرار پائے۔

1- تفسیر القرآن بالقرآن 2- تفسیری حدیثِ نبوی ﷺ 3- تفسیری روایاتِ صحابہؓ و تابعینؒ

4- لغت سے احتجاج 5- خداداد فہمِ قرآن۔

1- **تفسیر القرآن بالقرآن**:۔ تفسیر القرآن کا اوّلین مصدر و ماخذ خود قرآن کریم ہی ہے۔کسی آیت کی تفسیر کرتے وقت سب سے پہلے قرآن پر ایک گہری نگاہ ڈالی جائے۔بعض آیات ایک جگہ مجمل (خلاصہ کے طور پر) ہوتی ہیں اور دوسری جگہ تفصیلاً مذکور ہوتی ہیں۔اس لئے مجمل آیات کی تفصیل کو مفصل آیات کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اِس کو ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کہتے ہیں۔جو مفسّر اِس قاعدہ کو ملحوظ نہیں رکھتا اور اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔وہ خطا کار ہے اور اس کی رائے مذموم (Contemptible) ہے۔

2- **تفسیر حدیثِ نبویؐ**:۔ تفسیر کا دوسرا ماخذ حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔مگر حدیثِ رسول ﷺ سے تفسیر کرتے وقت ضعیف اور موضوع (Fabricated) روایات سے احتراز کیا جائے۔اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی ہو تو اُس حدیث سے انحراف (Deviation) کر کے اپنی رائے سے کام نہ لیا جائے۔اِس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تفسیرِ قرآن کے لئے منجانب اللہ تعالیٰ مامور ہیں۔جو مفسّر حضور ﷺ کی صحیح حدیث کو نظر انداز کر کے اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے تو اُس کی رائے قابلِ مذمت (مذموم) ہے۔

3- **تفسیری روایاتِ صحابہؓ و تابعینؒ**:۔صحابہؓ و تابعینؒ سے جو صحیح تفسیری روایت منقول ہوں اُن سے احتجاج (استدلال) کیا جائے۔البتہ تمام اقوال جو صحابہؓ و تابعینؒ کی جانب منسوب (Attribute) ہیں اُن سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔اِس لئے کہ بکثرت جھوٹے اقوال کو بھی صحابہؓ و تابعینؒ کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے۔اگر صحابہؓ و تابعینؒ کا کوئی صحیح قول موجود ہو تو اُسے چھوڑ کر اپنی رائے سے تفسیر کرنا دُرست نہیں۔کیونکہ صحابہؓ کتاب اللہ کے عالِم اور اس کے اسرار و رموز (Secrets) کے مَحرم (جاننے والے) اور اس کے احوال و قرآئین کے زندہ گواہ رہے ہیں۔خصوصاً اکابر صحابہؓ قرآنِ حکیم کے فہمِ کامل اور علمِ صحیح سے بہرہ ور ہیں۔مثلاً خلفاء راشدینؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ۔

4- **تفسیر کے لئے لغت** (Dictionary) سے احتجاج (استدلال) کرنا چاہیئے۔چنانچہ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب ''شعب الایمان'' میں حضرت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ''میرے پاس کوئی ایسا مفسّر لایا جائے گا جو لغتِ عرب سے بے بہرہ (واقف) نہ ہونے کے باوجود وہ قرآن کی تفسیر کرتا ہوگا تو میں اُسے عبرتناک سزا دوں گا۔

5- **خداداد فہمِ قرآن**:۔ بہت سی آیاتِ قرآنیہ ایسی ہیں جن کا معنی و مفہوم دقیق اور پوشیدہ (Minute & Secret) ہیں اور اس کے مطالب سے صرف وہی شخص بہریاب ہوتا ہو جو نورِ بصیرت رکھتا ہو۔حضور کریم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں اِسی بات کی دُعا فرمائی ہے کہ ''اے اللہ اِسے دین کی سمجھ عطا کر اور اسے قرآن کی تاویل سکھا دے''۔لہٰذا قرآن کریم کے مقتضیات (Demand) اور روحِ شریعت کے پیشِ نظر بھی قرآن کی تفسیر اجتہاد و استنباط سے کی جاتی ہے اگر قیاس و اجتہاد (Anology) تابع قرآن و حدیث ہو تو جائز اور دُرست ہوگا۔ ورنہ مذموم اور ممنوع ہوگا۔

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرأی میں تعارض:۔

تفسیر بالرأی جو ممدوح و مقبول (جائز و دُرست) اور تفسیر بالماثور یعنی تفسیر عقلی اور نقلی کے مابین تعارض و

تخالف (Confrontation) پایا جاسکتا ہے تو اُس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں!

1- جب کے ایک قطعی اور دوسری ظنی ہو۔ 2- جب کہ دونوں ظنی ہوں۔

پہلی صورتِ تعارض میں جو قطعی (یقینی) ہے وہ ظنی سے مقدّم (بہتر) ہوگی۔اس لئے کہ قطعی ظنی کے مقابلہ میں راجح اور قوی ہوتی ہے۔

دوسری صورتِ تعارض میں اگر عقلی و نقلی میں جمع و تطبیق (Likening & Comparision) ممکن ہو تو قرآنی الفاظ کو اس پر محمول (Attribute) کیا جائے گا۔اور اگر تطبیق (Comparision) کا کوئی امکان نہ ہو تو تفسیرِ منقول (الماثورا) کو ترجیح دی جائے گی، بشرطیکہ روایتِ صحیحہ سے ثابت ہو۔اُسی طرح صحابہؓ کے اقوال کو بھی ترجیح دی جائے گی۔ یہ اِس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اقوالِ صحابہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ (احکام وفرمان سے) ہوں۔ اور پھر یہ کہ صحابہ کرامؓ اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال اور نزولِ قرآن کے چشمِ دید گواہ ہیں اور قرآن کریم کا صحیح فہم رکھتے ہیں۔

اب رہا اقوالِ تابعینؒ تو اس میں حسبِ ذیل ترجیحی صورتیں ہوں گی!

1- اگر تابعیؒ اہلِ کتاب سے نقل و روایت میں معروف (مشہور) ہو تو عقلی (بالرأی) تفسیر کو ترجیح دی جائے گی۔

2 - اور اگر تابعیؒ اہلِ کتاب سے استفادہ میں مشہور نہ ہو اور روایتِ تابعیؒ عقلی تفسیر سے متصادم (Confrontation) ہو تو ایسی صورت میں تابعیؒ کی روایت کو ترجیح کی جانب رجوع کیا جائے گا۔

3- اگر عقلی تفسیر اور تفسیر ماثورا میں سے کسی ایک کی تائید سامعی دلیل یا استدلال سے پوری ہوتی ہو تو اس کو دوسری تفسیر کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گا۔

4- اگر عقلی اور نقلی تفسیر دونوں کے دلائل وشواہد باہم متعارض (Incompitable) ہوں تو دونوں کے قبول کرنے میں توقف سے کام لیا جائے گا۔پھر ہم مرادِ ربّانی پر ایمان رکھیں گے،مگر اس کے تعین سے اجتناب کریں گے اور اُس کی حیثیت ایسے مجمل اور مشبہ حکم کی ہوگی جس کی تفصیل و توضیح نہ کی گئی ہو۔

16- مشہور کتبِ تفسیر بالرأی الجائز

سوال:73:۔ چند اہم کتبِ تفسیر بالرأی الجائز کے نام اور اُن کے مفسرین کے اسماء کا ذکر کرو؟

جواب:۔ عصرِ تدوین کے آغاز کے ساتھ دیگر عُلوم جن میں تفسیرِ قرآن بھی شامل ہے، تدوین سے آراستہ ہوئے۔ نتیجتاً تفسیر بالرأی جو قسمِ جائز اور مقبول سے ہے اُس کے مطابق بکثرت تفاسیر معرضِ ظہور میں آئیں۔ لیکن بعض کُتب محفوظ رہیں اور بعض گردشِ ایام کے باعث صفحۂ گیتی (دنیا) سے مٹ گئیں۔

جن کُتبِ تفسیر کو تبصرہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے اُن میں سے ہر کتاب ایک مخصوص رجحان اور خاص رنگ کی نمائندگی کرتی ہے مثلاً بعض پر علمِ نحو کا رنگ نمایاں ہے اور بعض فلسفہ وعلمِ کلام کے شاہکار ہیں، بعض میں اسرائیلیات کی کثرت ہے اور ایسی بھی تفسیر ہے جو تمام اسالیب واطوار کو اعتدال کے ساتھ سمائی ہوئی ہے۔ حسبِ ذیل جملہ تفسیر بالرأی کی اُس قسم سے تعلق رکھتی ہیں جو جائز اور قابلِ قبول ہیں

1- مفاتیح الغیب	از امام رازیؒ	متوفی 606ھ
2- انوار التزل و اسرار التاویل	از حضرت بیضاویؒ	متوفی 685ھ
3- مدارک التنزیل و حقائق التاویل	از حضرت نَسِفیؒ	متوفی 701ھ
4- لباب التنزیل فی معانی التنزیل	از حضرت خازنؒ	متوفی 741ھ
5- البحر المحیط	از حضرت ابو حبانؒ	متوفی 745ھ
6- غرائب القرآن و رغائب الفرقان	از حضرت نیشا پوریؒ	متوفی 728ھ
7- تفسیر جلالین	از حضرت جلال الدین محلیؒ	متوفی 864ھ
	از حضرت جلال الدین سیوطیؒ	متوفی 911ھ
8- السّراج المنیر للخطیب	از حضرت الشَربینیؒ	متوفی 998ھ
9- ارشاد العقل السَلیم الیٰ مزایا الکتاب الکریم	از حضرت ابو السعودؒ	متوفی 982ھ
10- رُوح المعانی	از حضرت آلوسیؒ	متوفی 1252ھ
11- تفسیر صدیقی	از بحر العلوم محمد عبدالقدیر صدیقیؒ	متوفی 1381ھ

الغرض یہ ہیں چند وہ تفاسیر (اہل سنت) جو تفسیر بالرأی جائز وصحیح کے دائرہ میں محدود رہ کر قلمبند کی گئیں۔ اس میں شبہ

نہیں کے اِس طرز و انداز پر کچھ اور کتب تفسیر بھی تحریر کی گئی ہیں اور وہ بھی شہرت و اہمیت کی حامل ہیں۔ مگر خوفِ طوالت اُن کو یہاں درج نہیں کیا ہے۔

16.1- تفسیر ''مفاتیح الغیب'' امام رازیؒ

سوال:74:۔مفسر حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔ حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ:۔(تعارف)!

آپؒ کا اسم گرامی حضرت محمد بن عمر بن حسینؒ ہے، کنیت ابوعبداللہ، نسبت رازی اور لقب فخر الدین ہے۔ آپؒ ابن الخطیب شافعی کے نام سے معروف ہیں۔ آپؒ کا سنِ ولادت 544ھ ہے۔ آپؒ یگانہ روزگار، عالم ومتکلم زماں اور جامع العلوم رہے ہیں۔ آپؒ علمِ تفسیر، علم الکلام، علومِ عقلیہ اور علمِ لغت میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ علماء و طلبہ دُور دراز دیار و امصار (علاقوں) سے سفر کر کے آتے اور آپؒ سے استفادہ کرتے۔

حضرت امام رازیؒ نے اپنے والدِ محترم حضرت ضیاء الدینؒ سے کسبِ فیض کیا جو ''خطیب رے'' کے لقب سے معروف تھے۔ اِس کے علاوہ آپؒ نے حضرت کمال سمعانی المجد جیلیؒ اور بکثرت معاصر علماء (Contemporaries) سے استفادہ کیا۔ آپؒ عربی اور فارسی کے لاثانی خطیب (واعظ) بھی تھے اور وعظ کی حالت میں آپؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور اکثر رونے لگتے۔

آپؒ کے مختلف ومتعدد علوم میں لازوال تصانیف سے لوگ استفادہ کرنے لگے اور متقدمین کی کُتب کو نظر انداز کر دیا۔ اُن میں قابلِ ذکر تصانیف مندرج ذیل ہیں۔

1- مفاتیح الغیب ، (المعروف تفسیر کبیر) 2- المطالب العالیہ (علم کلام)
3- کتاب البیان والبرھان 4- المحصول فی اصولِ فقہ 5- المخلّص (علمِ فلسفہ)
6- شرح اشارات ابو علی سینا 7- شرح عیون الحکمۃ 8- السّر المکنون
9- شرح المفصل 10- شرح الو جیز فی الفقہ للغزالی اور دیگر تصانیف۔

حضرت امام رازیؒ شہر ''رے'' میں 606ھ میں زہر دے کر شہید کر دئے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فرقہ کرامیہ اور آپؒ میں عرصہ سے نزاع وجدال تھا اور یہی آپؒ کی سبب وفات وشہادت بنی۔ (وفیات الاعیان)

سوال:75:۔ تفسیر کبیر ''مفاتیح الغیب'' کے تعارف اور اِس کی خصوصیات کے بارے میں مختصر تبصرہ کرو؟

جواب:۔ تفسیر کبیر ''مفاتیح الغیب'' (تعارف):۔

تفسیر کبیر پہلے آٹھ جلدوں میں تھی جس میں جلد اول تفسیر سورہ فاتحہ ہے۔ یہ کتاب مصر کے مطبع الہیہ سے جملہ بتیس

(32) جلدوں میں نہایت حسین طباعت سے آراستہ شائع ہوچکی ہے۔

حضرت ابن قاضی شیبہؒ اور حضرت ابن خلکانؒ کے قول کے مطابق حضرت امام رازیؒ اِس تفسیر کو مکمل نہ کرسکے۔

حضرت ابن حجر عسقلانیؒ کے قول کے مطابق تفسیر کبیر کی تکمیل حضرت شیخ نجم الدینؒ متوفی 727ھ نے کی مگر صاحبِ کشف الظنون حضرت حاجی خلیفہؒ کے قول کے مطابق حضرت شیخ نجم الدینؒ اِس تفسیر کی مکمل تکمیل نہ کرسکے اور باقی ماندہ حصہ حضرت شہاب الدین دمشقیؒ متوفی 639ھ نے تحریر کیا۔اب سوال یہ ہے کہ امام رازیؒ یہ تفسیر کس سورت تک لکھ سکے تھے؟ اِس کے جواب میں حاشیہ کشف الظنون پر مرقوم (لکھا) ہے کہ حضرت سید مرتضٰی نے حضرت شہاب خفاجیؒ کی شرح ''شفا'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر سورۃ انبیاء تک تحریر فرمایا تھا۔

(کشف الظنون)

بہرحال پوری کُتبِ تفسیر میں اسلوبِ نگارش بدلنے نہیں پایا۔قاری یہ بات قطعاً محسوس نہیں کرتا کہ یہ ایک شخص کی تصنیف ہے یا اِس کے لکھنے والے ایک سے زیادہ اشخاص ہیں۔پوری کتاب اتحاد و یگانیت کا نادر نمونہ ہے۔اِس کتاب کو علماء کے حلقہ میں حدِ درجہ شہرت و قبولیت حاصل ہوئی۔چنانچہ حضرت ابن خلکانؒ فرماتے ہیں،''امام رازیؒ نے اِس تفسیر میں ہر انوکھی بات یکجا کردی ہے''۔ (وفیات الاعیان)

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں!

''امام رازیؒ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپؒ مخالفین کے شدید اعتراضات نقل کرتے ہیں مگر اُن کا شافی جواب نہیں دیتے''۔

حضرت امام رازیؒ نے خود اپنی کتاب ''نہایت العقول'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ!

''میں مخالف کے مذہب و مسلک کو ایسے زوردار الفاظ میں بیان کرسکتا ہوں کہ اگر میں خود بھی چاہوں تو اِس پر اضافہ نہ کرسکوں''۔ (لسان المیزان)

تفسیر کبیر کی خصوصیت:۔

آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ فقہاء کے مذاہب بیان کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید و حمایت میں بکثرت براہین و دلائل ذکر کرتے ہیں۔اُس کے ساتھ ساتھ علم الاصول،نحو اور بلاغت سے متعلق مسائل بھی ذکر کرتے ہیں اگرچہ وہ اتنے زیادہ نہیں ہوتے جس قدر ریاضی (Maths) کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت امام رازیؒ کی ''تفسیر کبیر'' علم الکلام اور علوم کونیہ و طبیعیہ کی انسائکلو پیڈیا معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی خلیفہؒ لکھتے ہیں!

''امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفہ کے اقوال کا مجموعہ بنادیا ہے وہ تفسیر سے اِس قدر دُور نکل گئے کہ قاری اِس کو دیکھ کر ورطۂ حیرت (حیرت کی انتہا) میں ڈوب جاتا ہے''۔ (کشف الظنون)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام رازیؒ جس بات کا آیتِ زیرِ تفسیر کے ساتھ ذرا بھی تعلق ہوتا تو آپؒ تحریر کر دیتے۔ تفسیر کبیر کا مقدمہ دیکھنے سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام رازیؒ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں!

''ایک دفعہ میری زبان سے یہ بات نکل گئی کہ سورۃ فاتحہ کے فوائد و نکات سے دس ہزار (10,000) مسائل نکالے جاسکتے ہیں۔ ایک جاہل حاسد نے اس کو مبالغہ اور لاف زنی (ہنسی) پر محمول کیا اور یوں سمجھا کہ جاہلوں کی طرح یہ بھی ایک گپ ہے۔ جب میں نے تفسیر کبیر کا آغاز کیا تو یہ مقدمہ اِس لئے لکھا تاکہ ثابت ہو سکے کہ جو بات میں نے کہی تھی وہ ممکنات میں سے ہے۔ (تفسیر کبیر)

16.2- انوار التنزیل و اسرار التاویل از بیضاویؒ

سوال:76:۔ مفسّر قرآن حضرت بیضاوی علیہ الرحمۃ کے تعارف کے بارے میں مختصر تذکرہ کرو؟

جواب:۔ **حضرت بیضاوی علیہ الرحمۃ**:۔ تعارف!

آپؒ کا نامِ نامی عبداللہ بن عمر بن محمد، کنیت ابوالخیر، لقب ناصرالدین اور نسبت بیضاوی ہے۔ آپؒ شافعی المسلک تھے اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب پر فائز رہے۔

حضرت ابن قاضیؒ لکھتے ہیں!

''حضرت بیضاویؒ کثیر التصانیف اور آذربائجان کے علاقہ کے عظیم ترین عالم تھے۔ آپؒ کو شیراز کا قاضی بھی مقرر کیا گیا تھا''۔ (شہبہ طبقات)

حضرت امام سُبکیؒ فرماتے ہیں!

''حضرت بیضاویؒ ایک عظیم امام بہت بڑے مناظر، عابد و زاہد اور شب بیدار تھے''۔

آپؒ کی مشہور تصانیف حسبِ ذیل ہیں!

1- کتاب المنهاج و شرح فی اصولِ فقه 2-کتاب الطوالع فی اصول الدین

3- انوار التنزیل و اسرار التاویل فی تفسیر۔ یہ تینوں کتابیں معروف اور علماء میں مقبول ہیں۔
بقول امام سُبکیؒ 691ھ میں اور حضرت ابن کثیرؒ کے نزدیک 685ھ میں آپؒ کا بمقام تبریز وصال ہوا۔

(طبقات المفسّرین . طبقات الشافعیه)

سوال:77:۔تفسیر قرآن ''انوار التنزیل'' کا تعارف اور اِس تفسیر کی خصوصیت پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل:۔ تعارف!

علامہ ناصرالدین بیضاویؒ کی یہ تفسیر متوسط الحجم اور تفسیر وتاویل دونوں کی جامع کتاب ہے۔ یہ تفسیر عربی زبان کے قواعد اور اہل سنت کے اصول و ضوابط پر مشتمل ہے۔ حضرت امام بیضاویؒ نے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور حضرت راغب اصفہانیؒ کی تفسیر سے بھرپور استفادہ فرمایا ہے۔ پھر اُس پر صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال وآثار کا اضافہ فرمایا اور عقلِ خدا داد کی مدد سے طبع زاد (قدرتی) نکات ولطائف شامل کئے۔ آپؒ کا اسلوبِ نگارش بڑا دلکش اور جاذبِ توجہ ہے۔ بعض جگہ آپؒ کی عبارت حد درجہ دقیق وعمیق (Minute and deep) ہے۔ آپؒ بعض اوقات مختلف قراءتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں مگر قراءتِ متواتر ہی کا التزام کرتے ہیں۔ صاحبِ کشف الظنون لکھتے ہیں!
''تفسیرِ بیضاویؒ مدح و توصیف سے بالا اور عظیم الشان کتاب ہے۔ اِس میں جو مباحث اعراب اور معانی و بیان سے متعلق ہیں، وہ تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔ حکمت و کلام سے وابستہ معلومات تفسیر کبیر سے لئے گئے ہیں۔
اشتقاق (Etymology) سے متعلقہ مسائل حضرت راغب اصفہانیؒ کی تفسیر سے متضاد ہیں۔ جو نکات و دقائق حضرت بیضاویؒ نے اپنی فکرِ رسا سے اختراع کئے ہیں وہ اُس پر مزید ہیں۔ چونکہ حضرت بیضاویؒ متبحّر عالم (جید عالم) تھے اِس لئے آپؒ کہیں توحسین و جمیل اشارات و استعارات کو بے نقاب کرتے ہیں اور کہیں معقولات کے اسرار و رموز (Secrets) کی پردہ دری کرتے ہیں۔ (کشف الظنون)

تفسیرِ بیضاوی کی خصوصیت :.

1- حضرت بیضاویؒ نے اپنی تفسیر میں نحوی مسائل سے تعرض (احتراز) کرتے ہیں اور بہت کم آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے فقہی مسائل کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ آپؒ امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید میں دلائل و براہین کا ذکر کرتے ہیں۔

2- جس آیت کا تعلق اہل سنت، معتزلہ اور خوارج کے نزاعی مسائل کے ساتھ ہوتا ہے وہاں آپؒ تینوں کا موقف بیان کرکے اہل سنت کے نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

3- حضرت قاضی بیضاویؒ اسرائیلیات کا تذکرہ بہت کم کرتے ہیں اور پھر اُس کے ضعف کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں۔ مگر جن آیات میں فلکیات اور اُمور طبیعیہ کا ذکر کیا گیا ہو اُن کی تفسیر کرتے ہوئے اُن مسائل میں ڈوب جاتے ہیں۔

4- حضرت جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر بیضاوی کے حاشیہ ''فوائد الابکار و شوارد الافکار'' میں لکھتے ہیں!'' قاضی ناصر الدین بیضاویؒ نے تفسیرِ کشاف کا بہت عمدہ خلاصہ تیار کیا اور معتزلی نظریات کو چھانٹ دیا ہے۔ اب یہ تفسیر آبِ زر کی طرح تابندہ و درخشندہ (Bright and splendid) اور آفتابِ نصف والنھار (دوپہر) کی طرح معروف و مشہور ہے۔ لوگوں نے اِس کو مرکزِ توجہ بنالیا ہے اور ثناخواں اِس تفسیر کی مدح و توصیف (Praise) میں رطب اللسان ہیں۔ علماء اِس کے درس و مطالعہ میں منہمک (ڈوبے ہوئے) ہیں اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ (الدخل المنیر شیخ مخلوف)

5- خداوندِ کریم نے اِس تفسیرِ بیضاوی کو حسنِ قبول سے نوازا اور علماء نے اپنی توجہات کا مرکز قرار دیا۔ چنانچہ بعض علماء نے اِس تفسیر کی ایک سورۃ پر حاشیہ (Marginal note) تحریر کیا اور بعض نے کامل کتاب پر حواشی تحریر کئے۔ اِس طرح اِس تفسیر کے حواشی کی تعداد چالیس (40) سے بھی زیادہ ہوگئی۔ مگر مشہور و مفید ترین حواشی صرف حسبِ ذیل تین ہیں۔

1- حاشیہ قاضی زادہ (جن کو شیخ زادہ بھی کہا جاتا ہے)۔

2- حاشیہ شہاب خفاجی۔

3- حاشیہ القونوی (کشف الظنون)

مختصر یہ کہ تفسیرِ بیضاوی کو امہاتِ کُتب تفسیر میں شمار کیا جاتا ہے۔ جو شخص قرآن حکیم کے مطالب و معانی اور اِس کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو وہ اِس کتاب سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ یہ تفسیر نہایت معروف اور ہر جگہ دستیاب ہے۔

16.3- تفسیر "مدارک التنزیل و حقائق التاویل"

از حضرت نَسَفیؒ

سوال:78:۔ حضرت نسفی علیہ الرحمۃ مفسّر قرآن کا مختصر تعارف بیان کرو؟

جواب:۔ حضرت نَسَفی علیہ الرحمۃ:۔تعارف!

آپؒ کا اسمِ گرامی عبداللہ بن احمد بن محمود، کنیت ابوالبرکات اور نسبت نَسَفی ہے۔مقامِ نسف ماوراءالنہر میں ایک شہر کا نام ہے۔آپؒ بڑے عابد و زاہد اور معتبر ائمہ میں سے تھے۔آپؒ حنفی المسلک تھے۔حدیثِ نبویؐ اور فقہ واصول کے یگانہ روزگار (اپنے وقت کے بہترین) امام رہے ہیں۔قرآن کریم کے زبردست مفسّر بھی ہیں۔آپؒ نے مشائخ عصر سے استفادہ فرمایا اُن میں شمس الائمہ حضرت کرویؒ اور حضرت احمد بن محمد عتابیؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔ آپؒ کے مندرجہ ذیل تصانیف مشہور ہیں!

1- متن الوافی فی الفروع 2- الکافی شرح الوافی 3- کنز الدقائق فی الفقه

4- المنار فی اصول الفقه 5- العمده فی اصول الدین 6- مدارک التنزیل و حقائق التاویل

(تفسیر) اور دیگر تصانیف جو علماء میں معروف ومتداول (رائج) ہیں۔

آپؒ کا وصال 701ھ میں ہوا اور علاقہ کردستان کے مقام اَیْرَج میں مدفون ہیں۔

(الدرر الکامنۃ۔الفوائد البھیّہ فی تراجم الحنفیہ)

سوال:79:۔امام نسفیؒ کی تفسیر" **مدارک التنزیل و حقائق التاویل** "کا مختصر تعارف اور اس کی خصوصیات پر تبصرہ کرو؟

جواب:۔"**مدارک التنزیل و حقائق التاویل**" تفسیر نسفیؒ :۔تعارف!

یہ تفسیر نہ بہت طویل نہ مختصر بلکہ متوسط القامت تفسیر ہے جو چار (4) اجزاء (حصوں) میں طبع ہو چکی ہے۔حضرت امام نسفیؒ نے اِس کو تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف سے اخذ کیا ہے۔البتہ کشاف میں جو معتزلہ عقائد مرقوم تھے اُن سے احتراز کیا اور مسلک اہلِ سنت پر گامزن رہے۔ہاں مگر تفسیر کشاف میں جو بلاغی نکات اور مُحسنات بدیعہ ہیں اُن کو اِس تفسیر میں سمولیا ہے۔آپؒ نے اِس تفسیر میں وجوہِ اعراب اور مختلف قسم کی قراءتوں کو یکجا کر دیا ہے۔اِس تفسیر کی عبارت مختصر اور سلیس (آسان) ہے۔گویا یہ تفسیر کشاف کے محاسن (خوبیوں) کی جامع اور اُس کے نقائص (خرابیوں) سے پاک ہے۔امام نسفیؒ بعض جگہ تفسیرِ بیضاوی کی عبارت بلا رد و بدل یا پھر بہت ادنیٰ تغیر کے

ساتھ نقل کر دیتے ہیں۔

تفسیرِ مدارک کی خصوصیات :۔

1- اِس تفسیر میں اِعراب و قراءت کے مختلف وجوہ و اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے تاہم اِس تفسیر میں نحوی مباحث (Synactical Discussion) بہت کم ہیں۔صاحبِ تفسیر مدارک قراءت سبعہ کا ذکر کر کے ہر قراءت کو اِس کے قاری کی جانب منسوب کرتے ہیں۔آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے اُن آیات سے متعلق فقہی مذہب ومسالک بھی بیان کرتے ہیں مگر آپؒ بڑی سرگرمی سے حنفی مسلک کی حمایت کرتے ہیں اور دوسرے مسالک کی پُرزُور تردید کرتے ہیں۔

2- اِس تفسیر میں اسرائیلیات بہت کم ہیں۔امام نسفیؒ جہاں بھی اسرائیلی روایت کرتے ہیں تو وہاں ہر جگہ نقد وجرح نہیں کرتے بلکہ صرف تبصرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔گویا امام نسفیؒ جو اسرائیلی واقعات عقائد پر اثر انداز ہوتے ہیں اُن کی تردید کرتے ہیں اور جو عقائد پر اثر انداز نہیں ہوتے ہوں اُن کو بلا تنقید ذکر کر دیتے ہین بشرطیکہ اُن اسرائیلی واقعات میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہو اور عقل و شرح سے بھی متصادم (Clashing) نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ تفسیرِ مدارک ہر جگہ ملتی ہے اور اہلِ علم میں معروف و مقبول ہے۔امام نسفیؒ کی دیگر تصانیف کی طرح لوگوں نے اِس تفسیر سے بھی بہت استفادہ کیا ہے۔

16.4- لُباب التاویل فی معانی التنزیل از خازنؒ

سوال:80:۔مفسّرِ قرآن حضرت خازن علیہ الرحمۃ کا تعارف اختصاراً کرو؟

جواب:۔ **حضرت خازن علیہ الرحمۃ** :۔

آپؒ کا اسم گرامی و نسب علاءالدین ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم ہے۔نسبت صوفی اور بغدادی ہے۔ آپؒ خازن کے نام سے مشہور ہیں اِس لئے کہ آپؒ دمشق (شام) کی ایک لائبریری کے انچارج تھے اور ''خازن الکتب'' لائبریرین (Librarian) کو کہتے ہیں۔آپؒ بغداد میں پیدا ہوئے اور سنِ ولادت 678ھ ہے۔ آپؒ شافعی المسلک تھے۔آپؒ نے ابتدائی تعلیم بغداد میں حضرت ابن دالیمیؒ سے حاصل کی۔پھر دمشق (شام) کو چلے گئے اور حضرت قاسم بن مظفرؒ اور حضرت وزیرہ بنت عمرؒ سے استفادہ کیا۔

حضرت ابن قاضی شہبہؒ کے قول کے مطابق ''آپؒ ایک عظیم عالم اور بہت بڑے منصف تھے۔آپؒ نے بعض تصانیف تلامذہ (شاگردوں) کو پڑھائی۔آپؒ نے مختلف عُلوم وفُنون میں متعدد کتابیں لکھیں''۔آپؒ کی مشہور

تصانیف حسبِ ذیل ہیں!

1- لُباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیرِ قرآن) **2- شرح عمدۃ الاحکام**

3- مقبول المنقول۔(یہ دس (10) ضخیم مجلدات میں ہے۔اِس میں علامہ خازنؒ نے مسند احمد وشافعی، صحاح ستہ، موطّا اور دارِقطنی کُتبِ حدیث کو یکجا کردیا اور اِس کو ابواب کے تحت مرتب کیا)۔

4- سیرتِ النبیؐ (طویل و ضخیم کتاب)

حضرت علامہ خازنؒ خوش مزاج صوفی بھی تھے۔آپؒ کا وصال 741ھ بمقام حَلب ہوا۔

(الدرر الکامنتہ ، طبقات المفسرین داؤدی)

سوال:81:۔ تفسیرِ خازن ''**لُباب التاویل فی معانی التنزیل**'' کا مختصر تعارف اور اُس کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔ ''**لُباب التاویل فی معانی التنزیل**'' (تفسیرِ قرآن):۔تعارف!

مفسّر حضرت خازنؒ نے اِس تفسیر کو امام بغویؒ کی تفسیر'' **معالم التنزیل**'' سے مختصر کیا، اور متقدمین (اگلوں) کی تفاسیر سے اِس پر مفید اضافہ بھی کیا۔خود آپؒ کا قول ہے!

''میں نے اِس تفسیر میں صرف نقل وانتخاب کی زحمت گوارا کی ہے، دیگر ہیچ (غیر اہم) اسانید کو حذف (Avoid) کردیا ہے اور بیجا طوالت سے احتراز کیا ہے''۔

تفسیرِ خازن میں منقول روایات کی بڑی کثرت پائی جاتی ہے اس کے علاوہ شرعی احکام کے دلائل و براہین بکثرت مذکور ہیں۔حضرت خازنؒ نے اِس تفسیر میں اسرائیلی واقعات و اخبار بیشتر تفسیرِ ثعلبی و دیگر کُتبِ سے نقل کی ہیں۔تفسیرِ خازن سات اجزاء (جلدوں) میں شائع ہوچکی ہے اور قصص و اخبار میں شغف (دلچسپی) رکھنے والے حضرات میں زیادہ مقبول ہے۔

تفسیرِ خازن کی خصوصیات:۔

1- تفسیرِ خازن کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہ ایسے اسرائیلی قصص واخبار سے پُر ہے جو علمِ صحیح اور عقلِ سلیم کی ترازو میں پورے نہیں اترتے۔خود حضرت خازنؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اِس کی نشاندہی فرمائی ہے۔بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مولّف کوئی قصہ نقل کرکے اِس کے ضعف وکذب پر روشنی ڈالتے ہیں۔

2- حضرت خازنؒ اپنی تفسیر میں غزوات النبی ﷺ کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔مثلاً سورۃ احزاب میں

جہاں غزوۂ خندق کا کر ہے اُن آیات کی تفسیر میں ایک مستقل فصل (Topic) میں اس غزوہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔اسی طرح سورۃ احزاب کی آیت 27 کی تفسیر میں حضرت خازنؒ نے غزوۂ قریظہ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

3- حضرت خازنؒ نے اپنی تفسیر میں فقہی مسائل و احکام کے ساتھ ساتھ فقہاء کے مذاہب و دلائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 226 (جولوگ اپنی بیویوں سے ''ایلا'' کرتے ہیں اُن کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے) کی تفسیر کرتے ہوئے مولّف نے پانچ (5) فرعی مسائل کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر خازن)

4- تفسیرِ خازن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مولّف نے وعظ گوئی، رقتِ قلب اور ترغیب وترتیب سے متعلق احادیث بکثرت بیان کی ہیں۔یہ اِس لئے کہ آپؒ صوفی منش مفسّر تھے اور صوفیانہ پہلو سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ تفسیرِ خازن مختلف تنوع (اقسام کے) عُلوم وفنون کی جامع کتاب ہے۔مگر چونکہ اِس کو اسرائیلیات کے ذکر و بیان میں شہرت حاصل ہوچکی ہے اِس کی وجہ سے اِس تفسیر پر کم ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔

16.5- البحر المحیط (تفسیرِ قرآن) از ابو حیانؒ

سوال:82:۔مفسّر حضرت ابوحیان علیہ الرحمۃ اور آپؒ کی تفسیر'' **البحر المحیط**'' کا مختصر تعارف بیان کرو اور اُس تفسیر کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔**حضرت ابو حیان علیہ الرحمۃ**:۔تعارف!

آپؒ کا اسم گرامی محمد بن یوسف بن علی، کنیت ابوعبداللہ، لقب اثیرالدین اور نسب اندلسی غرناطی ہے۔آپؒ ابوحیان کے نام سے معروف ہیں۔آپؒ کا سنِ ولادت 654ھ ہے۔آپؒ نے اندلس (اسپین) اور افریقہ کے اکثر علماء سے استفادہ فرمایا۔پھر سکندریہ پہنچ کر حضرت عبدالنصیر بن علی مریوطیؒ اور حضرت اسماعیل بن عبداللہ بلجیؒ سے قراءت کا درس لیا۔بعدازاں حضرت شیخ بہاءالدین بن نحاسؒ کے وابستۂ دامن ہوگئے۔آپؒ عِلمِ قراءت میں مہارت رکھتے تھے۔حضرت ابن حیانؒ کا قول ہے،''میں نے چار سو پچاس 450 اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔آپؒ کے تلامذہ میں بڑے بڑے ائمہ و مشائخ شامل ہیں۔آپؒ ایک عظیم شاعر اور لغوی (Literate) گزرے ہیں۔ عِلمِ صَرف ونحو (Field of Accidence and syntax) میں آپؒ یگانہ روزگار امام تھے۔عمر بھر اِن دونوں عُلوم کی خدمت کرتے رہے۔آپؒ نے لوگوں کو مشہور نحوی حضرت ابن مالکؒ کی کُتب کی جانب متوجہ کیا اور اُن کے تصانیف کی شروح حواشی (Marginal Explanation) لکھے۔آپؒ کو تفسیر و حدیثِ تراجم رجال اور معرفتِ طبقات میں بھی مہارت تامّہ حاصل تھی۔

حضرت ابوحبانؒ کی حسبِ ذیل تصانیف دُور دُور تک پھیل گئیں اور لوگوں نے خوب استفادہ کیا۔

1- البحر المحیط (تفسیرِ قرآن) 2- غریب القرآن 3- شرح التسهيل 4-نهايت الاعراب 5- خلاصه البيان۔ آپؒ نے قراءت کے فن میں کتاب شاطبیہ کے وزن پر ایک منظوم کتاب بھی تحریر کی تھی جو نہایت مختصر اور مفید ہے۔ آپؒ نے بالآخر شافعی مسلک اختیار فرمالیا تھے۔ آپؒ فلسفہ سے عاری (دُور)، اعتزال وتجسیم (Rationalism and Incarnation) کے عقائد سے پاک اور طریقِ سلف پر گامزن رہے۔ آپؒ کا وصال مصر میں 745ھ میں ہوا۔ (الدرر الكامنة)

تفسیرِ قرآن "البحر المحیط":۔ تعارف!

حضرت ابوحبانؒ اپنی تفسیر میں کسی بھی نحوی مسئلہ پر بڑی مہارت و براعت کے ساتھ اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ جو شخص بھی قرآن عزیز کے وجوہِ اعراب (نحوی مسائل) سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے یہ تفسیر اوّلین اور اہم ترین ماخذ (Source) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ کہ اِس تفسیر میں عِلمِ نحو کا غلبہ ہے مگر حضرت ابوحیانؒ نے دوسرے پہلوؤں کو بھی نظرانداز نہیں فرمایا۔ چنانچہ آپؒ نے مفردات (آیات) کے معانی و بیان، اسبابِ نزول، ناسخ ومنسوخ اور مختلف قراءتوں کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ قرآن حکیم کی بلاغت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیات الاحکام کی تفسیر اور فقہی جزئیات پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر اِس کے متعلق علمائے سلف وخلف (اگلے اور بعد) کے افکار و آراء (خیالات و رائے) بیان کئے ہیں۔ یہ سب کچھ اِس نظم وترتیب کے مطابق ذکر فرمایا جو اِس تفسیر کے مقدمہ میں مقرر کی ہیں۔ یہ تفسیرِ ابوحیانؒ آٹھ (8) ضخیم جلدوں میں شائع ہوکر اہلِ عِلم میں معروف ہوچکی ہے۔

تفسیر ابوحبانؒ کی خصوصیات:۔

1- اِس تفسیر میں نحوی مسائل اور علمائے نحو کے خلافیات کی اِس قدر کثرت ہے کہ تفسیر کے بجائے "عِلمِ نحو" کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابوحبانؒ اپنی اِس تفسیر میں مفسّر زمخشری اور ابن عطیّہؒ کی تفاسیر کی عبارت نقل کرکے نحوی مسائل اور وجوہِ اعراب میں اُن کی تردید (Contradict) کرتے ہیں۔ اِس ضمن میں تفسیر البحر المحیط کا خلاصہ بنام "الدر اللقیط من البحر المحیط" ایک قلمی نسخہ جامع اَزہر مصر کی لائبریری میں موجود ہے۔ اِس نسخہ کو آپؒ ہی کے شاگرد حضرت تاج الدین احمد بن عبدالقادرؒ متوفی 749ھ نے تیار کیا تھا جو تفسیر البحر المحیط کے حاشیہ پر بھی طبع ہوچکا ہے۔

2- اِسی طرح شیخ یحیٰی الشاوی المغربیؒ نے بھی "بین ابی حبان و الزمخشری" کے نام سے ایک مستقل

کتاب تحریر کی جس میں اُن تمام اعتراضات کو یک جا کیا جو حضرت ابوحیانؒ نے مفسّر زمخشری پر کئے ہیں۔ اِس کتاب کا بھی ایک قلمی نسخہ جامع ازھر مصر کی لائبریری میں موجود ہے۔

3- حضرت ابوحیانؒ جہاں مفسّر زمخشری کے معتزلی نظریات کا بڑے سنگ دلانہ تردید کرتے ہیں وہیں قرآنی بلاغت کے اظہار و بیان میں زمخشری کی مہارتِ فائقہ کو سراہتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ زمخشری کو فہمِ قرآن سے حظِ وافر (نہایت اشتیاق) ملا تھا اور وہ اختراعِ معانی اور جزالتِ الفاظ (تفصیلی معانی) کے جامع تھے۔

4- حضرت ابوحیانؒ اعتراف کرتے ہیں کہ ''میں نے استادِ محترم حضرت جمال الدین ابو عبداللہ محمد بن سلمان المقدسی المعروف ابن النقیب کی کتاب ''**التّحریر لاقوال ائمة التفسیر**'' سے بہت استفادہ کیا۔ یہ علمِ تفسیر میں ایک ضخیم (طویل) کتاب ہے اور قریب ایک سو (100) مجلدات (Volumes) پر مشتمل ہے مگر اِس میں غالی صوفیہ (شیعہ رجحان) کے اقوال بکثرت نقل کرتے ہیں۔ (البحر المحیط)

خلاصہ یہ کہ **البحر المحیط** ایک جامع تفسیر ہے جو اہلِ علم میں معروف ومتداول (رائج) ہو چکی ہے۔

16.6- غرائب القرآن و رغائب الفرقان از نیشا پوریؒ

سوال:83:۔مفسّرِ قرآن حضرت نیشاپوری علیہ الرحمۃ کا اجمالی عارف بیان کرو؟

جواب:۔**حضرت نیشا پوری علیہ الرحمۃ**:۔تعارف!

آپؒ کا اسمِ گرامی نظام الدین حسن بن محمد خراسانی نیشاپوری ہے۔ آپؒ ''**النظام الاعرج**'' کے نام سے مشہور تھے۔ آپؒ کا وطنِ مالوف ''قُم'' نامی شہر تھا مگر آپؒ دیارِ نیشاپور میں پروان چڑھے اور نیشاپور کے عُلوم و فنون کے ستون مانے جاتے تھے۔ عُلومِ عقلیہ اور عربی لسانیات کے جامع تھے۔ ادب و انشاء اور علمِ تاویل وتفسیر میں یدِطُولیٰ (Great Skill) رکھتے تھے۔ آپؒ عظیم حافظ اور قاری بھی تھے۔ آپؒ کو زہد و تصوف کے ساتھ خاص لگاؤ رہا۔ اِس طرح تصوف کا اثر آپؒ کی تفسیر میں بھی نمایاں ہے۔ آپؒ نے اپنی تفسیر میں اپنے روحانی فیوض و برکات کا بکثرت ذکر بھی کیا ہے۔

آپؒ کے منفرد اور گراں قدر تصانیف حسب، ذیل ہیں!

1- **شافیه ابن حاجب** کی شرح (یہ شرح النظام کے نام سے مشہور ہے)۔

2- شرح تذکرہ خواجہ نصیرالدین طوسیؒ (یہ علمِ ہیئت میں ہے اور ''**توضیح التذکرہ**'' کہلاتی ہے)۔

3- **رسائل فی عِلمُ الحساب** 4- **کتاب اوقاف القرآن** (یہ حضرت سجاوندیؒ کی کتاب کے انداز پر ہے)۔

5- غرائب القرآن و رغائب الفرقان (تفسیرِ قرآن) 6- لُبّ تاویل

مصنف ''روضات الجنّات'' کے مطابق، ''حضرت نیشاپوری علیہ الرحمۃ نوی صدی ہجری کے علماء میں سے تھے۔آپؒ کا عصر وعہد جلال الدین دوّانیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور اُن کے معاصرین سے ملتا جلتا ہے۔آپؒ کی تفسیر کے اختتام کی تاریخ 850ھ کے بعد کی ہے''۔ (روضات الجنّات)

ایک اور قول کے مطابق' حضرت محمد حسین الذہبیؒ اپنی تصنیف التفسیر والمفسّرین کے حاشیہ پر لکھتے ہیں!

خود آپؒ کی تفسیر کے بعض نسخوں کے اختتام پر لکھا ہے کہ اِس تفسیر کو اُس کے مولّف حضرت حسن بن محمد بن حسین المعروف نظام الاعرج نیشاپوریؒ نے ہند کے دارالخلافہ دولت آباد میں اوائل صفر 730ھ میں تحریر فرمایا۔اسی نسخہ کے آخر میں مولّف کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ (حضرت نیشاپوریؒ) حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کی کتاب ''تذکرہ'' کی شرح لکھ کر ربیع الاول 711ھ میں فارغ ہوئے اور کشف الظنون میں آپؒ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ آپؒ کا سنِ وصال 728ھ ہے''۔واللہ اعلم۔ (التفسیر والمفسرون)

سوال:84:۔تفسیرِ قرآن'' **غرائب القرآن و رغائب الفرقان**'' کا اجمالاً تعارف بیان کرو اور اِس تفسیر کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالو؟

جواب:۔ ''**غرائب القرآن و رغائب الفرقان**''۔تعارف!

مفسّرِ قرآن حضرت نیشاپوریؒ نے اپنی تفسیر کو امام رازیؒ کی **تفسیرِ کبیر** سے اخذ کیا۔پھر مفسّر زمخشری کی تفسیرِ **کشاف** اور دیگر تفاسیر سے اِس میں اضافے کیے۔اِس طرح اِس تفسیر میں اقوالِ صحابہؓ و تابعینؒ کو جگہ دی اور وہ نکات جمع کیے جو اللہ تعالیٰ نے فہمِ قرآن کے سلسلہ میں آپؒ پر منکشف فرمائے تھے۔

چنانچہ مولّف امام نیشاپوریؒ خود اپنی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں!

'' میری یہ کتاب (تفسیر) امام رازیؒ کی تفسیر کبیر کا خلاصہ (Gist) ہے جو اکثر کُتبِ تفسیر کی جامع (Comprehensive) ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ میں نے اِس میں تفسیرِ کشاف کے اکثر مباحث کو سمو لیا ہے۔مزید یہ تفسیر ایسے پسندیدہ نکات وتاویلات پر مشتمل ہے جس سے دیگر تفاسیر کا دامن خالی ہے''۔

جہاں تک احادیثِ نبویہؐ کا تعلق ہے وہ میں نے حدیث کی مشہور کتب سے لی ہیں مثلاً جامع الاصول، المصابیح وغیرہ۔ بعض احادیث تفسیر کبیر وکشاف سے ماخوذ (Derived) ہیں۔البتہ تفسیرِ کشاف میں جو احادیث سورتوں کے فضائل سے متعلق مذکور ہیں میں نے اُن سے احتراز کیا ہے، اِس لئے کہ وہ نقد وجرح کے معیار پر پوری نہیں اُترتیں۔علاماتِ

وقف سے متعلق مباحث کتابِ سجاوندی سے منقول ہیں۔ اسبابِ نزول میں نے کتاب جامع الاصول، تفسیر واحدی سے اور تفسیر کبیر وکشاف سے لیں۔ لغوی مباحث کتابِ صحاح جوھری اور تفسیر کبیر وکشاف سے ماخوذ ہیں۔ معانی وبیان اور دیگر ادبی مباحث ومسائل کتاب مفتاح اور دیگر عربی کُتب اور تفسیر کبیر وکشاف سے لئے گئے۔ اِسی طرح شرعی احکام بھی تفسیر کبیر وکشاف اور معتبر کُتبِ تفسیر خصوصاً امام رافعیؒ کی شرح ''الوجیز'' سے منقول ہیں۔ باقی رہیں تاویل تو وہ اکثر وبیشتر شیخ محقق نجم الدینؒ سے لی گئیں ہیں جو ''دایہ'' کے نام سے معروف تھے۔ اِس تفسیر میں کچھ حصّہ وہ بھی شامل ہے جو کہ میرے اپنے ذہنِ رسا کی پیداوار ہے۔ جہاں تک فروعِ فقہ کا تعلق ہے جو استدلال کسی فرقہ نے کسی آیت سے کیا وہ میں نے بلا نزاع وجدال (بلا اختلاف) اور بلا کم وکاست بیان کر دیئے ہیں۔

میں نے یہ کتاب (تفسیر) اتنی مدت میں تحریر کی ہے جتنی مدت میں حضرت علیؓ کی خلافت تھی یعنی (چار سال نو ماہ) مگر میرا اندازہ یہ تھا کہ میں اِس کتاب کی تکمیل خلافتِ راشدہ کی مجموعی مدّت یعنی تیس 30) برس میں کروں گا۔ تفسیر کی تحریری کے دوران بے شمار ہموم وغموم (پریشانیاں) سے دوچار ہونا پڑا اِس کے علاوہ معاونِ کُتب کا فقدان بھی رہا ہے۔ اگر یہ مشکلات پیش نہ آتیں تو میں اِس کتابِ تفسیر کو حضرت صدیقِ اکبرؓ کی خلافت کی مدّت یعنی دو سال تین ماہ میں ختم کر لیتا۔ جس طرح علامہ جار اللہ زمخشری نے تفسیرِ کشاف کو حضرت ابوبکرؓ کی مدّت یعنی سوا دو سال میں مکمل فرمایا تھا''۔ (تفسیرِ نیشا پوری ج 30 ص 222)

یہ تفسیرِ نیشاپوری تفسیر ابن جریر طبری کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے اور اہلِ علم کے مابین متداول (جاری) ہے۔

خصوصیاتِ تفسیرِ نیشا پوری:۔

1- امام نیشاپوریؒ اپنی تفسیر میں جب تفسیرِ کبیر از امام رازیؒ اور تفسیرِ کشاف از علامہ زمخشری سے کوئی اقتباس (قول یا حوالہ) اخذ کرتے ہیں تو وہ بلا تنقید اُس کو قبول نہیں کرتے بلکہ آزادانہ نقد وجرح (Critical Examination) کرتے ہیں۔ اگر اُس میں کچھ خرابی دیکھتے ہیں تو اس کی تکمیل کرتے ہیں۔ بعض دفعہ تفسیرِ کشاف سے ایک اقتباس پیش کر کے وہ تنقیدِ نقل کر دیتے ہیں جو امام رازیؒ نے اس پر کی ہے، پھر دونوں کے مابین محاکمہ کرتے اور کامل حرّیت فکر کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

2- اِس تفسیر کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ امام نیشاپوریؒ نے جو طرز وانداز اختیار کیا ہے وہ بالکل نرالا اور انوکھا ہے۔ مثلاً قرآنی آیت ذکر کرنے کے بعد آپؒ اِس التزام کے ساتھ اُس آیت کی مختلف قراءتیں تحریر کرتے ہیں جو قراءت کے ائمہ عشرہ کی جانب منسوب ہوں۔ پھر مقاماتِ وقف کی نشاندہی کر کے اِس کی وجہ بتاتے ہیں کہ یہ کس قاری کی

جانب منسوب ہے۔پھر تفسیر کا آغاز کرتے ہیں اور سب سے پہلے آیات کے باہمی ربط وتعلق پر روشنی ڈالتے ہیں۔ربطِ آیات کا یہ اہتمام آپؒ نے تفسیر کبیر کے پیشِ نظر فرمایا ہے۔بعدازاں بڑے دلکش انداز میں آیات کے معانی ومطالب بیان کرتے ہیں۔اِس میں ایرادِ مقدّرات،اظہارِ مضمرات،تاویل متشابہات،تصریح کنایات،تحقیقِ استعارات،فقہی مذاہب کی تفصیل اوران کے براہین ودلائل کسی کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔

3- امام نیشاپوریؒ اپنی تفسیر میں کلامی (عقائدی) مسائل سے خصوصی دلچسپی لیتے ہیں اور اہلِ سنت اور دیگر فرقوں کے مذاہب ومسالک پر روشنی ڈالتے ہیں اور ہر فریق کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔اِس کے ساتھ ساتھ مخالفین کے دلائل کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں۔جو آیت مسائل کونیہ (فلکیات) سے متعلق ہوتی ہے اُس کی تفسیر کرتے ہوئے آپؒ علمائے طبیعات وفلسفہ کے افکار ونظریات (Point of view) پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

4- حضرت امام نیشاپوریؒ مفسّر ونے کے علاوہ عظیم صوفی بھی ہیں۔اس لئے آیات کی تفسیر کے ساتھ اِس کی تاویل پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔تاویل سے آپؒ کی مراد وہ اشاری تفسیر ہے جو اہلِ حقیقت صوفیہ پر منجانب اللہ تعالیٰ منکشف کی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اپنی تفسیر میں رِقّت انگیز (رونے رُلانے والے) وعظ ونصائح کو سمولیا ہے گویا اُس تفسیر میں تصوف کا رنگ نمایاں ہے۔

16.7- تفسیر جلالین

از جلال الدین المحلّیؒ و جلال الدین السیوطیؒ

سوال:85:۔تفسیر جلالین کا تعارف اور اسکے دونوں مؤلّفین حضرات کا مختصر تعارف اور اِس کی خصوصیت کا تذکرہ کرو؟

جواب:۔ **حضرت جلال الدین السیوطی علیہ الرحمۃ**:۔تعارف!

آپؒ کا نامِ نامی جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن بکر سیوطی ہے آپؒ شافعی المسلک تھے۔آپؒ کا سنِ ولادت 849ھ ہے اور سنِ وصال 911ھ ہے۔حضرت امام سیوطیؒ حدیث اور متعلقہ فنون و اسانید، رواۃ و رجال اور استنباطِ احکام میں یکتائے روزگار تھے۔آپؒ کا تفصیلی تعارف تفسیر بالماثور ''الدر المنثور'' کے سلسلہ میں بیان کیا جاچکا ہے۔

تفسیر الجلالین کو امام جلال الدین المحلّی نے آغاز سورۃ الکہف سے سورۃ الناس تک تحریر کیا اور پھر سورۃ الفاتحہ سے آغاز کیا تھا کہ خالقِ حقیقی سے جاملے (وصال ہوگیا)۔بعدازاں حضرت امام جلال الدین السیوطیؒ نے اِس تفسیر کی تکمیل فرمائی۔

حضرت جلال الدین المحلّی علیہ الرحمۃ:۔تعارف!

آپؒ کا اسمِ گرامی جلال الدین محمد بن احمد المحلّی الشافعی ہے۔آپؒ ایک عظیم عالم اور امام ہیں۔آپؒ کی ولادت 791ھ میں مصر میں ہوئی۔آپؒ نے عُلوم و اُصول، نحو و منطق وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ آپؒ فہم و فراست میں اپنی مثال آپ تھے۔آپؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرا ذہن غلط بات قبول نہیں کرتا۔البتہ آپؒ کا حافظہ کمزور تھا۔آپؒ نے اکابر علماء حضرت محمود اقصرائیؒ ،حضرت برھان بنجوریؒ،حضرت شمس البساطیؒ، علاءالدین بخاریؒ اور دیگر سے کسبِ فیض کی۔

آپؒ سلفی المشرب عدیم المثال عالم تھے۔بے حد متقی اور صالح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر آپؒ کا شعار رہا۔حق گوئی کے معاملہ میں کسی کی پروانہیں کرتے تھے۔بڑے بڑے ظالم حکّام کو بھی کلمۂ حق سنانے سے گریز نہ کرتے اور جب ایسے لوگ آپؒ کے پاس آتے تو اُن کی جانب توجہ نہ دیتے تھے۔آپؒ کسی قدر تیز مزاج تھے۔ چنانچہ آپؒ کو عہدۂ قضاء کی پیشکش کی گئی مگر آپؒ نے اُسے قبول نہیں فرمایا۔آپؒ سادا زندگی بسر کرنے کو پسند فرماتے اور ذریعہ معاش تجارت تھا۔مدرسہ نویدیّہ میں فقہ کے استاذ تھے۔آپؒ کی تصانیف اختصار و تنقیح اور سلاستِ عبارت کا اعلیٰ نمونہ ہیں جن میں قابلِ ذکر تصانیف حسبِ ذیل ہیں!

1- شرح جمع الجوامع فی الاصول 2- شرح المنهاج فی فقه الشافعية

3- شرح الورقات فی الاصول 4- تفسير الجلالين

آپؒ کا وصال 864 ھ میں ہوا۔ (شذرات الذهب ، طبقات المفسّرين داؤدی)

تفسیر الجلالین:۔تعارف!

اِس تفسیر کو حضرت جلال الدین المحلّیؒ نے سورہ کہف سے شروع کر کے سورۃ الناس تک تحریر فرمایا۔پھر سورۃ فاتحہ سے آغاز کیا اور سورۃ فاتحہ ختم کیا ہی تھا کہ آپؒ کا وصال ہو گیا۔بعد ازاں حضرت جلال الدین السیوطیؒ نے اس تفسیر کی تکمیل فرمائی اور سورۃ البقرہ سے شروع کر کے سورۃ الاسرا پر ختم کیا۔

چنانچہ حضرت جلال الدین المحلّیؒ نے قرآن کریم کے نصف ثانی کی تفسیر نہایت مختصر دلکش اور عمیق (Profound) عبارت میں تحریر فرمائی ہے۔بعد ازاں حضرت جلال الدین السیوطیؒ آپؒ کے نقشِ قدم پر چلے اور تفسیر کو زیادہ وسعت نہ دی اور تفسیر کو اُسی انداز میں تکمیل کرنے کا التزام (Continuation) کیا۔

حضرت امام السیوطیؒ قرآن کریم کے نصف اول کی تکمیل تفسیر چالیس (40) دنوں میں کی یہ وہی مدّت ہے جو حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر گزاری تھی۔ امام سیوطیؒ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ''میں نے جلال الدین المحلّیؒ کی تفسیر سے استفادہ کیا۔ میں نے آیاتِ متشابہات کی تفسیر میں بھی حضرت المحلّی کی تفسیر پر اعتماد کیا۔'' اِس بات کا اظہار امام سیوطیؒ نے تفسیر کے مقدمہ میں کیا کہ امام المحلّیؒ کی تفسیر میری تفسیر کے مقابلہ میں بدرجہا افضل ہے۔

(جلالین)

تفسیر جلالین کی خصوصیات:۔

1- یہ اور بات ہے کہ تفسیر جلالین کا قاری دونوں کی تحریر میں نمایاں فرق و امتیاز محسوس نہیں کرسکتا۔ ہاں مگر چند مقامات میں قدرے اختلاف محسوس ہوتا ہے۔ اِن میں سے ایک مقام یہ ہے کہ حضرت المحلّیؒ نے سورۃ صٓ میں ''رُوح'' کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے۔ ''روح ایک لطیف جسم ہے جس کے نفوذ (ہونے) کے باعث انسان زندہ ہے''۔ مگر امام سیوطیؒ نے سورہ الحجر کی تفسیر میں روح کی اِس تعریف پر اعتراض کیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ''قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ''میں صراحتاً فرمایا ہے کہ ''روح'' اللہ کا امر ہے لہذا اِس کی تعریف سے احتراز افضل ہے''۔

2- یہ تفسیر حددرجہ مختصر و مُوجز (ایجاز) ہے۔ صاحبِ کشف الظنون نے ایک یمنی عالم سے نقل فرمایا ہے کہ ''میں نے شروع سے لے کر سورۃ المزّمل تک قرآن کریم اور تفسیر جلالین کے حروف گنے تو دونوں کو برابر پایا۔ پھر آگے سورۃ المدثر سے آخر تک قرآن کے حروف سے تفسیر جلالین کے حروف زیادہ ہیں۔ نظر بریں (اِس لحاظ سے) وضو کے بغیر تفسیر جلالین کو اُٹھانا جائز ہے۔ (کشف الظنون)

3- صاحبِ کشف الظنون مزید لکھتے ہیں کہ ''حضرت شمس الدین محمد بن علقمیؒ نے 952ھ میں تفسیر جلالین کا حاشیہ (Marginal note) تحریر کیا۔ اُسی طرح حضرت نورالدین علی بن سلطان محمد قاری نزیلِ مکہ متوفی 1010ھ نے بھی ''جلالین'' کا حاشیہ ''جمالین'' کے نام سے تحریر کیا۔

اِس کے علاوہ حضرت جلال الدین محمد بن محمد کرخیؒ نے بھی تفسیر جلالین کی ایک ضخیم (طویل) شرح ''**مجمع البحرین**'' و **مطلع البدرین**'' کے نام سے تحریر فرمائی مگر اِن میں سے کوئی بھی دستیاب نہیں ہے۔

4- بہرحال اختصار و ایجاز میں تفسیرِ جلالین اپنے باب میں عدیم النظیر (بے مثل) ہے۔ یہ تمام تفاسیر سے زیادہ مقبول و متداول اور کثیر النفع (فائدہ بخش) ہے۔ بکثرت علماء نے اِس پر تعلیقات و حواشی (Marginal note) تحریر کئے ہیں۔ اِن میں ''**الجمل**'' اور ''**الصّاوی**'' کے دونوں حاشئے اہلِ علم میں مقبول و مشہور ہیں۔

16.8- السراج المنیر خطیب الشربینیؒ

سوال:86:۔ مفسّر الشربینی علیہ الرحمۃ اورآپؒ کی تفسیر''السراج المنیر '' کا مختصرتعارف بیان کرو اور اس تفسیر کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔حضرت الشربینی علیہ الرحمۃ۔تعارف!

آپؒ کا اسمِ گرامی شمس الدین محمد بن محمد ہے، الشربینی اور لقب الخطیب ہے۔آپؒ قاہرہ (مصر) کے رہنے والے اورشافعی المسلک تھے۔آپؒ نے کثیر معاصر علماء سے استفادہ فرمایا جن میں حضرت شیخ احمد البرکیؒ، حضرت البدر مشہدیؒ اورحضرت الشہاب الرملی کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔آپؒ کے اساتذہ و مشائخ نے آپؒ کو اہل قرار دے کرآپؒ کوفتویٰ وتدریس کی اجازت مرحمت فرمادی۔آپؒ اپنے اساتذہ کی زندگی میں ہی فتویٰ دیتے رہے اور آپؒ سے بے شمارعلماء و عوام الناس نے کسبِ فیض کیا۔اہلِ مصرآپؒ کوزہد و ورع (تقویٰ) کا پیکر تصور کرتے تھے۔آپؒ کثرتِ عبادت میں عدیم النظیر (بے مثل) تھے۔چنانچہ آغازِ رمضان مبارک سے ہی اعتکاف بیٹھتے اور عید کی نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلتے۔جب حج کے سفر میں جاتے تو اُس وقت تک سواری پرنہیں بیٹھتے جب تک کہ خود تھک نہ جاتے۔آپؒ گمنامی کو پسند فرماتے اور دنیوی اشغال سے گریزاں تھے۔الغرض آپؒ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپؒ خدا کی زمین پرایک آیت اور حجت تھے۔

آپؒ کے اہم تصانیف میں قابلِ ذکر1- السّراج المنیر (تفسیرِ قرآن) 2- شرح المنہاج

3- شرح کتاب التنبیہ ہیں۔اِن دونوں شرحوں میں آپؒ نے اپنے اساتذہ کی تحریرات کو یکجا کردیا ہے اور یہ دونوں کُتب آپؒ کی زندگی میں ہی نہایت مقبول ہوئیں۔

آپؒ کاسنِ وصال 977 ھ 2رشعبان بروزِ جمعرات ہے۔ (شذرات الذھب)

تفسیر'' السّراج المنیر'' :۔ تعارف!

حضرت الشربینیؒ کی یہ تفسیرنہایت آسان، بے حدمفید اور متوسط القامت ہے یعنی نہ بہت زیادہ طویل نہ بے حدمختصر۔اِس تفسیر کو تحریرکرنے میں آپؒ نے مفسرینِ سلف سے بہت استفادہ فرمایا۔بعض اوقات امام بیضاویؒ، علامہ زمخشری اورامام بغویؒ کے اقوال بھی نقل کرتے اوراُن اقوال کو قبول بھی کرتے اور گاہے اُن اقوال کی تردید (مخالفت) بھی کرتے ہیں۔

حضرت الشربینیؒ اپنی تفسیر میں وہی قراءت ذکرکرتے ہیں جومتواتر ہوتیں ہیں۔حدیث صحیح اوراحسن کے سوادیگر

احادیث ذکر نہیں کرتے۔اگر کسی جگہ ضعیف حدیث کا ذکر بھی کرتے ہیں تو اُس کے ضعف (Default) پر روشنی بھی ڈالتے ہیں۔

آپؒ کی یہ تفسیر چار جلدوں میں طبع ہوچکی ہے اور اہلِ علم کے مابین مقبول ہوچکی ہے۔اِس تفسیر کی پسندیدگی کی وجہ اِس میں اسلوبِ تحریر کی سہولت اور سلاست ہے۔نیز اِس میں سابقہ کُتبِ تفسیر کے خلاصہ کو بڑی عمدگی اور اختصار اور ایجاز کے ساتھ سمولیا۔

تفسیر'' السّراج المنیر'' کی خصوصیات:۔

1- حضرت الشربینیؒ نے اپنی اِس تفسیر میں جن نحوی مسائل کا تعلق نہیں ہوتا اُن سے احتراز کیا ہے۔صرف اُن ہی قراءتوں کا ذکر کیا ہے جو متواتر ہوتی ہیں۔مفسّرین امام بیضاویؒ اورزمخشری پر تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے سورتوں کے فضائل پر احادیثِ موضوعہ ذکر کیا ہے۔

۔آپؒ نے اپنی تفسیر میں تفسیری نکات واضح کئے ہیں اور بعض سوالات ذکر کرکے اُن کا جواب بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اِسی طرح قرآنی آیات کا ربط و تعلق بھی واضح کرتے اور شرعی احکام کے برائین و دلائل بھی بیان فرماتے ہیں۔نیز آپؒ فقہی احکام پر روشنی ڈالتے اور ائمہ فقہ کے مسالک اور دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔تاہم اِس تفسیر میں فنی فروعات (مسائل) کا ذکر کثرت کے ساتھ نہیں ہے۔

2- حضرت خطیب الشربینیؒ اگرچہ عجیب و غریب اسرائیلی واقعات کا ذکر کرنے اور اُن پر نقد و جرح کرنے کے عادی نہیں معلوم ہوتے تاہم جب کوئی ایسا واقعہ دیکھتے ہیں جو مقامِ نبوت کے منافی ہو تو اُس کا ابطال (مخالفت) کرتے اور اِس واقعہ کی عدم صحت واضح کردیتے ہیں۔

16.9- ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا بالکتاب الکریم

از ابو السعودؒ

سوال :87:۔ مفسّر حضرت ابوالسعود علیہ الرحمۃ اور آپؒ کی تفسیر کا اجمالاً تعارف بیان کرو۔اور تفسیرِ ابو السعودؒ کی خصوصیات پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔ حضرت ابو السعود علیہ الرحمۃ:۔ تعارف!

آپؒ کا اسم ونسب' محمد بن محمد بن مصطفےٰ ،کنیت ابوالسعود اور نسبت العمادی ہے۔آپؒ شافعی المسلک تھے۔آپؒ 893ھ میں قسطنطنیہ (ترکی) کے قریب ایک گاؤں کے علم وفضل میں معروف خاندان میں پیدا ہوئے بعض علماء کے

قول کے مطابق۔ ''آپؒ علم وفضل کی گود میں پروان چڑھے۔ زندگی بھر علوم وفنون کی خدمت میں مشغول رہے۔ اپنے والدِ ماجد سے علمی کُتب کا درس لیا اور دیگر اکابر علماء سے بھی کسبِ فیض کیا۔ ترکی کے بہت سے مدارس میں تدریسی فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ مختلف اوقات میں قسطنطنیہ اور علاقہ عسکر میں منصبِ قضاءت پر آٹھ سال تک فائز رہے۔ 952ھ میں مسندِ افتاء مقرر کئے گئے اور تیس (30) سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اِس مدّت میں آپؒ نے فتویٰ نویسی میں کامل مہارت و براعت سے کام لیا۔

چنانچہ آپؒ سائل کے سوال کے مطابق فتویٰ لکھتے یعنی اگر سوال نظم (Poem) میں ہوتا تو اسی وزن پر قافیہ میں اِس کا منظوم جواب دیتے۔ اور اگر سوال نثر (Plane language) میں ہوتا تو جواب بھی ویسا ہی لکھتے۔ اگر سائل ترکی یا عربی میں لکھتا تو آپؒ اُسی زبان میں جواب دیتے۔ آپؒ قضاء افتاء کے مشاغل میں منہمک رہنے کے باوجود تھوڑا سا وقت بچا کر تفسیر قرآن بھی مرتب فرمائی۔ چنانچہ آپؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بیان کیا کہ ''میں نے تفسیرِ قرآن کو دو قسطوں میں تکمیل کیا۔ پہلی قسط 973ھ میں سورۃ فاتحہ سے سورۃ صٓ تک تحریر کی اور باقی تفسیر کا حصہ اُس کے ایک سال بعد مکمل کر کے ہر بار اُس وقت کے سلطان، سلیمان خان کی خدمت میں پیش کیا تو سلطان نے بہت پسند فرمایا اور انعام واکرام عطا کئے اور وظیفہ یومیہ 500 درہم کا اضافہ کیا'' الغرض آپؒ نے قرآن کے بلاغی اسرار و رموز پر اس طرح قلم اٹھایا کہ شاید ہی کوئی مفسّر اس طرح بیان کر پایا ہو۔

آپؒ کا وصال جمادی الاول 982ھ میں قسطنطنیہ (ترکی) میں ہوا۔ (حاشیہ وفیات الاعیان)

تفسیر قرآن'' ارشاد العقل السّلیم الیٰ مزایا الکتاب الکریم :۔تعارف!

حضرت ابوسعودؒ نے اپنی تفسیر قرآن کے بلاغی اسرار و رموز میں دلچسپی دکھائی۔ اِس طرح یہ تفسیر اپنے باب میں عدیم النظیر ہوگئی۔ گویا حسنِ تفسیر اور طریقِ ادا میں کوئی تفسیر اِس کی حریف (مقابل) نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں!

''میں اِس تفسیر کے مطالعہ سے بہرہ مند ہوا ہوں۔ یہ بہترین تفسیر ہے۔ نہ اتنی طویل کہ بیزار کردے اور نہ اتنی مختصر کہ معنیٰ ومفہوم ہی سمجھ میں نہ آئے۔ یہ تفسیر اَن گنت لطائف و نکات اور فوائد و اشارات کی جامع ہے''۔

صاحب کشف سے منقول ہے کہ ''اِس تفسیر کے نسخے اطرافِ ملک میں پھیل گئے اور اکابر علماء نے اُس کو قبولیت کی نگاہ سے دیکھا۔ حسنِ تفسیر کی بناء پر حضرت ابوالسعودؒ کو ''خطیب المفسّرین'' کہا جاتا ہے۔ یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ تفسیرِ کشاف اور تفسیرِ بیضاوی کے بعد کوئی تفسیر اِس مرتبہ کو نہیں پہنچی''۔

(الفوائد البھیّہ ص 82)

دیگر تفاسیر کی طرح تفسیرِ ابوالسعودؒ پر زیادہ حواشی اور تعلیقات نہیں لکھے گئے۔البتہ صاحبِ کشف الظنون نے تفسیرِ ابو السعودؒ پر تبصرہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تعلیقات کا ذکر کیا!

1- شیخ احمد رومی حصاریؒ متوفی 1041ھ نے سورۃ روم سے سورۃ الدخان پر حاشیہ تحریر کیا۔

2- شیخ رضی الدین بن یوسف قدسیؒ نے تفسیرِ ابوالسعود کے نصف اوّل حصّہ پر حاشیہ تحریر کر کے مولیٰ اسعد بن سعد الدینؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ (کشف الظنون)

حضرت ابوالسعودؒ تفسیر کشاف از زمخشری اور تفسیر بیضاوی از بیضاویؒ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔مگر آپ حضرت زمخشری کے معتزلی نظریات کے دامِ فریب میں نہیں آتے بلکہ اُن نظریات کو صرف اس لئے نقل کرتے ہیں تا کہ لوگ اُن سے احتراز کریں۔آپؒ اپنی تفسیر میں مسلک اہلِ سنت پر ہی گامزن رہے۔مگر حضرت زمخشری اور حضرت بیضاویؒ کی طرح قرآنی سورتوں کے فضائل میں احادیثِ موضوعہ درج کرنے کا ارتکاب کئے ہیں۔

تفسیرِ ابو السعود کی خصوصیات:۔

1- حضرت ابوالسعودؒ نے اپنی تفسیر میں اعجازِ قرآن کا لحاظ کرتے ہوئے عبارت کی دل آویزی و دلکشی کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور جتنا ہوسکے قرآنِ حکیم کے نظم و اسلوب کے سِرّ اعجاز اور بلاغی پہلو (Angle) کو اجاگر (Enlight) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اُسی طرح آیات کے فصل و وصل، ایجاز واطناب، تقدیم و تاخیر اور اعتراض و تذییل کا بہت خیال رکھتے ہیں۔قرآنی ترکیبِ آیات جن دقیق و عمیق (باریک اور گہری) معانی کو سموئے ہوئے ہوتی ہے، اس کے اظہار و بیان کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔یہ ایک ایسا وصف ہے جو اُسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو عربی زبان کی باریکیوں سے پوری طرح آگاہ و آشنا ہے۔آپؒ اِس فن (پہلو) میں مفسّرین میں آگے نظر آتے ہیں۔

2- آپؒ قرآنی ربطِ آیات کا خاص خیال رکھتے اور بعض اوقات مختلف قراءتوں پر بھی روشنی ڈالتے نظر آتے ہیں۔آپؒ سرائیلیات کا ذکر جزم و شوق (Firmness & Proof) کے ساتھ مگر بہت کم کرتے ہیں اور اُس کے ضعف و عدمِ صحت کی طرف اشارہ بھی کردیتے ہیں اور مزید نقد و جرح کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔آپؒ بعض اوقات بروایت کلبی از ابوصالح بھی نقل کرتے ہیں۔حالانکہ کلبی متہم بالکذب (جھوٹا) ہے بقول امام سیوطیؒ کے۔مگر آپؒ ایسی روایت کے آخر میں ''واللہ اعلم'' لکھتے ہیں جو اِس جانب اشارہ ہے کہ آپؒ اُن روایات کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۔ جہاں تک فقہی ونحوی مسائل کے ذکر کا تعلق ہے، حضرت ابوالسعودؒ فقہی احکام وفروغ اور دلائل سے بہت کم تعرض (Compare) کرتے ہیں۔ اورصرف ائمہ فقہی مسالک بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اسی طرح جب آیت مختلف وُجوہِ اعراب کی متحمل ہوتی ہے تو اُسی وقت آپؒ اس آیت کی نحوی (Grammatic) پہلو (Status) واضح کرتے ہیں اوراُن وُجوہ (Reasons) میں سے ایک کو ترجیح دے کر دلیل ذکر کرتے ہیں۔

3- بہرکیف تفسیر ابوالسعود دقت نظر وفکر (Minute Analysis) اور ژرف نگاہی (گہری سوچ وسمجھ) کی آئینہ دار (Reflecting) ہے۔ مولفِ تفسیر نے علمی پہلو پر حسبِ ضرورت اعتدال سے کام لیا۔ اس طرح یہ تفسیر آنے والے مفسّرین کے نزدیک ایک اہم مرجع و ماخذ ہوسکتی ہے۔ یہ تفسیر کئی مرتبہ طبع ہوکر آراستہ ہوچکی ہے اور پانچ متوسط الحجم اجزا (Volumes) میں دستیاب بھی ہے۔

16.10- رُوح المعانی از آلوسیؒ

سوال:88:۔ حضرت آلوسی علیہ الرحمۃ اور آپؒ کی تفسیرِ قرآن ''رُوح المعانی'' کا اجمالی تعارف بیان کرو؟

جواب:۔ حضرت آلوسی علیہ الرحمۃ:۔ تعارف!

آپؒ کا اسم گرامی سید محمد آفندی، کنیت ابوالثناء، لقب شہاب الدین اور نسبت آلوسی ہے۔ آلوس ایک گاؤں کا نام ہے جو ملکِ شام اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ آپؒ 1217ھ میں بغداد کے محلّہ کرخ میں پیدا ہوئے۔ حضرت آلوسیؒ اپنے عصر و عہد (زمانہ) کے سرخیل (سردار) اور منقولات و معقولات کے جامع عالم تھے۔ آپؒ اپنے عہد کے عدیم المثال (Unique) محدث و مفسّر رہے ہیں۔ آپؒ نے اپنے والدِ ماجد حضرت خالد نقشبندیؒ اور حضرت علی سوّیدیؒ اور دیگر اکابر علماء سے کسبِ فیض کیا۔ آپؒ طلبِ علم میں ہر وقت مصروف رہنا پسند فرماتے اور یہ شعرورد زبان رہتا تھا!

سھری لتنقیح العلوم الذّلی مِنْ فَصلِ غانِیَۃٍ و طیّب عناقِ

ترجمہ: علُوم کی نوک پلک سنوارنے کے لئے میری بیداری حسین و جمیل عورت کی ملاقات سے لذیز تر ہے۔

آپؒ تیرہ (13) سال کی عمر سے ہی تدریس وتالیف (Teaching & Writing Books) میں مصروف ہوگئے۔ مختلف مدارس (Schools) میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپؒ احناف کے مفتی مقرر ہوئے تو ''جامع شیخ عاقول'' میں جملہ علُوم کی تدریس کا آغاز کردیا۔ چنانچہ قریب و دُور کے علاقہ کے طلباء و علماء نے آپؒ کے سرچشمۂ علمی سے استفادہ کیا۔ آپؒ طلباء کی رہائش، کھانے پینے کا اہتمام خود اپنے مکان پر کیا کرتے تھے۔ اس طرح

آپؒ عراق کے یگانۂ روزگار (Unparallel) عالم قرار پائے۔

آپؒ 1248ھ میں مفتی احناف کے منصب پر فائز ہوئے۔اس سے چند ماہ قبل آپؒ کو مدرسہ مرجانیہ اوقاف کا ناظمِ اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔یہ منصب (post) شہر کے سب سے بڑے عالم کے لئے مخصوص تھا۔پھر 1263ھ میں اِفتاء (قضات) کے منصب سے الگ ہوکر تفسیرِ قرآن کی تالیف (Compilation) میں جُٹ گئے۔1267ھ میں عازمِ قسطنطنیہ (ترکی) ہوتے ہوئے اور اپنی تفسیر سلطان عبدالمجید خان کو پیش کی۔سلطان نے تفسیر کو بہت پسند فرمایا۔آپؒ 1269ھ میں واپس وطن کو لوٹے۔

نثر نویسی (Drafting) اور قوت تحریر میں آپؒ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔آپؒ عجیب و غریب حافظ (Wonderful memory power) کے مالک تھے۔چنانچہ خود آپؒ کا یہ قول ملاحظہ ہو!

''میں نے اپنے ذہن کو کوئی ایسی امانت سپرد نہیں کی جس میں اُس نے خیانت سے کام لیا ہو۔اور نہ اپنی قوتِ فکر و تدّبر کو کسی مشکل کے لئے بلایا کہ اُس نے میری عقدہ کشائی (مشکل کا حل) نہ کی ہو''۔

آپؒ مذہبِ فقہا اور مختلف اَدیان (مذاہب ومسالک) کے جیّد عالم،سَلفی المشرب اور مسلکاً شافعی ہونے کے باوجود بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے۔عمر کے آخری حصّہ میں آپؒ کا رجحان و میلان (Intention) ''اجتہاد'' کی جانب ہوگیا تھا۔آپؒ نے بہت سے خُطب و رسائل اور فتاویٰ و مسائل اِعلاء (جاری) کرائے۔مگر اُن میں سے بہت کم باقی ہیں۔آپؒ نے بہت سی بیش قیمت کُتب تحریر فرمائی جن میں مشہور تصانیف کے نام حسبِ ذیل ہیں!

1- رُوح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی 2- شرح المسّلم فی المنتق (یہ مفقود ہے) 3- الا جوبة العراقیه 4- دُرّة الخواص فی اَدهام الخواص

5-النفحا القدسیّه فی المباحث الامامیّه 6- الفوائد السنیّة فی آداب البحث

7- حاشیه الفطر (آپؒ نے یہ حاشیہ بنام ''بحث حال'' لکھا تھا۔آپؒ کی وفات کے بعد آپؒ کے فرزند حضرت سید نعمان آلوسیؒ نے اس کو مکمل کیا)۔

حضرت شہاب الدین آلوسی علیہ الرحمۃ کا وصال بروز جمعہ 25/ذوالقعدہ 1270ھ کو ہوا اور آپؒ محلّہ کرخ شہر بغداد میں حضرت شیخ معروف کرخیؒ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

رُوح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی:۔ تعارف!

تفسیر رُوح المعانی کی بابت خود مولّف حضرت شہاب الدین آلوسیؒ تفسیر کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں!

''میں نے اِس تفسیر کا آغاز 16/شعبان 1252 کو بوقتِ شب کیا۔اُس وقت میری عمر چونتیس (34) برس تھی۔اور

یہ سلطان محمود خان بن سلطان عبدالمجید خان کے عہدِ سلطنت کا دَور ہے۔تفسیر کا اختتام 4/ربیع الآخر 1267ھ (جملہ 14 سال 4 ماہ) میں ہوا۔پھر میں نے اُس کے نام کے بارے میں غور کیا مگر کوئی نام ذہن میں نہ آیا۔پھر میں نے اُس وقت کے وزیراعظم علی رضا پاشاہ کے سامنے اس مشکل کا اظہار کیا تو انہوں نے فی الفوراس کا نام ''رُوح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی'' تجویز کیا۔ (رُوح المعانی)

حضرت آلوسیؒ نے اپنی تفسیر کو روایۃُ اقوالِ سلف (اگلے) اور خلف (پچھلوں) کی جامع بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔چنانچہ اِس تفسیرکو سابقہ کُتب کا خلاصہ کہا جائے تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا اور اِسی بات سے تفسیر رُوح المعانی کا مرتبہ و مقام کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مفسّر حضرت آلوسیؒ اپنی فسیر میں حضرت ابن عطیّہ، حضرت ابوحیّانؒ، حضرت ابوالسعودؒ، حضرت بیضاویؒ، حضرت رازیؒ کی تفاسیر اور تفسیرِ کشاف اور دیگر کُتبِ تفسیر کے اقتباسات (Quotations) پیش کرتے ہیں۔آپؒ حضرت ابو السعودؒ کو شیخ الاسلام اور مفسّر بیضاویؒ کو قاضی اور مفسّر فخرالدین رازیؒ کو امام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔اُن تفاسیر کے اقتباسات پیش کرکے اُن پر محاکمہ کرتے اور آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔چنانچہ آپؒ اکثر حضرت ابوالسعودؒ، حضرت بیضاویؒ، حضرت ابوحیّانؒ اور دیگر مفسّرین کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔فقہی مسائل میں حضرت رازیؒ پر شدید نقد و جرح کرتے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی حمایت (Support) کرتے ہیں۔گویا منقولہ افکار و آراء (Point of view) میں سے جس کو مبنی بر صواب (صحیح) سمجھتے ہیں اُس کو ترجیح دیتے ہیں۔

علماء کے بیان کے مطابق آپؒ کا اس تفسیر کو تحریر کرنے کا روزمرہ کا معمول کچھ اس طرح ہوا کرتا تھا کہ آپؒ کا سارا دن افتاء (قضاء) تدریس کے لئے وقف تھا۔آغازِ شب (رات) میں اپنے اصحاب وتلامذہ (شاگردوں) کو مستفید کرتے اور آخرِ شب میں تفسیر کے چند اوراق تحریر کرتے۔صبح کے وقت وہ اوراق (Papers) کاتبوں (Writers) کے حوالہ کرتے جن کو آپؒ نے اِسی مقصد کی خاطر مقرر کئے تھے۔اِس تفسیر کے مسودہ (Draft) کو مبیّضہ (Fair Copy) کے اندر تبدیل کرنے میں کم ازکم آپؒ کے دس (10) گھنٹے صَرف ہوتے۔

سوال:89:۔تفسیرُروح المعانی کے خصوصی پہلوؤں پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔ **تفسیر رُوح المعانی کے خصوصیات**:۔

حضرت آلوسیؒ کی تفسیرُروح المعانی کا ایک خصوصی پہلو یہ ہے کہ آپؒ سلفی المشرب اور سنّی العقیدہ تھے،اس لئے فرقہ معتزلہ،شیعہ،خارجیہ اور دیگر فرقے ومذاہب کے نظریات (افکار) ومعتقدات کا ابطال (رد) کرتے ہیں۔

۔آپؒ اپنی تفسیر میں علمِ ہئیت یعنی فلکیات (Space) کے سلسلہ میں کُھل کر گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ علمائے ہیت و حکمت کا کلام نقل کر کے بعض جگہ اُس کو قبول کرتے ہیں اور گاہے اس کی تردید (انکار) بھی کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ یٰسٓ کی آیات 38 تا 40 اور سورۃ طلاق کی آیت 12 کی تفسیر رُوح المعانی میں ملاحظہ فرمائیں!

اسی طرح حضرت آلوسیؒ نحوی مسائل سے اس قدر دلچسپی لیتے ہیں کہ آپؒ مفسّر کے بجائے نحوی (Grammarian) نظر آتے ہیں۔

2- فقہی آیاتِ مسائل و احکام کی تفسیر کرتے ہوئے آپؒ فقہاء کے مذاہب و دلائل بیان فرماتے ہیں اور اُس میں کسی کی بھی طرفداری نہیں کرتے مثلاً اِس آیت کی تفسیر!

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَا ثَةَ قُرُوْءٍ (سورۃ طلاق)

ترجمہ: مطلقہ عورتیں تین حیض یا طہر انتظار کریں۔

آپؒ نے اس آیت کی تفسیر میں شافعیہ وحنفیہ کے جداگانہ مذہب ومسلک بیان کر کے اُن کے دلائل پر روشنی ڈالی اور پھر لکھا ہے کہ ''یہاں شافعیہ کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے جو شخص اُن کے دلائل دیکھتا اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات ملاحظہ کرتا ہے وہ اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا''۔ (رُوح المعانی)

3- تفسیر رُوح المعانی کے بغائرانہ مطالعہ سے یہ حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ مولّف حضرت آلوسیؒ اسرائیلیات اور جھوٹے واقعات کو شدید نقد و جرح کا نشانہ بناتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ حالانکہ دیگر مفسّرین نے صحیح قرار دے کر اپنی تفاسیر میں ایسے واقعات کو شامل کیا ہے۔

4- آپؒ قراءت و ربطِ آیات و اسبابِ نزول کو بیان کرتے ہیں مختلف وُجوہِ قراءت میں قراءتِ متواتر کا التزام قائم نہیں رکھتے بلکہ ہر قسم کی قراءت ذکر کرنے کو مضائقہ نہیں سمجھتے۔ آپؒ آیات و سورتوں کے ربط و تعلق اور اسبابِ نزول پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ لغوی معانی بیان کرتے ہوئے عربی اشعار سے اجتہاد و استشہاد (استدلال) آپؒ کے لئے عام ہے۔

5- مفسّر حضرت آلوسیؒ نے اپنی تفسیر رُوح المعانی میں آیات کا ظاہری معنی و مفہوم بیان کرنے کے بعد اُن کے باطنی اور صوفیانہ معانی پر اظہار خیال بھی کرتے ہیں۔ اِسی بناء پر بعض علماء نے تفسیر رُوح المعانی اور تفسیر نیشاپوری کو تفسیر صوفیہ کی کُتبِ تفسیر میں شمار کیا ہے۔ مگر یہ بات دُرست نہیں کہ آپؒ کا مقصد صوفیانہ تفسیر نویسی نہ تھا بلکہ اِس کی حیثیت ثانوی اور ضمنی ہے۔

۔بہرکیف علامہ آلوسیؒ کی تفسیر رُوح المعانی تفسیرِ قرآن کا بیش قیمت گنجینہ ہے جو سابق مفسّرین کے اقوال و آراء پر مشتمل ہے۔پھر آپؒ علمائے تفسیر پر آزادانہ تنقید بھی کرتے ہیں جو آپؒ کی ذہانت و فطانت (Intelligence) کی آئینہ دار ہے۔اگرچہ آپؒ کی علمی وسعت و جامعیت کا یہ عالَم ہے کہ آپؒ بسا اوقات تفسیر کے دائرہ سے بھی باہر نکل جاتے نظر آتے ہیں۔تاہم کثرتِ عِلم و فضل کے باوجود آپؒ میں اعتدال و توازن بھی پایا جاتا ہے جو آپؒ کے مقصد(تفسیرنویسی) سے دُور نہیں۔

16.11- تفسیر صدیقی از بحر العلوم حسرتؔ صدیقیؒ

سوال:90:۔حضرت بحرالعلوم حسرتؔ صدیقی علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات کا اجمالی وجامع تذکرہ کرو؟

جواب:۔مفسّرِ قرآن حضرت علامہ بحر العلوم حسرتؔ صدیقی علیہ الرحمۃ:۔ تعارف!

آپؒ کا اسمِ گرامی حضرت علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی القادری، کنیت ابوالعباس،لقب بحرالعلوم،تخلص حسرتؔ اورنسبت القادری،حیدرآبادی(دکن) ہے۔آپؒ کے والدِ ماجد کا نام مولانا شاہ محمد عبدالقادر صدیقیؒ۔آپؒ کے جدِّ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالغفور قدس سرہ احمدآباد گجرات(انڈیا) کے متوطن تھے اور وہیں آپؒ کا مزار ہے۔ یہ سلطنت آصفیہ کے بانی نظام الملک آصف جاہ اوّل کا زمانہ تھا۔

حضرت بحرالعلوم حسرتؔ صدیقیؒ کا سلسلۂ نسب پدری 28 واسطوں سے حضور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔اور نسبِ مادری 32 واسطوں سے حضور سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔آپؒ نے ترانوے 93 برس کی عمر پائی۔اپنے وقت کے جلیل القدر ،اولوالعزم، جید عالِم دین ،صاحبِ حال صوفی و فقیر، محدث و فقیہ اورمفکر و مصلح دین رہے ہیں۔آپؒ کو بحرالعلوم ،شمس المفسّرین،علامہ،مولوی،رحمت اللہ،حبیب اللہ،طورالحبّی جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپؒ حنفی المسلک اور عالی مرتبت قادری بزرگ ہونے کے باوجود اکثر فرمایا کرتے، ’’فقہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کے مطابق کوئی عمل کرلے تو اُس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔کیوں کہ اِس طرح سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنّت پر عمل ہوجاتا ہے‘‘۔گویا آپؒ کا دراصل مسلک ہر حالت میں توحید وسنّت کو ملحوظ رکھنا ہے اور یہ آپؒ کے معتبر اہلِ سنّت ہونے کی آئینہ داری کرتا ہے۔

حضرت قبلہ بحرالعلوم حسرتؔ صدیقیؒ راقم احقر اور میرے والدین کے شیخ و پیرِ کامل ہیں۔اِس فقیر کو حضرت قبلہؒ سے اکتساب علم و فیض آج بھی جاری ہے۔

آپؒ نے قرآن و دینیات، اردو و فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی پر حاصل کی اور پھر بعد میں اپنے زمانہ کے یکتا و ماہرِ فن اساتذہ سے عربی، فارسی، قراءت، تفسیر، حدیث، عِلمِ کلام، فقہ، منطق، فلسفہ، عِلمِ معقول ومنقول، طب، ریاضی، تاریخ و قانون اور ساتھ ساتھ فنونِ سپہ گری، تلوار، بنوٹ، بندوق، کُشتی، شہسواری، وغیرہ کی تعلیم میں مہارت حاصل کی۔ درسِ نظامیہ کی تکمیل کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل میں امتیازی کامیابی حاصل فرمائی۔ پھر اُس وقت کے معیاری درس گاہ دارالعلوم میں آپؒ کا ابتدائی تقرر بحیثیت استاذ عمل میں آیا۔ کچھ عرصہ بعد عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کا قیام عمل میں آیا تو آپؒ کو پروفیسر و صدر شعبۂ دینیات کے جلیل القدر منصب پر فائز کیا گیا، وظیفہ حسنِ خدمت کی میعاد تکمیل ہوجانے کے باوجود آپؒ کو دس سال تک فرمانِ شاہی سے ہر سال توسیع ملتی رہی اور بالآخر 1993ء، م 1352ھ میں خدمت سے سبکدوش ہوئے تو جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے اعزازی ناظم مقرر ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ میں رہے تو وہاں کے اساتذہ و پروفیسر صاحبان اور جامعہ نظامیہ میں رہے تو یہاں کے علماء و فضلاء آپؒ سے کسبِ فیض کرتے رہے۔ عُلومِ ظاہری کے ساتھ عُلومِ باطنی میں بھی حضرت قبلہ بحرالعلومؒ نے نہ صرف تحقیقات کیں بلکہ اپنی رائے بھی قائم فرمائی اور اپنے تجربات کی روشنی میں اُصول مدوّن (مرتب) فرمائے۔ اکتسابِ فیضِ باطنی میں آپؒ کو اپنے والدِ ماجد کے علاوہ خصوصی تربیت و تزکیہ اور رہبری آپؒ کے حقیقی ماموں مرشد وشیخِ کامل اور حضرت سید خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ علیہ الرحمۃ (1313-1263 ہجری) سے ملی۔ آپؒ فرماتے تھے کہ "میری عظمت وعروج میرے مرشد قبلہؒ کی توجہ و تربیت اور فیض کا نتیجہ ہے"۔

بحر العلومؒ کا علمی مقام و دینی خدمات:۔

بحرالعلوم حضرت حسرتؔ صدیقی علیہ الرحمۃ بحیثیت مفسّر قرآن، محدث، فقیہ ومفکرِ دینِ اسلام اُن چند اکابر میں شمار کیے جاتے ہیں جو مزاجِ نبوت سے بہت قریب تر ہوتے ہیں۔ آپؒ ہر قسم کی افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اعتدال (صراط مستقیم) کو پرکھنے کی خاص قابلیت کے حامل رہے ہیں۔ آپؒ علومِ نقلیہ وعقلیہ میں وسعتِ نظری، کمالِ ذکاوت (پاک بازی) اور قوتِ اجتہاد میں دسترس رکھتے تھے۔

بحرالعلومؒ کی ولادت تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی، جو مسلمانوں کے فکری، سماجی اور سیاسی انحطاط (Deterioration) اور عقائد واعمال کے زوال کا انتہائی المناک دَور (Period) تھا۔ آپؒ نے بڑی محنت اور جِد وجہد کے ساتھ دین کے مختلف شعبوں میں اپنے حلقۂ اثر اور اپنے عمل سے تعلیم وتربیت-(تدریس) یا پھر قلمی کاوشوں کے ذریعہ انجام دی اور ایک جامع تفسیرِ قرآن تحریر فرمائی جو "تفسیرِ صدیقی" کے نام سے مقبولِ عام وخاص ہوئی۔ مزید یہ

کہ اصول وکلیاتِ فقہ وحدیث کی کُتب ،متفرق واہم مسائل پر تحقیقی مقالے (Thesis) جو مثلِ خطاب ہیں تصنیف فرمائے جو ایک مجدّد و مفکر و مصلح قوم (Revralist and Reformer) کا کام ہی ہوسکتا ہے۔

آپؒ کی حق رسی اور حق پرستی کی کوشش نے آپؒ کو عنداللہ رفعت ومنزلت کی جن بلندیوں اور اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا ہے اُس کا کچھ انداز آپؒ کے اِس فارسی کلام ''فغانِ حسرتؔ'' میں لکھے اِن اشعار سے ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شہباز دستِ قدرم صیدِ حقائق می کُنم

بر پایۂ عرشِ بریںم لانۂ باید مرا

ترجمہ:۔ میں دستِ قدرت کا ایک سَدھایا ہوا باز (شکاری پرندا) ہوں۔ میں حقائق اشیاء کا شکار کرتا ہوں۔

میں عرشِ بریں کے پائے پر ہوں، مجھے ایک گھونسلہ چاہیئے۔

اِن اشعار کے ذریعہ آپؒ نے کوئی فخر کی بات نہیں فرمائی بلکہ حق تعالیٰ کے اُس احسان پر ممنونیت (شکر) کا اظہار فرمایا جو محض واقعہ پر مبنی ہے۔ ورنہ آپؒ اکثر اپنے مریدین ومعتقدین سے فرمایا کرتے کہ ''میری تعریف میں پُل مت باندھو بلکہ مجھے ایک مسلمان کی حیثیت سے یاد رکھو تو کافی ہے''۔

حضرت بحرالعلوم حسرتؔ صدیقیؒ کے لئے یہ بات مابہ الامتیاز (Distinction) تھی کہ آپؒ کی ذات میں تمام سلاسل کی مابہ الامتیاز تعلیم جمع ہوگئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی فکر و روحانی بصیرت (Vision) نے اُن تمام افکار (عقائد) اور اعمال کو جو اسلام کی حقیقتِ روح کے مغائر (Contrary) تھیں چُن چُن کر مسلکِ تصوف سے خارج کردیا اور اپنی نسبتِ خاص وفیضِ روحانی کے ذریعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؒ کو باطناً بالراست حاصل تھی، بعد آنے والی نسلوں کے لئے دروازۂ تصوف کھول دیا جو عہدِ نبوتؐ و عہدِ صحابہؓ کی طرف کھلتا ہے۔ آپؒ نے عوام الناس کی اصلاح و بہبود میں اپنی ساری صلاحیتوں کو تادمِ حیات صَرف فرمایا۔ چنانچہ آپؒ نے زندگی کے ہر شعبہ میں قلم اُٹھایا اور انتہائی مفید رسالے تحریر فرمائے جو آنے والی نسلوں تک قابلِ قبول ہیں۔ آپؒ کے کارہائے نمایاں میں پہلا درجہ قرآن مجید کا فسیری ترجمہ وتفسیر اور تعلیمِ قرآن ہے۔ تقریباً دو ہزار (2000) صفحات پر مشتمل اردو زبان میں جامع ''تفسیر صدیقی'' حیدرآباد و پاکستان میں شائع ہوچکی ہے۔

بحرالعلوم حسرتؔ صدیقیؒ کے قابلِ ذکر تصانیف و تالیفات حسبِ ذیل ہیں!

1- **تفسیرِ صدیقی** (تفسیرِ قرآن مع جامع تفسیرِ سورۃ فاتحہ)۔ ہر پارہ کی ایک الگ جلد ہے۔

2- کُتبِ حدیث ''الدین'' چار جلدوں میں مع شرح حدیث۔

3- معیار الکلام (اصولِ حدیث و فقہ و تفسیر و منطق)۔

4- کُتبِ تصوف: 1- المعارف 2- مکاتبِ عرفان 3- التوحید 4- تفہیماتِ صدیقی 5- ترجمہ و شرح ''فصوص الحکم'' شیخ اکبر ابن عربی۔

5- تحقیقی موضوعات: 1- مسئلہ عدم نسخِ قرآن 2- حقیقتِ معراج النبیؐ 3- اعجازِ قرآن 4- حقیقتِ بیعت 5- سماع (جواز و افادیت) 6- اسلامی حکومت 7- مشاجراتِ صحابہ و اختلافاتِ ائمہ

6- دیگر مفید کُتب :۔ 1- نظام العمل فقراء 2- اصولِ اسلام 3- ارشاداتِ صدیقی 4- دینِ فطرت 5- کلیاتِ حسرتؔ (منظوم)

آپؒ کو عربی ادب، لغت، محاورت، نحو، صَرف، معانی و بیان میں عبور و مہارت آپؒ کے استاذ حضرت حبیب بوبکر بن شہابؒ کی دین تھی جو حضرالموت (یمن) کے مشہور شہر ''ترمیم'' کے رہنے والے تھے اور عربی زبان پر کافی عبور کے حامل تھے۔شعبۂ قراءت میں آپؒ کے استاذ حضرت قاری تونسیؒ ہیں جن سے اجازتِ روایت بھی حاصل کیا۔

حضرت بحرالعلومؒ کے اساتذۂ حدیث میں حضرت مولانا الٰہی بخشؒ اعظم پوری، حضرت مولانا محمد ہاشمؒ اور آپؒ کے والدِ ماجد حضرت شیخ محمد عبدالقادر صدیقیؒ ہیں۔اُن تینوں اساتذہ کی روایت کا سلسلہ حضرت شیخ احمد بن عبدالرحیمؒ المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جاملتا ہے۔

آپؒ کا قول ہے کہ ''ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے کہ ماہرِ فن پر اعتماد کرتے ہیں۔جب تک کہ خود کو مہارت نہ ہو دوسرے کی تقلید کرتے ہیں۔بے علمی پر خود مختاری تباہی کا موجب (Cause) ہوتی ہے۔ذاتی رائے کا ادعا (Pretention) اچھے آدمی کا کام نہیں ہے''۔

قرآن وحدیث پر گہری بصیرت رکھنے کی وجہ حضرت عبدالقدیر حسرتؔ صدیقیؒ شریعت کی رُوح کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے مزاج اور اقتضاء (Needs) سے بھی خوب واقف تھے۔جس کا نتیجہ تھا کہ علماء ومشائخین، صاحبانِ ثروت (امراء) سب کے لئے قابلِ قبول اور محترم ہستی رہے۔چنانچہ علمائے دین، پیشوایانِ ملت، لیڈرانِ قوم ہر ایک حسبِ حیثیت اِس پیکرِ علم وعمل (آپؒ) سے مستفید ہوتا تھا۔آپؒ نے کسی سیاسی تحریک میں حصّہ نہیں لیا۔پارٹی بندی کے مقابلے میں اتحاد المسلمین کو ضروری خیال کرتے۔چنانچہ لوگ اپنے مسلکی اختلافات سے اونچے اُٹھ کر متحد ہوسکے۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے!

''جولوگ باہمی تعاون اور معاہدات (عصبیت) سے ایک دوسرے کی حفاظت اور اعانت (مدد) کرتے ہیں وہ سب ایک قوم سمجھے جاتے ہیں۔اسلام نے چونکہ ملتِ اسلامیہ کو باہمی تعاون کی تاکید سے ایک ومتحد کردیا، اِس لئے تمام مسلمانوں کی ایک ہی قوم ہے۔اُن کا مخصوص مزاجِ قوم متاثر نہ ہونے پائے کہ وہ پھر سے اُٹھ کھڑے ہوسکیں اور اپنے کھوئے مقام کو پاکر اس کو بلند ومستحکم بناسکیں''۔ اس سلسلہ میں آپؒ نے ہر وقت ارشادات وعظ وکُتب سے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور اُن کے درخشاں حال ومستقبل کے لئے دست بہ دعا رہے۔

حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ کو اہلِ دانش وارباب بیش (علماء وحکماء) قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔آپؒ اہلِ قلم بھی ہیں اور اہلِ سیف بھی۔زندگی کے ہر دَور میں آپؒ طالب علم رہے اور استاد بھی۔

چنانچہ مولوی حافظ محمد مظہرؒ نائب صدر حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس لکھے ہیں!

''آپؒ (بحرالعلومؒ) کی ذہانت اور محنت کے خود آپؒ کے اساتذہ معترف تھے۔ادب، معقول و منقول علوم میں آپؒ کا پایائے علم بڑا ہی بلند و بالا ہے۔علم کو علم کے لحاظ سے حاصل کیا، علم ہی کی خدمت میں اپنی زندگی گزاری۔ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام کے ہمعصران علماء میں آپؒ کا شمار ہے۔آپؒ کی ذاتِ عالی حیدرآباد دکن کے لئے قابلِ نازش (فخر) ہے۔موجودہ حلقۂ علماء آپؒ کی بزرگی اور تبحر (بڑائی وبزرگی) کا معترف ہے اور آپؒ سے مستفید ہوتا رہا ہے۔ (اقتباس ''دارالعلوم کے سپوت'' مطبوعہ ادارہ ادبیات)

حضرت پیر نجم الدین گیلانی علیہ الرحمۃ فرزندِ نقیب الاشرف بارگاہِ غوث اعظمؒ نے حضرت بحرالعلومؒ کی سالگرہ مبارک کے موقع پر ہزاروں کے مجموعہ میں سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا!

''آپ کا وجود عالَم کے لئے خیر وبرکت ہے۔آپ کا نقصان قوم کا نقصان ہے۔ایسی سیکڑوں سالگرہ منانا نصیب ہو۔اسلام میں آپ کو مرکزیت حاصل ہے۔آپ کی بزرگی مسلّم ہے۔آپ میرے جدّ کی جگہ ہیں آپ اپنے نواسوں میں شامل فرمالیں تو میرے لئے موجبِ سعادت ہے''۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادریؒ معتمد مجلس علمائے دکن لکھتے ہیں!

''حق تو یہ ہے کہ حضرت بحرالعلوم تاج العلماء، سیدی وستاذی واخی محترم حضرت مولانا شاہ محمد عبدالقدیر صدیقی القادری کا وجود آیۃ ''مِنْ اٰیَاتُ اللّٰہِ وَ رَحْمَۃٌ'' کا نمونہ ہے۔حضرت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔حضرت ممدوح دام اللہ فیوضہ کیا ہیں اور کس مرتبہ پر فائز ہیں ہر شخص اپنے حسبِ استعداد سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

اِس فقیر (شیخ الاسلام) کو تقریباً پچاس (50) سال حضرت کی صحبتِ بابرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ ہمعصر علمائے کرام حضرتِ اقدس کے سامنے جب حاضر ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دریائے علم کے یہ حضرات ابتدائی شناور، دریا کے کنارے کھیل رہے ہیں''۔ (ماخوذ از ماہنامہ القدیر)

حضرت علامہ بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی القادری حسرتؔ کا وصال بروز شنبہ 17 شوال 1381ھ م 24 مارچ 1962ء بہ وقت عصر اپنے مکان ملک پیٹ حیدرآباد میں ہوا۔ آپؒ کے جلوس جنازہ میں ایک لاکھ سے زیادہ اشخاص نے شرکت کی جن میں ہر فرقے کے علماء و مشائخین مریدین و معتقدین شامل ہوئے تھے۔ آپؒ کی نماز جنازہ مکہ مسجد میں پڑھائی گئی اور تدفین ''صدیق گلشن'' بہادر پورہ حیدرآباد میں عمل میں آئی۔ آپؒ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا حامد صدیقیؒ سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ جن کا حضرت بحرالعلومؒ کے مریدین میں شمار تھا، حضرت حسرتؔ صدیقیؒ کے وصال مبارک کے موقع پر فرماتے ہیں!

''میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عبدالقدیر صدیقیؒ حرمِ نبوی میں تشریف لے جارہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ اعلان ہورہا ہے کہ مولانا عبدالقدیر صدیقی کے استقبال کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تشریف لارہے ہیں''۔ اِس بات کا انہوں نے مقامی اخبار کے ذریعہ اعلان کروایا تھا۔

سوال:91:۔ تفسیر صدیقی کا اجمالاً تعارف بیان کرو؟

جواب:۔ تفسیر صدیقی کا اجمالی تعارف!

تفسیر صدیقی تقریباً دو ہزار (2000) صفحات پر مشتمل اردو زبان کی جامع اور سہل تفسیر ہے۔ حضرت قبلہ بحرالعلومؒ کا معمول تھا کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد تفسیر صدیقی لکھواتے۔ یہ لکھوانے کا سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ جب تفسیر مکمل ہوگئی تو جملہ اکتیس (31) اجزاء یعنی ہر پارے کی الگ جلد میں حیدرآباد و پاکستان مین شائع ہوچکی ہے۔ طباعت کا کام ''حسرت اکیڈیمی'' حیدرآباد کے زیر اہتمام عمل میں آیا۔

تفسیرِ صدیقی میں مفسّر حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ نے قرآن کے ساتھ عربی زبان کے کئی کئی معنیٰ و مفہوم بیان فرمائے ہیں۔ اردو میں مستعمل عربی ترکیبیں اور محاورات استعمال کرتے ہوئے ترجمہ فرمائے اور دوسری طرف تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ''بیّنات'' اور ''ھدیٰ'' آیات کے ذریعہ قاری کو منشاءِ الٰہی سے قریب کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اِس ضمن میں عقائد و اعمال کے بے حساب مابہ النزاع مسائل حل کرتے ہوئے راہِ

حق کو واضح کر دیا ہے۔اور انتہائی کوشش کی کہ مخالفین اسلام کے اعتراضات کا کافی وشافی جواب دیں۔

ابتداء میں تفسرِ صدیقی کی اشاعت برس ہا برس تک قسط وار ''درس القرآن'' نامی جریدہ (ماہنامہ) میں آج سے نصف صدی سے کچھ زیادہ عرصہ قبل لگا تار رہا کرتی تھی۔تفسیرِ صدیقی ہر معیار کے قاری کے لئے دل پذیر ہے۔

تفسیرِ صدیقی کے مقدمہ میں مفسّر حضرت بحرالعلومؒ نے مسئلہ ''عدم نسخ القرآن'' کے نام سے تحقیقی مقالہ (Thesis) تحریر فرمایا اور دلائل کے ذریعہ ثابت کیا کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بدلائل اُن مجملہ (21) آیات قرآنی کو جو منسوخ (Abrogated) سمجھی جاتی تھیں اُن میں سے (16) آیتوں کو نسخ (Abrogation) سے نکال لیا تھا۔مگر پھر بھی پانچ (5) آیتیں اور بھی رہ گئی تھیں جو منسوخ خیال کی جاتی تھیں۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہی کے سلسلہ کے شاگردِ عزیز حضرت بحرالعلوم حسرتؔ صدیقیؒ نے اُن پانچ آیتوں کو بھی نسخ سے نکال کر عدم نسخِ قرآن (Non abrogation) کو پائے تکمیل تک پہنچایا۔

اِس تفسیر میں آپؒ نے کئی مقامات پر عربی ادب و شاعری سے استشہاد (استدلال) کی بنیاد پر بعض الفاظ و محاورات کے معنیٰ و مفہوم مروجہ ترجموں کے برعکس بیان فرمائے ہیں۔جن کو سمجھ کر پڑھنے سے حیرت سی ہوتی ہے اور آیات کا معنیٰ و مفہوم بالکل واضح ہوجاتا ہے۔

تفسیرِ صدیقی میں آپ نے قرانی تعلیمات کے علاوہ قرآن کو صحیح پڑھنے علمِ تجوید، قرآن کے ظاہری محاسن (بلاغت) اور باطنی اعجاز (فضیلت) بھی سمجھائے ہیں۔اِسی طرح الفاظ کے لہجے اور قاعدوں واصولوں کی ادائی (قراءت) کے علاوہ قرآن کا آہنگ (مقصد) اس کی رفتار اور اس کا توازن (طرز وانداز) بھی قاری کو نصیب ہوجاتا ہے۔قرآن کی اِن خدمات پر آپؒ کو خادمِ قرآن، شمس المفسرین، بحرالعلوم، علامہ جیسے جلیل القدر القاب بجا طور پر زیب دیتے ہیں۔

بہرکیف حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ کا اس تفسیرِ صدیقی کے ذریعہ مطمحِ نظر (مقصد) علمِ صحیح اور عقائد صحیحہ اور اُس کے مطابق عمل کی ترویج (Circulation) و اشاعت ہے۔اِس بات کا اندازہ قاری کو آپؒ کی سورۃ فاتحہ کی مفصل تفسیر دیکھنے سے ہی ہوجاتا ہے۔

تفسیرِ صدیقی، حضرت بحرالعلومؒ کا مابہ الامتیاز کارنامہ ہے جس کو آپؒ نے اُس احتیاط و محنت سے تحریر فرمایا جو کلام اللہ کی عظمت وشان سے ہم آہنگ ہو۔''مطلق'' آیات کو ''مقید'' کیا، مشکوک اور مبہم کو ''مبین'' بنایا اور غیر صحیح روایتوں سے اور شانِ نزول کی قیود سے قرآن کے مضامین کو آزاد فرمایا۔کلام اللہ پر وارد

ہونے والے ہر شبہ و اعتراض کو دُور کیا۔ادق (مشکل) مضامین کی حتی الامکان تشریح و تاویل کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مراد پر تفویض سے کام لیا۔کئی مقامات پر آپؒ نے تحقیق و استدلال میں انفرادیت دکھائی۔

حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ اپنی تفسیرِ صدیقی کے مقدمہ میں خود اپنی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں!

''ترجمہ کرتے وقت میں اِس پر غور کر لیتا ہوں کہ ہر لفظ کے معنیٰ کیا ہیں۔اصل میں باعتبارِ مادّہ کے کیا معنیٰ ہیں اور عام طور سے کیا معنیٰ لئے جاتے ہیں۔میں ایک ایک لفظ کے کئی معنیٰ لیتا ہوں،اشتقاق (Etymology) کے لحاظ سے اور عام فہم کے لحاظ سے۔بعض دفعہ عربی لفظ کے معنیٰ اردو لفظ ادا نہیں کر سکتا۔اس واسطے کئی لفظ لکھتا ہوں کہ اُن کے مجموعہ سے قرآن کے معنیٰ سمجھے جائیں۔میں اِس بات کی بھی کوشش کرتا ہوں کہ اردو میں اس عربی لفظ کے قریب قریب کیا الفاظ مستعمل ہیں تا کہ قرآن پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس عربی لفظ کے ہم معنیٰ اردو لفظ سے تو ہم اول سے ہی واقف ہیں۔ترجمہ کرنے میں عربی زبان کے محاورات سے ایسے معنیٰ لیتا ہوں جو مخالفین اسلام کے اعتراض سے پاک ہوں اور جس سے اسلام پر کوئی کمزوری یا برائی عائد نہیں ہوتی مثلاً

''تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ'' لوگ اس کے معنیٰ ''ہاتھ ٹوٹیں ابولہب کے اور وہ مر جائے'' لیتے ہیں۔

دیکھو! عرب لوگ کہتے ہیں محاورہ ہے ''مَالِیْ یَدَانِ فِیْ ھٰذَا الْاَمْرِ'' یعنی مجھے نہ قوتِ جارحہ (Offensive Capacity) نہ دافعہ (Defensive ability) ہے۔اردو میں کہتے ہیں کہ ''میں بے دست و پا ہوں'' یعنی بے سر وسامان۔گویا میری دونوں قوتیں جارحہ و دافعہ بیکار ہیں۔لہذا میں نے آیت ''تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ'' کا تفسیری ترجمہ یوں کیا!

''ابولھب نے اسلام کے خلاف جتنی کوششیں کیں وہ سب ناکام ہوگئیں۔ابولہب کی جارحانہ و دافعانہ قوتیں بیکار ہوگئیں۔آخر وہ خود بھی تباہ ہو گیا۔اس طرح حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کے معنیٰ فتنہ انگیز۔جلتی آگ میں لکڑیاں ڈالنے والی کے ہیں اور فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ کے معنیٰ ''یہ کہ اُسکی شرارت اُس کے گلے کا ہار ہوگئی'' چنانچہ تمام ترجمے میں مَیں نے اِس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ عربوں کے محاورہ کے مطابق معنیٰ اختیار کئے جائیں۔

اِس ترجمہ وتفسیر میں فقیر (مولّف) نے ممکن کوشش کی ہے کہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے۔یہ کام علم کا کلام ہے۔زمانہ بدل گیا ہے، پہلے زمانے کے مفسّرین باقی نہیں رہے۔اِس زمانے کے مخالفینِ اسلام جدا ہی اعتراض کرتے ہیں اور اُن کے جوابات بھی اُن کے لائق ہونے چاہیے۔آج بیرونی دشمن (غیر مسلم دشمن) ایک طرف اندرونی دشمنوں نے بہت سر اُٹھایا ہے۔اُن کے جوابات میں نے ''تفسیر صدیقی'' میں دیئے ہیں۔خصوصیت سے سورۃ فاتحہ کی

تفسیر میں''۔آپؒ مزید ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں!

''اندرونی مخالفین (غیر سنت الجماعت) کی میں نے خوب تردید (Rebuttal) کی ہے۔ایک دفعہ اندرونی مخالفین نے محضر (Statement of Complain) تیار کر کے گرکسن صاحب (جو حکومت حیدرآباد کے صدر مہام کو توالی اور اُمور عامہ تھے) کے سامنے پیش کیا۔تو گرکسن صاحب نے پوچھا کیا انہوں (بحرالعلوم) نے کوئی پمفلٹ لکھا ہے؟ جواب دیا ''نہیں'' کہا پھر یہ تحریر جس کی تم شکایت کرتے ہو۔کہاں ہے؟ کہا گیا کہ تفسیرِ صدیقی میں ہے۔اُس پر گرکسن صاحب نے کہا ''وہ (بحرالعلومؒ) تفسیر میں اپنے خیالات' اپنا مذہب نہ بتائے گا تو کہاں بتائے گا۔اگر اِن لوگوں کو اعتراض ہے تو یہ لوگ اُن کی تفسیر دیکھتے ہی کیوں ہیں''؟ پھر کہا ''ایسے مہمل محضر (Silly Complain) ہرگز میرے سامنے پیش نہ کئے جائیں''۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے مخالفین کے شر سے بچالیا۔تفسیر ہذا میں' مَیں نے بہت اہم مسائل کو حل کیا ہے مثلاً ''جزیہ'' مَیں اِس کو جزائے حفاظت سمجھتا ہوں اور تعدادِ ازواج کو مبنی برضرورت سمجھتا ہوں اور غلاموں کو اسیرانِ جنگ۔یہ سب مباحث دیکھنے کے قابل ہیں۔جابجا اِن مسائل کو جس قدر تحقیق سے بیان کرسکتا تھا میں نے کیا ہے۔

حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ کا قول ہے کہ!

''صاحبو! ایک میرا خیال یہ ہے، کہ زمانہ گردش کررہا ہے۔مسلمانوں پر کبھی مکّی حالت ہے کبھی مدنی۔جیسی حالت ویسا حکم۔اِس زمانے میں ہم مکّی حالت میں ہیں۔اِس وقت!

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبة:9:5) یعنی مشرکین کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو (لڑائی) کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔بلکہ **وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ** (البقرہ :2:195) یعنی اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو (امن) کا حکم دینا چاہیئے''۔ (مقدمہ تفسیرِ صدیقی ص 50)

الحاصل قرآن مجید کی اِس تفسیر میں آپؒ نے قرآنی آیات کی بلاغت اور ہدایت کو واضح کرنے کی جو خدمات انجام دی ہیں اُس کی روشنی میں یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ فنِ قراءت ہو کہ زبان و بیان کا علم، ترجمہ ہو کہ تحقیق کا بیان، احکام کی توضیح ہو کہ معارف کی تشریح تمام جہات میں حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ ''امام'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چنانچہ آپؒ اکثر فرماتے تھے، ''قرآن کی تفسیر کرنا یا لکھنا ہما شما (ہر کسی) کا کام نہیں۔قرآن اللہ کا کلام ہے۔زبانِ عربی میں نازل ہوا ہے۔اس کو سمجھنے کے لئے عربی زبان پر کافی عبور کی ضرورت ہے اور عربی کی لغت، محاورت، نحو، صَرف، معانی و بیان سے واقفیت ضروری ہے۔دنیا کی زبانوں میں عربی وہ واحد زبان ہے جس میں لفظوں اور ترکیبوں کی

کثرت ہے اور انصراف (Conclusion) کی صلاحیت ہے جس پر عربوں کو ناز تھا۔ اِس زبان میں ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اِس میں مجرد، مختصر اوزان (Measures) موجود ہیں جو علمی اصطلاحوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اور اِس زبان میں باریک سے باریک فرق کو ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ ایسی عربی زبان پر عبور حاصل کرنا کھیل نہیں ہے''۔

آپؒ یہ بھی فرماتے تھے، ''حسبِ ذیل عُلوم پر گہری نظر رکھے بغیر کسی کو تفسیر لکھنے کا حق ہی نہیں ہوتا!

عِلمِ مناظرہ، اصولِ حدیث، عِلمِ منطق، اصولِ فقہ، اصولِ تاویل، کلیاتِ فقہ۔ کلیاتِ قانون وامثال وحکم''۔ آپؒ نے اِن عُلوم ومسائل پر ایک جامع کتاب ''معیار الکلام'' کے نام سے تحریر بھی فرمائی۔

خلاصہ یہ کہ تفسیرِ صدیقی کے منجملہ مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قاری کو دورانِ تفسیر عربی زبان سے بھی واقفیت ہوجائے تاکہ قرآن کے سمجھنے کے لئے دوسری زبان کی حاجت نہ رہے۔ بلکہ خود عربی سے قرآن کو سمجھیں اور دیگر اہلِ کتاب کی طرح صرف ترجمہ پڑھ کر اصل کلام اللہ سے دُور نہ ہوجائیں۔

سوال:92:۔ تفسیرِ صدیقی کی خصوصیات بیان کرو؟

جواب:۔ **تفسیرِ صدیقی کی خصوصیات**:۔

اِس تفسیر کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں۔ جن کو خود مولّف حضرت بحر العلوم حسرت صدیقیؒ نے تفسیر کے مقدمہ میں تحریر فرمائے ہیں!

1- قواعدِ تجوید بالاختصار مع خصوصی علامات آیات کے ساتھ ساتھ ظاہر کئے گئے ہیں۔ جس کے ذریعہ بوقتِ تلاوت اصول تجوید کی پابندی کی جاسکتی ہے۔

2- یہ تفسیر نہایت علم فہم، سلیس اردو میں لکھی گئی ہے اور اِس میں اِس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ خود عربی سے قرآن کو سمجھیں۔ اِس لئے ہر لفظ کے جدا جدا معنیٰ بیان کئے جاتے ہیں۔ ترجمہ میں اِس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اصل میں یہ لفظ کس مادّہ سے مشتق ہے۔ مثلاً اِتَّقُوا اللّٰہَ کے معنیٰ خود کو غضبِ خدا سے بچاؤ۔ کیونکہ ''اِتَّقُوا''، وَقٰی، یَقِی، وِقَایَۃً سے ہے جس کے معنیٰ ''بچانا'' کے ہیں۔ نیز اِس مادّہ سے کوئی لفظ اردو میں مستعمل ہو تو وہ بھی بیان کردیا جاتا ہے جیسے اِتَّقُوا اللّٰہَ کے معنیٰ 'خدا سے ڈرو' اور ''تقویٰ وپرہیزگاری'' بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اِس مادّہ سے اگر کئی کلمے اردو میں مستعمل ہیں تو وہ بھی بیان کردیئے جاتے ہیں۔ جیسے اِتَّقُوا اللّٰہَ کے ساتھ وَقٰی، یَقِی، وِقَایَۃً اور متقی بھی لکھ دیا جاتا ہے۔

3- اِس تفسیر میں جا بجا حقیقی معنیٰ کے سوا اعتباری اور مجازی معنیٰ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ واضح کیا گیا ہے کہ جب کسی امر کی نسبت اصل کی طرف کی جاتی ہے تو اُس کو ''اسنادِ حقیقی'' کہتے ہیں۔ اور کسی شئے کے تعلق کی طرف نسبت کرنے کو ''اسنادِ مجازی'' کہتے ہیں۔ اسنادِ مجازی کو قرینہ (Context) کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً جَرَی الْمِیْزَابُ یعنی پرنالہ بہا۔ یہاں بہنے کی نسبت پانی کی طرف کرنا اسنادِ حقیقی ہے اور پرنالہ کی طرف کرنا اسنادِ مجازی ہے۔

اِسی طرح آیت وَ اِذَا تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا م بِاِذْنِیْ میں ''تَخْلُقُ'' کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مجازی ہے اور خدائے تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے اور قرینہ لفظ بِاِذْنِیْ ہے، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا موحد ہونا۔

اسی طرح ایک جگہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام سے کہا لِاَ ھَبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا یعنی تاکہ میں تجھے پاک بیٹا دوں۔ یہاں بیٹا دینے کی نسبت، جبرئیل علیہ السلام کی طرف ''اسنادِ مجازی'' ہے کیونکہ وہ فرشتے اور موحد ہونے کے سوا مامور من اللہ بھی ہیں اور بیٹا عطا کرتے ہیں۔

بہر حال حقیقی معنیٰ سے پھیرنے والا قرینہ ہو تو وہ نسبت مجازی (Metophoric) ہوگی۔ کفر و اسلام کا دارومدار اسی مسئلہ کے سمجھنے پر ہے۔ اِس لئے جا بجا اِس کو بیان کیا گیا ہے اور اِس کی توضیح (Explanation) بھی کی گئی ہے۔

4- اِس تفسیر میں جہاں جہاں مشاکلہ (ایک لفظ ایک ساتھ دو معنوں میں استعمال ہوتا) ہے۔

جیسے ! وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ میں مشاکلہ ہے۔ معنیٰ یہ ہیں کہ ''انہوں نے مکر کیا اور اللہ اُن کے مکر کی سزا دینے والا ہے۔

اِسی طرح! اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَ اَکِیْدُ کَیْدًا کے معنیٰ ہیں!

''وہ مکر کرتے ہیں اور ہم اُن کے مکر کی سزا دیتے ہیں''۔ اِس آیت میں بھی مشاکلہ ہے اور مجازی معنیٰ بھی ہیں۔

5- اِس تفسیر میں کسی جگہ نحوی مسائل کے سمجھنے میں طالب علم کو کوئی دشواری ہوتی ہے تو وہ بھی حل کر دی گئی ہے۔

6- تفسیرِ صدیقی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تمام تصوف کی کتابیں اور ائمہ کے مذاہب سب قرآن سے ماخوذ (Derived) ہیں اور یہ کہ ائمہ نے ایک قدم بھی قرآن کے خلاف نہیں اُٹھایا۔ ائمہ کے اقوال قرآن کے اجمال (Abstract) کی تفصیل ہیں۔ اور سب کا ماخذ (Source) قرآن ہے۔ اِس سے حضرت بحر العلومؒ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہم کو جو کچھ ملا ہے وہ قرآن ہی سے ملا ہے۔ قرآن ہی یقینی اور قطعی چیز ہے۔

7- اِس تفسیر میں مخالفین اسلام کے تمام اعتراضات کے حتی الامکان جوابات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً ''جزیہ'' کے

معنیٰ ''حقِ حفاظت'' اور وارفنڈ بتائے گئے ہیں۔

8- تفسیرِ صدیقی میں تردیدِ مذہب کے عوض اصل مسائل کی تحقیق کردی گئی ہے جس سے پڑھنے والے کے دل پر غیر مذاہب کے اعتراضات کا مطلقاً اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ غلط اعتراض دلنشیں ہوجائے اور لاکھ نکالے نہ نکلے۔

9- اِس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مختلف معترضین کے اعتراض اِس انداز میں بیان کئے گئے ہیں کہ کسی کا شخصی نام ظاہر ہونے نہیں پایا اور مسئلہ کی تحقیق ہوجاتی ہے۔

10- اِس تفسیر میں تصوف اور علمِ اخلاق کے مسائل سہل ترین طریقہ سے بیان کردیئے گئے ہیں۔ نیز کوشش کی گئی ہے کہ تمام مسائل قرآن کے ضمن (روشنی) میں معلوم ہوں جیسے سود، دارالحرب، سرمایہ داری (Capitalism)، اشتراکیت (Communism) اور غلامی (Slavery) وغیرہ کی بھی تحقیق کردی گئی ہے۔

11- اِس تفسیر میں ایک بات کی بڑی سعی (کوشش) کی گئی ہے کہ ایک آیت کو دوسری آیت سے جو ربط (Relevance) ہے اِس کو بیان کیا جائے۔ محذوفات (وہ الفاظ جو گرادیئے گئے ہیں) اور وہ مقدرات (وہ لفظ جو عبارت میں اول سے نہ ہو مگر معنیٰ کئے جائیں) بھی ظاہر کردیئے گئے ہیں۔ نیز اِس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ قرآن کو سمجھنا غیرِ قرآن پر موقوف نہیں ہے کیونکہ وہ (قرآن) خود مبین (Clear) ہے۔

12- اِس تفسیر کی ایک خصوصیت ''مسئلہ اعجازِ قرآن'' ہے جس کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ قرآن نہ صرف بلاغت (Eluquance) میں اعجاز (Wonder) ہے بلکہ ہر اعتبار سے وہ اعجاز ہی اعجاز ہے۔ ہر فن (Field) کا آدمی اگر قرآن کا مطالعہ کرے گا تو قرآن خود اس کے فن میں معجزہ بن کر ظاہر ہوگا۔

13- تفسیرِ صدیقی میں بطور خاص اِس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں، نیز مسئلہ نسخ کی بھی تحقیق کی گئی ہے۔ آیت کے ایسے معنیٰ بیان کئے جاتے ہیں کہ نسخ (Abrogaton) کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا۔ سارا قرآن اِسی ترتیب سے ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔

14- قرآن میں جہاں جہاں خدائے تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اِس تفسیر میں ظاہر کیا گیا ہے وہ حقیقت میں شہادت ہے اور ہر جگہ کوشش کی گئی ہے کہ وجہِ شہادت کیا ہے بیان کردی جائے۔

15- اِس تفسیر کی نادِر خوبی (Wonderful beauty) یہ ہے کہ جا بجا احکامِ قرآنی کو زمانۂ حال (Present Situation) پر منطبق (Super Impose) کرکے مسلمانوں کو سائنس اور تہذیب کے آئینہ میں اُن (خود مسلمانوں) کی صورت دکھلادی گئی ہے۔ تاکہ موجودہ دَور میں کس طرح مسلمان احکامِ قرآنی سے دُور ہوئے اور ہوتے

جارہے ہیں وہ اُن پر منکشف (معلوم) ہوجائے۔

16- غرض اِس تفسیر کا طرزِ بیان نہایت آسان۔دل نشیں اور تفہیم (Elucidation) بہت ہی خاطر نشان (معیاری) ہے۔اِس سے نہ صرف عربی زبان آتی ہے بلکہ اردو ادب سے بھی واقفیت ہوجاتی ہے۔اور مسائل قرآنی کے مقاصد اور اصول (Aims & Objections) سمجھ میں آجاتے ہیں۔اسلام اور اُس کی حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے۔اور چونکہ طرزِ بیان دلکش ہے اِس سے پڑھنے والے کا جی اکتاتا نہیں بلکہ اِس سے ایک طرح کا نشاط (Delight) اور انکشاف (Clarity) پیدا ہوتا ہے۔

17- آخر میں مفسّر حضرت بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کے امیدوار ہیں کہ خود مولّف کو بھی فائدہ حاصل ہو۔ (مقدمہ تفسیرِ صدیقی ص 51)

18- الغرض علامہ حضرت بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقی القادریؒ کی ''تفسیرِ صدیقی'' تمام تنوع (اقسام) تفسیر کی اعتدال پر مبنی جامع تفسیر ہے۔اور تفسیرِ قرآن کا مختلف عُلم وفنون پر مشتمل ایک لاجواب خزانہ ہے۔آپؒ کی عِلمی وسعت وجامعیت کے باوجود نہایت دلکش انداز میں معترضین کے اعتراضات کا جواب اور ملتِ اسلامیہ کی اصلاح و بہبود کی خاطر اہم مسائل کی قابل قبول تحقیقی طرز، آپؒ کے بلند مرتبہ اور اقتضائے وقت سے بخوبی واقف وآگاہ ہونے کا آئینہ دار ہے۔اِس تفسیر میں وہ سب کچھ ہے جو عام وخاص طلباء واساتذہ، علماء واکابر کے لئے چاہیئے۔تفسیرِ صدیقی حسرت اکیڈیمی، صدیق گلشن، بہادر پورہ، حیدرآباد پر دستیاب ہے۔

17- مبتدعین کی تفاسیر

سوال:93:۔تفسیرِ قرآن میں ارتقاء اور فرقہ ہائے اسلامی کا آغازِ ظہور اور اس کے منفی اثرات پر روشنی ڈالو؟

جواب:۔**اسلام میں فرقہ بندی کا آغاز**:۔

تفسیرِ قرآن میں عہدِ رسالت سے لے کر اتباع تابعین کے عصر عہد تک بڑی حد تک ایک ہی روش پائی جاتی ہے یعنی ہر پیچھے آنے والا دَور اپنے سابقین سے بطریق روایات وسماع تفسیرِ قرآن اخذ کرتا رہا۔عہدِ رسالت سے جس قدر دُوری ہوتی گئی تفسیرِ قرآن کے غموض و خِفا (پوشیدہ) پہلوؤں میں اضافہ ہوتا گیا۔تفسیرِ قرآن میں یہ اضافہ اُن عقلی و اجتہادی افکار و نظریات کی بناء پر ہوا جن کی ذمہ داری اُن لوگوں پر ہوتی ہے جو عقلی پہلو کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ تاہم عقلیت کا جو رجحان تفسیر میں پیدا ہوتا تھا وہ قانونِ لغت اور حدودِ شریعت کے دائرے کے اندر محدود تھا۔بالفاظ دیگر ابھی رائے (تفسیر بالرأی) محمود (قابلِ تعریف) سے تجاوز کر کے مذموم (قابلِ مذمت) تک نہ پہنچا تھا۔

اہلِ اسلام میں نزاع واختلاف کا ظہور اجتہادی اُمور سے ہوا جن کی بناء پر کوئی شخص کفر و بدعت کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک معاملہ یوں ہی رہا۔خلافتِ عثمانی کے آخری دَور میں کچھ لوگوں نے بغاوت (Revolt) کر کے آپؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور آخر کار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ اب مسلمانوں میں فکری انتشار (Conceptual confusion) کا آغاز ہوا اور وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔یہ 37ھ کا واقعہ ہے جب اُمت چار فرقوں میں بٹ گئی۔1- خوارج 2- شیعہ 3- مرجیہ 4- حضرت معاویہ اور بنوامیہ کے طرفدار۔

رفتہ رفتہ خلیج (دراڑ) بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ متاخرین صحابہؓ کے دَور میں ہی میں فرقہ قدریہ کا ظہور ہوا جو بعد میں حضرت حسن بصریؒ کے دَور میں ''معتزلہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔پھر دیگر ادیان ومذاہب مثلاً یہودیت،نصرانیت،مجوسیت اور صائبہ میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کا لبادہ (لباس) اوڑھ کر لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی مثلاً عبداللہ بن سبا یہودی اور اُس کے ہمنوا۔وہ مسلمانوں میں فتنہ وانتشار پیدا کرنے کے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔

اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن فرقوں نے جنم لیا جو غلو ومبالغہ سے کام لے کر ایسے عقائد گھڑ لئے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے ہی نکل گئے۔مثلاً سبیۂ و باطنیہ فرقے۔تفریق وانتشار کی خلیج وسیع ہوتی گئی اور نتیجتاً بقول اشارۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ اسلامیہ تہتر (73) فرقوں میں بٹ گئی اور یہ سب دوزخی ٹھہرے سوا اُس فرقہ کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ پر گامزن ہے۔

اِن میں حسبِ ذیل پانچ فرقے زیادہ مشہور ہیں:

1- اہلِ سنّت 2- معتزلہ 3- مرجیۂ 4- شیعہ 5- خوارج

اِس انتشار وخلفشار نے مسلمانوں کے دینی اور سیاسی وحدت (اتحاد) کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ عصرِ اوّل میں صحابہ کرام فرقِ مذہب کے تصور سے بالاتر تھے۔ آگے چل کر جب یہ تفرّق وانقسام (فرقے) رونما ہوئے تو اِن فرقوں نے قران کریم کو اپنے عقائد وافکار کی عینک سے دیکھنا شروع کیا اور اُس کی تفسیر وتاویل اسی انداز سے کرنے لگے کہ اُن کے مخصوص نظریات سے متصادم (Conflict) نہ ہوں۔ اِسی طرح اُن مین سے بعض فرقوں نے قرآنی آیات کی جو تاویلات کی ہیں وہ تفاسیر اور عِلمی کُتب میں اِدھر اُدھر بکھری پڑی ہیں۔ یکجا نہیں ملتی۔ اِس لئے اہلِ سنّت کی تفاسیرِ کُتب کے علوہ اُن تمام فرقوں کے تفسیری رجحانات پر روشنی ڈالنا مشکل ہے۔ اور یہ ہماری اِس کتاب کے مقصد میں بھی شامل نہیں۔ ہاں مگر بقول حضرت امام تیمیہؒ کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فرقہ معتزلہ، شیعہ اور خوارج پہلے اپنا ایک عقیدہ جما لیتے ہیں اور پھر قرآنی الفاظ کو اس کے تابع کرتے ہیں۔ صحابہؓ و تابعینؒ، ائمہ مسلمین اور علمائے سلف میں کوئی بھی اُن نظریات اور تفسیر کی تائید وحمایت نہیں کرتا۔ اُن کے تفسیر کا بطلان مختلف وجوہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اُن میں سے بعض لوگ بڑے شیریں مقال و فصیح (Excellent Orator and writer) ہوتے ہیں۔ مگر اپنی عبارت میں بدعت کو اِس طرح چھپا دیتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ تک نہیں چلتا کہ یہ معتزلہ، شیعہ یا پھر خوارج کے اصول وعقائد ہیں۔

(مقدمہ اصولِ تفسیر)

18- تفسیرِ صوفیہ

سوال:94:۔ **لفظِ تصوف کی اصل**:۔تصوف کا معنیٰ ومفہوم اوراس کے ارتقاء پرمختصرمگر جامع روشنی ڈالو؟

جواب:۔ **لفظِ تصوف کی اصل**:۔

1- بعض لوگ کہتے ہیں لفظِ تصوف (اُون) سے ماخوذ ہے۔چونکہ صوفیہ کرام اپنے زہدوورع (تقویٰ) کی بناء پر عام لوگوں کے برعکس قیمتی لباس سے احتراز کرتے اور روئی یا اُون کے لباس زیب،تن کیا کرتے ہیں اِس لئے اُن کا لقب صوفیہ ہوا۔

2- تصوف کا لفظ صفاء (پاکیزگی وصفائی) سے نکلا۔چونکہ صوفیہ کرام اپنے مریدین کے دل کو باطنی امراض سے پاک کرتے ہیں اورخوداُن کے دل بھی رُوحانی بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں،اِس لئے اِن کو اِس نام سے موسوم کیا گیا۔

3- بعض کا خیال ہے کہ تصوف لفظ صُفّہ سے نکلا ہے۔فقراء و صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اہلِ صُفّہ کہا جاتا تھا۔چونکہ صوفیہ کرام بھی اہلِ صُفّہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں،اِس لئے یہ نام پایا۔

4- دراصل ''تصوف'' علمِ کلام میں ''احسان'' کی ایک اصطلاح (Terminology) ہے۔لفظِ ''احسان قرآن و حدیث نبویؐ میں وارد ہے۔گویا ''تصوف'' کا ماخذ ''احسان'' ہی ہے۔

5- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کے مطابق ''احسان'' یہ ہے کہ ''عبادت کر اللہ کی گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے،اگر تو اُس کو نہیں دیکھتا تو یہ سمجھ کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے''۔یعنی ''احسان'' مشاہدۂ حق سے متعلق ہے۔

6- معلوم ہوا کہ خدائی ذات اور اِس کے صفات اور بندوں سے اِس کا ربط جن جن عُلوم میں بیان کیا جاتا ہے ''متکلم'' (علمِ کلام جاننے والا) اُن چیزوں پر عقلِ سلیم (Intellect) سے غور کرتا ہے۔اور ''صوفی'' انہیں سے بحث کرتا ہے مگر رُوحانی قوت سے۔دیکھو! خدائے تعالیٰ کی ذات اور اسماء وصفات سب قدیم ہیں۔اُن پر عقل والے (متکلم) اور کشف والے (صوفی) سب ہی غور کرتے ہیں اصل چیز قدیم رہتی ہے مگر بیان کرنے والے اصطلاحات مقرر کرتے ہیں۔ان اصلاحات کے نئے ہونے سے اصل شئے نئی نہیں ہوجاتی۔

7- تمام انبیاء ذات وصفاتِ الٰہی کو جانتے تھے اور مسلمان بھی ہمیشہ سے جانتے ہیں۔اللہ اور اُس کے صفات کے مطابق تمام پیغمبر تقریباً ایک ہی بات کہتے ہیں تو پھر کیا تصوف خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کو جاننے کے سوا کچھ اور ہے؟ ہرگز نہیں۔کیا مسلمانوں نے یونانیوں سے ہندوؤں سے یا پارسیوں سے تصوف لیا ہے؟ یہ سب غلط ہے۔خدائے تعالیٰ قدیم ہے اور اس کے سمجھنے والے بھی ہمیشہ سے موجود ہیں۔بعض لوگوں کے بے تحقیق بات کہنے سے کیا ہوتا ہے

کچھ نہیں ہوتا۔

18.1-تصوف کا معانی و مفہوم:۔

تصوف آغازِ اسلام سے موجود ہے۔ چنانچہ کثیر صحابہؓ دنیوی مال ومتاع سے نفور (عاری) اور زہد وتقویٰ (ریاضت) کے دلدادہ تھے۔ تزکیۂ نفس وقلب کی خاطر راتوں کو قیام اور دن مین روزہ رکھتے۔ لہذا تصوف کے معنیٰ ومفہوم کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اپنے نفس کو ارادۂ الٰہی کے تابع کردے۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت میں قلب ورُوح سے سرگوشی کرنے کو تصوف کہتے ہیں۔ اِس سرگوشی میں اُس شخص کے لئے طہارت وپاکیزگی کا سامان ہے جو ناپاکی اور غلاظت سے جسم وقلب کو پاک وصاف کرنا چاہتا ہے۔ ایسے آدمی کا شمار عارفین ومقربین میں ہونے لگتا ہے اور اُس پر الہامِ ربّانی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

تصوف کا ارتقاء :۔ تصوف آغازِ اسلام ہی سے صحابہؓ کی کثیر تعداد میں مقبول ہے البتہ وہ صوفیہ کے نام سے معروف نہیں ہوئے۔ دوسری صدی ہجری میں جو لوگ فنافی اللہ کی منزل طئے کر چکے تھے اور زہد وتقویٰ کا زندہ پیکر تھے ''صوفیہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اُن میں اوّلین صوفی لقب حضرت ابو ہاشم صوفی متوفی 150ھ ہے۔

(کشف الظنون)

اُس کے بعد معاشرہ اور ماحول کے زیرِ اثر صوفیانہ نظریات تغیر پذیر رہے۔ فلاسفر، متکلمین اور فقہا نے بھی صوفیانہ افکار پر خاطر خواہ اثر ڈالا۔ صوفیہ نے فلسفہ سے مقابلتاً زیادہ اثر قبول کیا۔ نتیجتاً بعض صوفیہ ایسی باتوں پر یقین رکھتے ہیں جو دینی اصول وعقائد سے متصادم ہیں۔

چنانچہ جمہور اہلِ سنت تصوف میں فلسفیانہ خامیوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور اُس تصوف کی تائید کرنے لگے جو زہد و تقویٰ اور نفس کی تربیت واصلاح کے لئے مفید ہے۔ بالآخر اہلِ سنت نے ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر ایسے تصوف میں فلسفیانہ خامیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا۔ مگر تصوف میں کچھ ایسے لوگ بھی آدھمکے جو اِس کے اہل نہ تھے۔ اُن لوگوں نے زہد وتقویٰ کا لبادہ اُوڑھ لیا اور صوفیہ کی تعلیمات کا دائرہ صرف اُوراد وافکار تک محدود کرلیا۔ حالانکہ تصوف مکمل اخلاق و کردار کی اصلاح و تربیت کا نام ہے۔ جو صحبتِ عارف اور اُس کی توجہ خاص کے فیضان سے حاصل ہوتی ہے۔

سوال:95:۔ تفسیرِ صوفیہ کا مطلب اور اُس کی خصوصیت وافادیت پر تبصرہ کرو؟

جواب:۔ **تفسیرِ صوفیہ**:۔ تفسیرِ صوفیہ کا یہ مطلب ہے کہ پوشیدہ اشارات کی بناء پر جو اصحابِ تصوف ہی پر روشن و

معلوم ہوتے ہیں قرآنِ کریم کی ایسی تفسیر کی جائے جو اُس کے ظاہری مفہوم کے برعکس ہو البتہ ظاہری اور باطنی مفہوم میں جمع وتطبیق (Comparison) کا امکان ہو۔

لہذا تفسیرِ صوفیہ کی اساس علمی مقدمات پر کم اور رُوحانی ریاضات کے زیرِ اثر زیادہ ہوتی ہے۔صوفی ریاضت کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اُس پر عبادت کے پردے میں کچھ اشاراتِ قدسیہ منکشف ہونے لگتے ہیں۔ اور اِس طرح آیاتِ قرآنی میں جو معارف وحقائق ہوتے ہیں وہ عالَم علوی سے اُس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔صوفیہ جب تفسیر کرتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ آیت کے ظاہری معنیٰ کے علاوہ ایک دوسرے باطنی معنیٰ کی بھی متحمل ہوتی ہے۔لیکن عام ذہنِ انسانی ظاہری معنیٰ کی طرف پہلے متوجہ ہوتا ہے۔

قرآنِ عزیز کے معانی ومطالب کے اظہار وبیان میں تفسیر صوفیہ کا انداز کوئی نیا یا بدعت نہیں بلکہ یہ اس وقت سے جانا پہچانا طریق ہے جو حضور آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا کرتا تھا۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق سے آگاہ فرمایا اور صحابہ کرامؓ بھی اس سے آگاہ رہے۔چند آیات ملاحظہ ہوں!

1- فَمَالِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (النسآء:4:78)

ترجمہ:۔اِس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ بات ہی نہیں سمجھتی۔

2- اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ (النسآء:4:82)

ترجمہ:۔کیا قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔

3- اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد:47:24)

ترجمہ:۔کیا قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

اِن صدر آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کُفار کو قرآن کے ظاہری معنیٰ کی طرف توجہ دلانا مقصود نہیں کیونکہ وہ عرب تھے اور عربی اُن کی مادری زبان تھی۔منشائے الٰہی دراصل یہ ہے کہ وہ مرادِ ربّانی کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔اِس لئے اُن کو قرآنی آیات میں فکر وتدبر کی دعوت دی گئی ہے۔یہی قرآن کا باطنی مفہوم ہے جس سے وہ ناآشنا تھے۔ (الموافقات شاطبی)

حضرت الفریابیؒ حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر حرف کی حدّ ہے اور ایک بلندی''۔

اسی طرح حضرت دیلمیؒ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

’’قرآن عرش کے نیچے تھا۔ اُس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن وہ لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرے گا۔

مذکورہ صدر دونوں احادیث میں صراحت ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔

صحابہ کرامؓ سے جو اقوال منقول ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیرِ صوفیہ جس کو تفسیرِ اشاری یا فیضی بھی کہتے ہیں، سے آگاہ و قائل تھے۔ اقوالِ صحابہؓ ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

1- ’’جو شخص اوّلین و آخرین کے عُلوم سے آگاہ ہونا چاہے وہ قرآن کا مطالعہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد قرآن کی ظاہری تفسیر سے پورا نہیں ہوسکتا‘‘۔

2- صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔ ’’حضرت عمرؓ نے ایک روز دیگر صحابہ کی موجودگی میں حضرت ابن عباسؓ کو بھی شرفِ ملاقات بخشا۔ صحابہؓ کو مخاطب کر کے پوچھا کہ آیت ’’اِذَا جَـآءَ نَصْـرُ اللّٰہِ ‘‘ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بعض صحابہ نے کہا کہ ’’ ہمیں اِس آیت میں حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے‘‘ بعض صحابہؓ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو مخاطب کر کے اِس آیت کے معنیٰ دریافت فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ’’آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل طبعی قریب آ گئی ہے۔ اِس لئے آپؐ کو پہلے سے زیادہ حمد و استغفار کرنا چاہیئے‘‘۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ’’اِس ضمن میں میرا خیال بھی یہی ہے۔ اِس سے واضح ہوا کہ بعض صحابہؓ اُس آیت کو ظاہر پر محمول کیا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس سے جو مفہوم مراد لیا ہے وہ ظاہر کے خلاف ہے یعنی باطنی مفہوم اور بطریق اشارہ (الہام) سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ (صحیح بخاری باب تفسیر)

خلاصہ یہ کہ صدر متذکرہ دلائل و براہین اِس اَمر کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ ہر عربی داں ظاہرِ قرآن کے فہم و ادراک پر قادر ہے۔ البتہ قرآن کے باطنی مفہوم و ادراک سے اربابِ دانش و بصیرت (صوفی و عارفین) ہی آگاہ ہوسکتے ہیں۔ باطنی معانی کی آخری سرحد وہ نہیں ہے جہاں تک ہمارے حواس (ظاہری و باطنی) کی رسائی ہے۔ بلکہ یہ اَمر ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ’’فہم قرآن کا میدان بہت وسیع ہے۔ جو شخص اوّلین و آخرین کے عُلوم سے آگاہ ہونا چاہے وہ قران کا مطالعہ کرے‘‘۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے!

وَمَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْ ءٍ (الانعام:6:38) یعنی ہم نے قرآن میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی۔

بلا شبہ قرآن جن باطنی معانی پر مشتمل ہے تمام مفسّرین کو وہاں تک رسائی حاصل نہیں ہے۔ جو مفسّرین اُن کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ بھی مساوی الدرجہ نہیں ہیں بلکہ اُن میں فرقِ مراتب پایا جاتا ہے۔ جہاں تک اہلِ حقیقت صوفیہ کا تعلق ہے وہ قرآن کے ظاہر و باطن دونوں کو تسلیم کرتے ہیں مگر باطنی معانی کی شرح و توضیح (Eucidation) کرتے وقت جہاں قابلِ قبول معانی پر روشنی ڈالتے ہیں وہاں ایسے مطالب بھی بیان کرتے ہیں جو عجیب و غریب ہوتے ہیں اور حیرت سی ہوتی ہے۔

باطنیہ فرقے والے ظواہرِ قرآن کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ صرف باطنی معانی کے قائل ہوتے ہیں مگر وہ دانستہ اور بد نیتی کے باعث ایسے باطنی معانی مراد لیتے ہیں جو اُن کے عقائد سے ہم آہنگ (موافق) ہوتے۔ اِن سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کے باطنی معانی مفہوم کے سلسلہ میں صرف عرب دانی کافی نہیں بلکہ عربی لغت سے آشنائی کے ساتھ ساتھ خداداد دانش و بصیرت کی بھی ضرورت ہے جس کی بناء پر مفسّر صاحبِ بصیرت اور سلیم الفکر ہوتا ہے۔ گویا باطنی مفہوم قرآنی الفاظ کے مدلول (دلیل) سے کوئی الگ شئے نہیں ہوتی۔ لہذا علماء کے مطابق باطنی مفہوم کی صحت کے لئے حسبِ ذیل شرطیں عائد ہوتی ہیں۔

1- یہ کہ باطنی معنیٰ عربی زبان کے اصول وقواعد سے متصادم (Contrary) نہ ہو۔

2- یہ کہ کوئی نص (دلیل قطعی) ایسی موجود ہو جس سے باطنی معنیٰ کی تائید ہوتی ہو اور اس کا کوئی معارض (مقابل) نہ ہو۔

3- بعض دفعہ تفسیرِ صوفیہ میں قاری و ناظر کے لئے عبرت پذیری کے نقطۂ نظر سے مفسّر کسی آیت سے بعض ایسے ''اعتباری'' معنیٰ مراد لیتا ہے جن کے بارے میں وہ آیت نازل نہیں ہوئی مگر وہ اعتباری معنیٰ اُس آیت کے مقصدِ نزول سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ کام اہلِ تحقیق صوفیہ کا ہے۔ جو کتاب اللہ کے سب سے بڑے راز داں ہوتے ہیں۔ جو باطنی معنیٰ ایسے علماء سے منقول ہیں ان کے صحیح ہونے کا بھی احتمال ہے اور بڑی حد تک نفوسِ انسانی کی اصلاح وتزکیہ اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرنے کے لئے اہل اللہ کی نظر میں نہایت مفید ہوتے ہیں۔

اِس کی ایک مثال یہ آیت کریمہ ہے!

فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (البقرہ 2:22)

ترجمہ:۔ اور خدا کے شریک نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو۔

اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسّر و عظیم صوفی **حضرت سَہل تُستَری علیہ الرحمۃ** لکھتے ہیں!

''اَنۡدَادًا'' کے معنیٰ ضدّ اور مخالفت کے ہیں۔ نفسِ امّارہ سب سے بڑا مخالف ہے جو ہدایتِ خداوندی کے برعکس

لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی تلقین کرتا ہے''۔ (تفسیر القرآن از سھل تستریؒ)

حضرت سھل تستریؒ نے جو معنیٰ بیان کئے ہیں اُن کا مطلب آیت کی تفسیر سے ہٹ کر یہ کہنا ہے کہ نفسِ امّارہ بھی شرعی اعتبار سے ''نِدّ'' (خدا کا شریک) ہی ہے۔ اِس لئے کہ 'نِدّ' شریک اور مخالف کو کہتے ہیں۔ نفسِ امّارہ انسان کو غلط راہ پر ڈالتا ہے جو خدا کی مرضی کے مغائر بات ہے۔ اور پھر لوگوں نے جو بُت بنا رکھے تھے وہ بھی منشائے الٰہی کی مخالفت ہی تو ہے۔ اِس لئے حضرت سھل تستریؒ کا قول درست ہے۔

چنانچہ اِن کی تائید میں امام سیوطیؒ حضرت ابن عطا اللہ سکندریؒ کا یہ قول اپنی کتاب'' لطائف المنن ''میں تحریر کرتے ہیں!

''صوفیہ کے گروہ نے قرآن وحدیث کے جو عجیب وغریب معانی بیان کیے ہیں اِس کے یہ معنیٰ نہیں کہ انہوں نے ظواہرِ نصوص (دلیل قطعی) کو تبدیل کر دیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ظاہری معانی تو لغت کی مدد سے بہ سہولت سمجھ میں آسکتے ہیں۔ البتہ آیات واحادیث کے کچھ باطنی معانی بھی ہوتے ہیں اور وہ اس شخص پر منکشف (ظاہر) ہوتے ہیں جسے شرح صدر عطا کیا گیا ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ ''ہر آیت کا ایک ظہر (ظاہر) ہے اور ایک بطن (باطن)۔ کسی جھگڑالو شخص کے کہنے پر اُن باطنی معانی کے اخذ واستعاذ سے رُک نہیں جانا چاہیئے۔ لوگ کہیں گے کہ فلاں آیت کے اصل معانی سے عدول کیا گیا ہے مگر عدول (دشمنی) تو جب ہے کہ یہ کہا جائے کہ اُس آیت کے صرف یہی معنیٰ ممکن ہیں اور معنیٰ نہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ اِس طرح نہیں کہتے۔ وہ تو ظاہری معنیٰ کو قائم رکھتے ہوئے اِلقاءِ ربّانی (انکشاف) سے باطنی معنیٰ ومفہوم کو سمجھتے ہیں''۔ (الاتقان ج 2 ص 185)

تفسیرِ صوفیہ کے سلسلہ میں حسبِ ذیل تفاسیر ملاحظہ فرمائیں!

1- تفسیر القرآن العظیم از: حضرت سھل بن عبداللہ تستریؒ متوفی 273ھ

2- عرائس البیان فی حقائق القرآن از: ابو محمد شیرازی متوفی 606ھ

3- تفسیرِ صدیقی از: بحر العلوم علامہ محمد عبدالقدیر صدیقیؒ متوفی 1381ھ

19- عِلمی تفسیر

سوال :96:۔علمی تفسیرِ قرآن سے کیا مراد ہے۔اِس سلسلہ میں حضرت امام غزالیؒ اور حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ کا زاویۂ نگاہ و موقف صراحت کے ساتھ بیان کرو؟

جواب:۔**عِلمی تفسیر کا معنی و مفہوم**:۔

قرآن کریم سے عصری عُلوم (Modern Technology) اور فلسفیانہ افکار و آراء کا استنباط (Inference) کرنے کو ''عِلمی تفسیر'' کہتے ہیں۔اِس طرزِ فکر کے حامل مفسّرین کی نگاہ میں قرآنِ کریم عُلوم دینیہ (Religious knowledge) اعتقادی ہو یا عملی، اِس کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے دنیوی عُلوم وفنون (Science of Art & Technology) کو بھی سموئے ہوئے ہے۔ یہ کتاب تمام جدید و قدیم عُلوم و فنون کی جامع ہے۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کا زاویۂ نگاہ!

حضرت امام غزالیؒ نے اِس نقطۂ نظر (علمی تفسیر) کو کھل کر بیان فرمایا اور علمی دلائل کی روشنی میں سب سے پہلے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اپنی کتاب'' **احیاء علوم الدین** '' کے باب چہارم میں بعض علماء کا قول نقل فرمایا کہ قرآنِ حکیم ستتر ہزار دوسو (77200) عُلوم پر مشتمل ہے جیسے کہ اِس کے کلمات کی تعداد ہے اور ہر کلمہ ایک عِلم سموئے ہوئے ہے۔پھر یہ تعداد چار گنا بڑھ جائے گی کیونکہ ہر کلمہ کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ایک حد اور مطّلع ہے۔

حضرت امام غزالیؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ''جو شخص اوّلین وآخرین کا عِلم حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ قرآنِ کریم میں غور و فکر کرے''۔آپؒ مزید فرماتے ہیں!

قرآنِ کریم میں ذاتِ باری تعالیٰ اور اُس کے افعال وصفات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اِس طرح جملہ عُلوم وفنونِ خداوندی افعال وصفات میں داخل ہیں۔عُلوم بے شمار ہیں اور قرآنِ شریف میں اشارتاً اُن پر روشنی ڈالی گئی ہے مگر ذہین لوگ ہی اُس کو سمجھ سکتے ہیں۔ (احیاء العلوم)

حضرت امام غزالیؒ ایک اور کتاب بنام ''**جواھر القرآن** '' مرتب فرمائی جس کے باب چہارم میں آپؒ نے قرآنی عُلوم کی دو قسمیں بیان فرمائی۔

1- ظاہری و سطحی عُلوم:۔اِس میں لغت، نحو، قراءت، مخارجِ حروف اور ظاہری تفسیر کے عِلم کو شامل کیا ہے۔

2- اصلی و حقیقی عُلوم:۔ حضرت امام غزالیؒ کے نزدیک اِس میں عِلم الکلام، فقہ، اصولِ فقہ، عِلمِ قصص،

عِلم باللہ اور عِلم الملوک وغیرہ شامل ہیں۔ (جواھر القرآن)

''جواھر القرآن'' کے باب پنجم میں امام غزالیؒ نے بتایا کہ قرآن سے عُلوم وفنون (Art of Technology) کیوں کر نکلے۔ اِس ضمن میں آپؒ نے عِلمِ طِب (Medical Science) نجوم (Astrology) ہئیت (Astronomy)، تشریح اعضاء (Body Organisation)، سحر (Sorcery)، طلسمات (معجزات) اور دیگر عُلوم کا ذکر کیا ہے۔ مزید فرمایا کہ ''میں اِس بات کا دعویٰ کرسکتا ہوں کہ بہت سے عُلوم ایسے ہیں جو ابھی عالَمِ وجود میں نہیں آئے۔ اگرچہ یہ حقیقت کسی شک وشبہ سے بالا ہے کہ انسان لازماً اُن عُلوم تک رسائی حاصل کرے گا۔ کچھ عُلوم ایسے ہیں جو عالمِ وجود میں آئے اور مِٹ و محو (ختم) ہوگئے۔ کچھ عُلوم ایسے ہیں جن کا فہم و ادراک (Perception) فردِ بشر (انسان) کے لئے ممکن نہیں، بعض مقرب ملائکہ ہی اُن سے آگاہ ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ انسان ہو کہ ملائکہ اُن کے عِلم و ادراک کا دائرہ محدود ہے۔ غیر متناہی عِلم (Unimaginable & Unlimited Knowledge) تو صرف خداوندی کا ہے اور بس''۔ (جواھر القرآن)

19.1-حضرت جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کا موقف:۔

تفسیرِ علمی کے ضمن میں حضرت امام سیوطیؒ کا موقف بھی وہی ہے جو حضرت امام غزالیؒ کا ہے۔

آپؒ نے اپنی ایک کتاب'' الاتقان'' کی نوعِ پینسٹھ (65) اور دوسری کتاب'' الاکلیل فی استنباط التنزیل'' میں اِس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

آپؒ نے آیات واحادیث، اوال وآثار نقل کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم جملہ عُلوم وفنون کا جامع ہے۔ آپؒ نے اِس ضمن میں حضرت ابو الفضل المرسیؒ کی علمی تفسیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت المرسیؒ کی اپنی تفسیر میں قرآنِ عزیز سے اخذ شدہ عُلوم و فنون کی تفصیل حسبِ ذیل ہے!

وَمَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:6:38) یعنی ہم نے کتاب (قرآن) میں کسی چیز کی کمی باقی نہیں چھوڑی۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (النحل:16:89) یعنی ہم نے ہر چیز کو بیان کرنے کے لئے آپ پر یہ کتاب اُتاری۔

1-علمائے اصول نے قرآن حکیم کے قطعی وحتمی دلائل و براہین سے تعرض (مقابلہ Comparison) کیا مثلاً یہ آیت لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:21:22)

ترجمہ: اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو اُن میں بگاڑ پیدا ہوجاتا۔ اور اس قسم کی دوسری

آیتوں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (Monotheism)، اُس کے وجود و بقاء (Absolute Being)، اُس کی قدرت و قدامت (Omnipotence)، اِس کے عِلم اور تنزیہ تقدس (Devine knowledges and free & independent glory) پر استدلال کیا اور اُس عِلم کا نام ''عِلمِ اصول الدین'' رکھا اور اِس طرح تفسیرِ صوفیہ کی بنیاد پڑی اور قرآن کے معانی و مطالب کو اپنی نظر و فکر کی جولانگاہ ٹھیرایا۔

2- انہوں نے دیکھا بعض آیاتِ قرآنی عموم کو چاہتی ہیں اور بعض خصوص کی متقاضی (Demanding) ہیں۔ اِس کے پیشِ نظر انہوں نے حقیقت و مجاز، عموم و خصوص، نصِ ظاہر و مہمل، محکم و مشابہ، امر و نہی اور نسخ و منسوخ وغیرہ کی اصطلاحات (Terminolgies) وضع کیں اور اِس فن کا نام '' اصولِ فقہ'' تجویز کیا۔

3- علماء کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جنہوں نے حلال و حرام کے مسائل و احکام پر اپنی نگاہ مرکوز رکھی اور اس کے اصول و فروع (Fundamentals) کی بنیاد ڈلی۔ اِس عِلم کا نام ''الفقہ'' رکھا۔ اس طرح فقہی تفسیر کی بنیاد پڑی۔

4- علماء کے ایک گروہ نے قرآن کریم میں بیان کردہ قصص و واقعات کی جانب توجہ کی۔ انہوں نے گزشتہ اقوام کے اخبار و آثار کو مرتب کیا اور اِس عِلم کا نام ''عِلمِ تاریخ'' تجویز کیا۔ اِس طرح تفسیر میں قصص و واقعات، اسرائیلیات نمایاں ہوئیں۔

5- ایک گروہ ایسا بھی تھا جنہوں نے قرآنی حکم و امثال اور ایسے پُر اثر مواعظ کی نشاندہی کی جن سے انسانی قلوب تھرّا جائیں۔ انہوں نے قرآن کے وعد و وعید نداز (وعدے جزا و سزا) کو بیشتر موت و حیات، اثباتِ حشر و نشر، حساب و کتاب اور جنت و جہنم کے موضوعات (Topics) کو زیرِ بحث لانے کی سعی کی۔ یہ لوگ خطباء و واعظ کہلائے۔

6- کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے قرآنِ کریم سے خوابوں کی تعبیر کا عِلم استنباط کیا۔ اِس عِلم کا نام انہوں نے ''تعبیرِ رویا'' رکھا۔ چنانچہ وہ ہر خواب کی تعبیر قرآن سے استنباط کرتے اور ایسا نہ ہو سکے تو حدیث نبوی ﷺ سے اخذ کرتے جو شارحِ کتابِ الٰہی ہے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو سکتا تو پھر حکم اِمثال سے خواب کی تعبیر معلوم کرتے۔

7- قرآنِ کریم میں جو آیات تقسیمِ میراث سے متعلق ہیں اُن سے علماء کی ایک جماعت نے عِلمِ فرائض وضع کیا۔

8- بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے قرآنِ کریم میں مذکور متعلقاتِ شب و روز، آفتاب و ماہتاب اور اُن کے بُروج و منازل سے ''عِلمِ المیقات'' ایجاد کیا۔

9- اُدباء و شعراء (Writers & Poets) نے قرآن میں جزالتِ الفاظ (سلیقہ)، حُسن اطناب و ایجاز (Wonderful Style) اور فصاحت و بلاغت (Rhetoric Eloquence) سے متاثر ہو کر ''معانی و بدیع'' کے علوم ایجاد کئے۔

10- اصحابِ حقیقت (عارفین) نے جب قرآن پر غائرانہ نگاہ ڈالی تو اس میں اُن کو فنا و بقا (Extinction and Edurance)، خوف وہیبت، اُنس و وحشت اور اِس قسم کے دیگر مباحث و عنوانات (Debates & Topics) ملے۔

11- متقدمین (اگلے لوگوں) کے بہت سے عُلوم بھی قرآنِ کریم میں پائے جاتے ہیں مثلاً طب (Science of Medicine)، جدل (Battle)، جبر و مقابلہ، نجوم اور دیگر عُلوم۔ (الاکلیل، لاتقان)

حضرت امام سیوطیؒ حضرت ابوبکر بن العربیؒ کی کتاب ''قانون التاویل'' کے حوالہ سے رقمطراز ہیں!

''قرآنِ حکیم ستر ہزار چار سو پچاس (70450) عُلوم پر مشتمل ہے۔ یہ عدد قرآنی کلمات کو چار سے ضرب دینے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اِس لئے کہ ہر کلمہ کی چار حالتیں ہیں۔ اِس کا ایک ظاہر و باطن ہے اور ایک حد و مطلع۔ یہ اِس حالت میں ہے جب کہ کلماتِ قرآن کو انفرادی اعتبار سے بدون (بغیر) ترکیب کے دیکھا جائے۔ اگر کتاب (قرآن) کے باہمی اختلاط و ترکیب پر نگاہ ڈالی جائے تو اُن کی تعداد حدّ و حساب سے باہر ہوجاتی ہے''۔ (الاتقان)

۔خلاصہ یہ کہ قرآنِ کریم کے سلسلہ میں کی گئی عُلوم وفنون کا منبع و ماخذ بنانے کی کوشش ومساعی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ اِس تحریک (Movement) کا آغاز (Launching) خلافتِ عباسیہ کے دَور 150ھ میں ہوا اور تاہنوز (آج تک) جاری رہا۔ شروع شروع میں اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ قرآنِ کریم اور عُلومِ جدیدہ (Modern Sciences) کے مابین تطابق وتوافق (موافقت) پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ آگے چل کے حضرت امام غزالیؒ، حضرت ابن العربی المرسیؒ، امام سیوطیؒ اور امام فخرالدین رازیؒ کے ذریعہ اِس تحریک نے ایک مرکزی حیثیت حاصل کرلی۔ اِس طرح ''تفسیرِ علمی'' بھی اُسی انداز میں مرتب ہونے لگی۔ اور متاخرین کے یہاں یہ موضوع خاصہ مقبول ہوا۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اِس کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

اِن سب میں سب سے پہلے شخص جنہوں نے اِس نظریہ کے خلاف آواز اُٹھائی وہ مشہور فقیہ اور اصول حضرت ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی اندلسی المعروف شاطبی علیہ الرحمۃ متوفی 791ھ تھے۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں!

''بعض لوگوں نے حدودِ اعتدال سے تجاوز کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآنِ کریم متقدمین ومتاخرین (اگلے اور

پچھلوں) کے جملہ عُلوم مثلاً طبیعات ، ہندسہ، ریاضی اور منطق و فلسفہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ہمارے سلفِ صالحین ،صحابہؓ وتابعینؒ قرآنی عُلوم ومعارف کے سب سے بڑھ کر رازداں تھے۔مگر اُن میں سے کسی نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا اور اگر اُن میں سے کوئی بھی یہ بات کہتا تو ہمارے علم میں ہوتی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرے سے اِس کے قائل ہی نہ تھے۔البتہ قرآنِ کریم میں عربوں کے بعض عُلوم سے تعرض(Opposition) کیا گیا''۔ (الموافقات)

بہرکیف جن لوگوں نے قرآن کے جامع الفنون ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُن کے پیشِ نظر قرآن کا اعجازی پہلو ہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن احولِ نسنی کے تمام پہلوؤں کے ساتھ چل سکتا ہے اور اِس کا ساتھ دے سکتا ہے مگر وہ اِس بات کی طرف التفات نہیں کرتے کہ قران کتابِ ہدایت ہے نہ کہ فلسفہ،طب یا ریاضی کی کتاب۔قرآن کے اعجازی پہلو اُس کے سوا بہت سے ہیں۔

تفسیرِ علمی کی راہ پر گامزن ہونے والوں کے لئے مناسب یہی نظریہ ہوگا کہ قرآنِ کریم میں کوئی نصّ صریح ایسی نہیں جو کسی مسلمہ علمی نظریہ سے متصادم ہو۔اِس کے ساتھ ساتھ جو علمی نظریات وقوانین حق وصداقت کی اساس (بنیاد) پر مبنی ہیں، اُن کے قرآنِ کریم کے مابین جمع وتطبیق (Comparison) ممکن ہے اور کسی طرح سے بھی اِن دونوں میں تناقص و تعارض (Incompatibility and Inconsistency) نہیں پایا جاتا۔

20- تفسیر عصر حاضر میں

سوال:97:۔تفسیرِ قرآن کے طرز و انداز کے ماضی اور حال کا مختصر تقابل کرو اور تفسیرِ عصر حاضر کی خصوصیات اور اِس کی انواع (اقسام) کے بارے میں تبصرہ کرو؟

جواب:۔ علمائے سلف (متقدمین) نے قرآنِ حکیم کے آغازِ نزول ہی سے اپنی توجہات (Concentration) اُس کی توضیح و تشریح (Elucidation) اور تجزیہ وتحلیل (Analysis) کے لئے وقف کردیں اور قرآنِ حکیم میں بحث و تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ یہ سلسلہ گردوشِ دوراں کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر رہا۔قرآنِ حکیم کے کسی پہلو میں بھی مثلاً لغوی، بلاغی، ادبی، فقہی، مذہبی اور فلسفیانہ پہلو۔ ہر پہلو پر مفسّرین نے کھل کر بحث کی ہے اور اس میں کوئی تشنگی باقی نہیں رہنے دی۔حتیٰ کہ جدید مفسّرین کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ تفسیر میں کوئی جدّت پیدا کرسکیں۔بجز اس کے کہ وہ متقدمین کے منتشر اقوال کو یکجا کریں۔یا اُن کے مبہم اقوال کی شرح و توضیح (Guide) کریں، یا اُن کے ضعیف اقول کو ہدفِ تنقید بنائیں، یا ایک رائے کو دوسرے کے مقابلے میں ترجیح دیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیر نویسی میں عرصہ دراز تک کوئی نیا اضافہ نہ ہوسکا۔ جب بِلادِ عرب میں علمی تحریک کا آغاز ہوا تو علماء نے تقلید و جمود کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی کوشش شروع کردیں۔ تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں اگرچہ علماء جدید نے بڑی حد تک علمائے متقدمین کی محنت و کاوش پر اعتماد کیا۔تاہم اُن کی مساعی بڑی حد تک قابلِ تحسین ہے کہ انہوں نے امکانی حد تک اس بات کی کوششیں کی کہ متقدمین نے اپنی تفاسیر کو غیر ضروری طور پر جن علمی اصطلاحوں سے بھر دیا تھا اُن سے اپنی کُتبِ تفاسیر کو خالی رکھیں اور اسرائیلی واقعات کو تفسیر میں شامل نہ کریں اور تفاسیر میں موضوع اور ضعیف احادیث کو جگہ نہ دیں۔دوسری طرف انہوں نے تفسیر کو ادبی و اجتماعی رنگ دیا جس سے قرآن کی تفسیر میں حقائق و دفائق کھل کر سامنے آسکیں۔

عصرِ حاضر کی تفسیری خصوصیات:۔عصرِ حاضر کے مفسّرین نے اس بات کا اہتمام کیا کہ قرآنِ حکیم اور جدید علمی نظریات (Modern Scientific Theories) سے جو صحیح ہیں اُن کے مابین ایک حسین امتزاج (بہتر یکسانیت) پیدا کیا جائے تاکہ مسلم اور غیر مسلم اِس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائیں کہ قرآنِ عزیز ہی وہ ابدی (Everlasting) اور دائمی کتاب ہے جو زمانے کے بدلتے ہوئے احوال واطوار کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اِس کے علاوہ کچھ اور بھی آثار (Consequencies) ہیں جو عصرِ حاضر کے تفسیری رُجحانات میں مختلف عوامل (Factors) کے زیرِ اثر رونما ہوئے اُن میں سے اہم حسبِ ذیل آثار ہیں!

1- عُلوم و فُنون میں وسعت 2- گروہی تعصب 3- دہریّت و الحاد

اِن آثار کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تفسیرِ قرآن کی عصرِ حاضر میں بڑی بڑی قسمیں حسبِ ذیل چار ہیں!

1- عِلمی طرزِ انداز 2- مذہبی رنگ (فرقہ وارانہ) 3- ملحدانہ طرزِ فکر 4- ادبی و اجتماعی اسلوب و انداز

20.1- عِلمی طرزِ اندازِ تفسیر:۔

تفسیرِ علمی کا رجحان متقدمین کی بہ نسبت متاخرین (عصرِ حاضر) میں بہت زیادہ مقبول ہے۔ اِس علمی انداز سے تفسیر کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآنِ کریم تمام جدید وقدیم عُلوم کا جامع (Comprehensive) ہے۔ یہ نظریہ (Theory) اُن مغربی تعلیم یافتہ حضرات کے یہاں زیادہ رائج ہے جو عُلوم جدیدہ (Modern Technology) کے ساتھ ساتھ قرآنی عُلوم سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ اِس تفسیری رجحان کی مقبولیت کا ہی ثمرہ ہے کہ متعدد اصحاب نے ایسی علمی تفسیری کتب تصنیف کیں جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن صراحتاً (Directly) یا اشارتاً (Indirectly) جملہ عُلومِ ارضی و سماوی (Terrestrial & Celestial Knowledges) کو سموئے ہوئے (Inclusive) ہے بزعمِ خویش (اُن لوگوں کے دعویٰ کے مطابق) اُن کے نزدیک یہ قرآنِ عزیز کے صِدق و اعجاز کا ضروری پہلو ہے اور جس سے کتابِ الٰہی کا بقاء و دوام ثابت ہوتا ہے۔

عِلمی تفسیری طرز پر لکھی جانے والی چند اہم کُتبِ تفسیر حسبِ ذیل ہیں!

1- کشف الاسرار النورانیہ القرآنیہ از محمد بن احمدؒ

اِس کے مصنف محمد بن احمدؒ اسکندریہ کے رہنے والے 1300ھ کے بڑے عالم و فاضل اور طبیب تھے۔ یہ ضخیم (طویل) کتاب تین مجلدات پر مشتمل ہے اور مصر سے 1297ھ میں شائع ہوئی ہے۔

2- طبائع الاستبداد و مصارع الاستعباد از سید عبد الرحمن الکواکبیؒ

یہ کتاب دراصل مولّف کے مقالات (Thesis) کا مجموعہ ہے جو مصر آنے والوں کے لئے انہوں نے مختلف جرائد و مجلّات (رسالوں) میں 1318ھ میں شائع کئے تھے۔

3- اعجاز القرآن از مصطفےٰ صادق الرافعیؒ

اِس کتابِ تفسیر کے مولّف علامہ رافعیؒ علمی تفسیر کے علمبردار اور اس کے زبردست موئید (تائید کرنے والے) تھے۔ حضرت رافعیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک عنوان ''**القرآن و العُلوم**'' قائم کیا اور اِس کے تحت وہ حضرت سیوطیؒ کی کتاب ''**الاتقان**'' اور حضرت المرسیؒ کی کتاب ''**الاکلیل**'' کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ قرآنِ

عزیز جملہ علوم و فنون کا جامع ہے۔

4- الاسلام و طب الحدیث از ڈاکٹر عبدالعزیز اسماعیلؒ

یہ کتاب مصر سے 1357 ھ میں شائع ہوچکی ہے۔ یہ دراصل مولّف کے تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے جو مجلّہ الازہر (مصر) میں شائع ہوئے تھے۔

20.2- مذہبی رنگ و فرقہ وارانہ تفسیر نویسی :۔

فِـــرَقِ اسلامیہ میں سے وہ فرقے (Sect) جو آج (عصرِ حاضر) میں موجود ہیں، مثلاً اہلِ سنت، شیعہ، خوارج اور باطنیہ کے فرقہ بہائیہ وغیرہ اپنے اپنے عقائد کے مطابق قرآنِ کریم کی تفسیر نویسی میں مشغول ہیں۔

اھلِ سنت اپنے عقائد ونظریات کے مطابق قرآنِ کریم کی تفسیر نویسی میں مشغول ہیں، مثلاً

حضرت بحرالعلوم محمد عبدالقدیر صدیقیؒ متوفی 1962ء کے تفسیری مکتبِ فکر نے جو تفسیری ورثہ ''**تفسیرِ صدیقی**'' چھوڑا ہے وہ اہلِ سنت عقائد پر مبنی زندہ مثال ہے۔ جس میں تفسیر کا ادبی واجتماعی اسلوب نمایاں ہے۔

۔اِسی طرح **امامیہ اثنا عشری** (شیعہ) بھی حسبِ سابق اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کی تفسیر تحریر کررہے ہیں۔ اُن کی تازہ ترین تفسیر'' **بیان السعادۃ فی مقاماتِ عبادۃ**'' کا نام اِس ضمن میں مشہور ہے۔ یہ تفسیر محمد خراسانی کی تحریر کردہ ہے جو چودھویں صدی کے شیعہ علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

۔**خوارج** کے فرقہ ''اباضیہ'' کے علماء بھی اپنے عقائد کے مطابق قرآنِ کریم کی شرح وتفسیر کررہے ہیں۔ تفسیر ''**ھمیان الزادالی دار المعاد**'' اِس کی مثال ہے جس کو شیخ محمد بن یوسفؒ متوفی 1332 ھ نے مرتب کیا۔

۔**باطنیہ کے فرقہ** '' **بھائیہ**'' نے قرآنِ کریم کو اپنے مخصوص عقائد کی عینک سے دیکھا اور تاویل وتحریف کا بیڑا اُٹھایا۔ چنانچہ بہائی فرقہ کے مشہور معاصر عالم ابوالفضائل جُرفادقانی کے رسائل اِس کی واضح دلیل ہیں۔

۔جہاں تک **فرقہ معتزلہ** کا تعلق ہے یہ ایک فرقہ کی حیثیت سے آج موجود نہیں تاہم عصرِ حاضر میں اِن کے تفسیری رجحانات بڑی حد تک موجود ہیں۔ چنانچہ فرقہ اثنا عشریہ (شیعہ)، فرقہ اباضیہ (خوارج) اور بعض جدید مفسّرین کی تفاسیر میں اِس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

20.3- جدید ملحدانہ تفاسیر :۔

دینِ اسلام کو مٹانے کے لئے جدوجہد (سعی) اُس وقت سے جاری ہے جب سے دینِ اسلام عالمِ وجود میں آیا۔ دشمنانِ اسلام نے اندرونی و بیرونی ہر قسم کے حربے استعمال کئے اُن میں سب سے مذموم حربہ قرآنِ کریم کی تاویل

ایسے غلط انداز میں کی گئی جس سے اِس کا مقصدِ نزول ہی فوت ہوجائے۔قرآنی مطالب کوموڑ توڑ کر پیش کیا گیا تاکہ اُن کے نظریاتِ فاسدہ و عقائد باطلہ کی تائید و حمایت ہونے لگے۔عصرِ حاضر میں (آج) بھی ایسے اشخاص کی کمی نہیں۔یہ لوگ اپنے فاسد نظریات کو قرآن کی ملحدانہ تفسیر میں جگہ دیتے ہیں جن کو صرف فریب خوردہ عوام (وہ لوگ جن کی فطرت میں نفاق ہو) ہی قبول کر سکتے ہیں اور کوئی سلیم العقل اور دین دار شخص اُن کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

ملحدانہ تفسیر (Heretic Commentary) کے عوامل (Factors) و محرکات میں ایک تو یہ ہے کہ بعض لوگ قرآنِ کریم میں جدت طرازی اور تحریف (Misinterpretation) کے ذریعہ حصولِ شہرت کے مواقع حاصل کرتے ہیں۔یہ لوگ قدیم مفسّرین کو ہدفِ تنقید وطعن بناتے ہیں اور عربی لغت سے جدید انداز میں تفسیر کرتے ہیں جس کی کوئی اصل واساس (بنیاد) سرے سے دین میں نہیں ہوتی۔

۔بعض ملحد مفسّرین ایسے بھی ہوتے ہیں جو کم علم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو زُمرۂ علماء میں شمار کر کے جید عالم کہلانے کے لئے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنے کے مدعی ہوتے ہیں۔

۔بعض لوگ ایسے آزاد منش (غیر مقلد) ہوتے ہیں جو کسی معروف فرقہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے اُن کے قلب وذہن پر مخلوط (Mixed) قسم کے افکار و آراء مسلّط ہوتے ہیں۔قرآنِ کریم کو اپنے نظریات و مخلوط مذموم معتقدات کے ساتھ ہم آہنگ (موافقت) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۔بہر کیف یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اندھا دھند تفسیرِ قرآن کے سمندر میں کود پڑتے ہیں۔اِن کو نہ قوانینِ بلاغت کا پاس ہوتا ہے اور نہ حدیثِ نبویؐ کا۔بزعم خویش (خام و باطل عقائد سے) اپنے ضمیر کی پیروی کرتے ہیں اور اس کا نام انہوں نے اپنی اصطلاح میں حریتِ فکر و نظر (Freedom of Thaught & Expression) رکھا ہے۔

یہ تو عنایتِ ربّانی ہے کہ اُس نے دینِ اسلام کی حفاظت کا فریضہ علماءِ حق کے تفویض کیا جو دُوررَس نگاہ کے ساتھ دین میں نظریاتِ فاسدہ کی ملاوٹ کو پاک کرتے ہیں۔لہٰذا تفسیر و ترجمۂ قرآن کے مطالعہ کے لئے مفسّرینِ حق و علمائے کاملین کا انتخاب ایک اہم اور لازمی اَمر ہے۔

20.4- تفسیر کا ادبی و اجتماعی اُسلوب:۔

عصرِ حاضر میں تفسیرِ قرآن کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اب اِس میں ادبی واجتماعی طرز وانداز نمایاں ہے۔تفسیر کا خشک رنگ ڈھنگ رخصت ہوا۔اب سب سے پہلے قرآنِ عظیم کے اُن مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے جن میں دِقّتِ تعبیر

اورعمیق فکر و نظر سے کام لیا گیا ہے اُس کے بعد نہایت پُرکشش انداز میں اُن مطالب ومعانی پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے جو قرآن کا اصلی مقصود اور نصب العین ہیں۔ پھر کائینات کے اجتماعی و عمرانی مسائل پر قرآنی نصوص سے استشہاد و انطباق (Aptness) کیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کا یہ تفسیری انداز بالکل اچھوتا اور نرالا ہے اور اِس کا سہرا عصرِ حاضر کے مفسّرین کے سر ہے۔ یہ اَمر بھی ظاہر ہے کہ عصرِ حاضر میں تفسیر کا ادبی و اجتماعی اُسلوب کا بہترین نمونہ بحرالعلوم علامہ حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ متوفی 1381ھ م 1961ء کی ''تفسیر صدیقی'' ہے۔ تفسیرِ صدیقی کی پہلی جِلد میں آپؒ نے جس دلکش انداز میں مقدمہ اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر جس تفصیل اور نہایت جامع انداز میں تحریر فرمائی ہے وہ لائق ستائش اور قابلِ مطالعہ ہے۔ یہ تفسیر اردو زبان میں نہایت سہل ہے جو طلباء، اساتذہ اور علماء کے لئے یکساں مفید ومقبول ہے۔ بحرالعلوم حضرت حسرتؔ کی سوانح اور آپؒ کی ''تفسیرِ صدیقی'' کی خصوصیات کا بیان اِس کتاب کے تفسیر بالرأی کے عنوان میں درج ہے، ملاحظہ فرمائیں!

21- اصولِ تفسیرو تاویلِ تفسیرِ قرآن

(Classical Science of exegesis of Quran)

21.1 :. تمھید (Discourse):-

سوال:98:۔ اُن اکابر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ کرام اور علمائے عظام عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرو جنہوں نے شرح صدر محمدیؐ سے ضیاء پا کر، نقشِ قدمِ رسول پر گامزن رہتے ہوئے قرآنِ کریم کی خدمت کی ہے اور طالبانِ حق کی رہنمائی فرمائی ہے؟

جـــواب:۔اِس اہم و عظیم سوال کے جواب میں مرشدی و مولائی شمس المفسرین، علامہ بحرالعلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ کا مقالہ پیشِ خدمت ہے جو آپؒ نے اپنی تفسیر صدیقی کے مقدمہ میں بعنوانِ تمہید تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو !

شرح صدرِ محمدیؐ کے بیان میں فقیر محمد عبدالقدیر صدیقیؒ کے خیال میں ایک مثال، مرئی ونمایاں ہو رہی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ معارف گنجینہ سے ایک عظیم الشان، زُوردار آبشار (Cataract) نکل رہا ہے۔ یہ آبشار کہیں آواز بن کر قاریوں کے گلے سے قرآن کی صورت میں نکلتا ہے، کہیں برق (Musketeer) بن کر عاشقوں کے دلوں پر گرتا ہے، کہیں حرارت بن کر اُن کے دلوں کو سوخت (Grieved) کر دیتا ہے اور اُن کی آہ و بکا کا باعث بھی ہوتا ہے۔ کہیں حرکت (Gesture) بن کر جاں نثارانِ محمدیؐ کے زُور وقوت میں ہویدا ہوتا ہے، اور اُنہیں جانبازی پر انگیختہ (Instigation) کرتا ہے اور اعمالِ شاقّہ (کٹھن مہمات) کو آسان کر دیتا ہے اور نہایت لطیف حرکت و افعال، آواز میں محبوبانہ اور دلربائی و دلکشیِ معشوقانہ بنتا ہے اور لوگوں کے دِلوں کو مسخر (Overcome) کر لیتا ہے۔

یہی آبشار روشنی بن کر نمایاں ہوتا ہے اور اہلِ علم کے دلوں کو منوّر کر دیتا ہے اور کہیں حیاتِ جاودانی بن کر باقی باللہ افراد کو زندۂ جاوید (ہمیشہ رہنا) کر دیتا ہے۔ کہیں بُردِ یقین و نورِ سکینہ اور اطمینانِ قلب بن کر بندگانِ خاص ے لئے باعثِ تسکینِ خاطر ہوتا ہے اور کہیں عامتہ المسلمین کے لئے سرمایۂ طہارت و لطافت ہوتا ہے۔

اُس آبشار کا پانی ایک بحیرہ ساگر (سمندر) میں جمع ہوتا ہے۔ اُس کے ایک جانب بند (Fetters) باندھا گیا ہے جس میں کئی دروازے یا دَر ہیں جو قیامت تک کبھی بند نہ ہونے والے ہیں۔ ہر ایک دروازہ پر کتبے (Plaque)

لکھے ہوئے ہیں جن کی تفصیل کچھ ایسی ہے!

دَرِ قرآن :۔

1- ایک دَر پر یہ کتبہ ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:15:9)

ترجمہ:۔یقیناً ہم نے قرآن کو اُتارا اور اُس کی حفاظت بھی ہم ہی کرنے والے ہیں۔

اِقْرَا ؤُالْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبُ (حدیث)

ترجمہ:۔قرآن کو عربوں کے لَحن میں پڑھو۔

کا کتبہ ہے۔ یہ دَر قرآن کا ہے اِس کے پاس کئی تخت بچھے ہوئے ہیں بعض بڑے بعض چھوٹے۔ایک تخت پر جامع القرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلوہ فرما ہیں جنہوں نے اپنے زمانہ میں تمام اصحاب سے لے کر ایک جگہ جمع مکتوبِ قرآنی کو جمع کر دیا۔

ایک اور تخت پر جامع دوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔آپؓ نے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے جمع کردہ صحیفہ کو سات مُصاحف (کتابوں) کی صورت میں لکھوا کر سات شہروں میں روانہ کر دیا۔اور وہ آج بھی وہاں موجود ہیں۔

ایک اور تخت پر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ایک تخت پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ایک پر حضرت زید بن ثابتؓ، اور ایک پر حضرت ابی بن کعبؓ بیٹھے ہوئے ہیں، پاس ہی دوسرے چھوٹے چھوٹے تخت بچھے ہوئے ہیں جن میں (قراءت سبعہ) سے ایک پر حضرت امام عاصم کوفیؒ مع اپنے دونوں شاگردوں حضرت شعبہؒ اور حضرت حفصؒ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ایک پر حضرت امام نافعؒ مدنی مع اپنے دونوں شاگردوں حضرت قالونؒ اور حضرت ورشؒ کے ساتھ۔ایک پر حضرت امام ابوعمر بصریؒ اپنے دونوں شاگردوں حضرت دوریؒ بصری اور حضرت سوسیؒ کے ساتھ، ایک پر حضرت امام ابن کثیر مکیؒ مع دو شاگردوں حضرت بزیؒ اور حضرت قنبلؒ کے، ایک پر حضرت امام ابن امرؒ مع اپنے دو شاگردوں حضرت ھشامؒ اور حضرت ابن ذکوانؒ اور ایک پر حضرت امام حمزہ کوفیؒ مع اپنے شاگردوں حضرت خلفؒ اور حضرت خلادؒ کے اور ایک پر حضرت امام علی کسائیؒ مع اپنے دو شاگردوں حضرت ابوحارث لیثؒ اور حضرت دوری علیؒ کے بیٹھے ہیں۔

2-دَرِ مفسّرین:۔

آگے ایک اور دَر ہے اِس پر یہ کتبہ (Plaque) ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: 17:36)

ترجمہ:۔اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔(آل عمران:3:7)

ترجمہ:۔اوراس کے معنیٰ مراد کواللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (اللہ جانتا ہے)اورعلم میں ثابت قدم لوگ (وہ) کہتے ہیں ہم کواُس کا یقین ہےاور یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہےاور اِن سب باتوں کوعقلمند ہی سمجھا کرتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا(یوسف :12:2)

ترجمہ:۔بےشک ہم نے اس کتاب کوعربی پڑھنے کے قابل اُتارا۔

یہ دَرمفسّرین کا ہے۔اِس دَر کے پاس ایک بڑے تخت پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف فرما ہیں۔ایک پر علامہ محمود زمخشریؒ ہیں اوراُن کے ہاتھ میں تفسیرِ کشاف ہےاورایک پرامام فخرالدین رازیؒ ہیں اوراُن کے پاس تفسیر کبیر ہے۔ اورایک پر علامہ آلوسیؒ ہیں اوراُن کے ساتھ تفسیر ''رُوح المعانی'' ہے۔ایک پر قاضی ناصرالدین عبداللہ بن عمر بیضاویؒ ہیں اوراُن کے ہاتھ میں تفسیر ''لباب التاویل'' ہے۔اورایک پر حضرت جلال الدین سیوطیؒ ہیں جن کے پاس ایک بڑی تفسیر ''درمنثور'' رکھی ہے جس میں حدیثیں ہیں اوراُن کے ہاتھ میں ایک چھوٹی تفسیر ''جلالین'' بھی ہے۔جس کے متعلق یہ بحث ہے کہ اِس میں قرآن کے الفاظ زیادہ ہیں یا تفسیر کے۔یہیں ایک کنارے پر ایک فقیر (بحرالعلوم عبدالقدیر صدیقیؒ) کھڑا ہے جس نے اقتضائے زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے اردو میں ایک عام فہم ''تفسیرِ صدیقی'' لکھی ہےاوراللہ سے دعا کررہا ہے کہ اِس کوشرفِ مقبولیت عطا فرمائے اوراُمید ہے کہ اِس کو بھی اُن تفاسیر کے تخت نشینوں کے پاس ہی ایک چھوٹا سا اسٹول مل جائے گا۔

3- دَرِ محدثین :۔

دَرِمفسّرین کے قریب ایک دوسرا دَر ہےاوراُس پر یہ کتبہ ہے۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر :59:7)

ترجمہ:۔اورپیغمبرؐ تم کو جو دے وہ لےلواور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ۔(الحجرات:49:6)

ترجمہ:۔اگرکوئی شریر نا قابل اعتبار شخص کوئی خبر لائے تو تم (اس کی) تحقیق کرو۔

یہ دَرمحدثین کا ہے یہاں سیکڑوں ہزاروں چھوٹے بڑے تخت بچھے ہیں۔اُن میں سے چند تخت نشینوں کے نام یہ ہیں!

ایک تخت پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، ایک پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں جو

آنحضرتؐ ہی کے زمانے میں احادیث کو جمع کرنا شروع کر چکے تھے۔ایک پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔اور ایک حجرہ ہے جس پر پردہ چُھوٹا ہوا ہے،اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ایک تخت پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ایک پر حضرت امام مالک بن انسؒ ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ''موطا شریف'' ہے۔ایک پر حضرت امام محمد ابن الحسنؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں اُن کی ''موطا'' ہے۔ایک پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ تشریف رکھتے ہیں،اُن کے ہاتھ مین ''مسند احمد'' ہے۔ایک پر حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ ہیں جنہوں نے صحیح احادیث کا انتخاب کر کے ''صحیح بخاری'' میں جمع کیا ہے۔اُن ہی کے پاس ''تاریخ بخاری'' بھی ہے جس میں تمام راویانِ حدیث کے حالات جمع کر دیئے ہیں۔ایک تخت پر حضرت امام مسلمؒ ابن حجاج ہیں اور اُن کے ہاتھ میں اُن کی ''صحیح مسلم'' ہے۔ ایک پر حضرت عبداللہ بن یزید ابن ماجہؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''سنن ابن ماجہ'' ہے۔ایک پر حضرت ابوعبدالرحمٰن احمد نسائیؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''سنن نسائی'' ہے۔اور ایک تخت پر حضرت امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''ترمذی شریف'' ہے۔ایک پر حضرت سلیمان بن اشعث ابوداؤدؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''سنن ابی داؤد'' ہے۔ایک تخت پر حضرت سیدنا شہاب الدینؒ ہیں جن کے پاس ''مواہب لدنیہ'' ہے جس میں رسول اللہ سلی اللہ علیہ و سلم کے حالات و سیرت کی احادیث ہیں۔اور ایک چھوٹے سے تخت پر حضرت علی متقیؒ ہیں اور اُن کے پاس اُن کی کتاب ''کنز العمال'' ہے جو احادیثِ نبویؐ کے ''دائرۃ المعارف'' کا حکم رکھتی ہے۔وہیں ایک جانب حضرت احمد حجر عسقلانیؒ بیٹھے ہیں اور اُن کے پاس ''تہذیب التہذیب'' ہے جس میں اسمائے رجال ہیں۔ایک تخت پر حضرت شمس الدین ذہبیؒ ہیں اور اُن کے پاس ''تذکرۃ الحفاظ'' ہے جس میں حافظانِ حدیث کا ذکر ہے۔واضح ہو کہ محدثین اُس شخص کو حافظ کہتے ہیں جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

4- دَرِ فُقھاء :۔ایک دَر پر یہ کتبہ ہے!

فَسْئَلُوآ اَھْلَ الذِّکْرَ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:16:43)

ترجمہ:۔اے لوگو!اہل علم سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر :59:2)

ترجمہ:۔اے آنکھ والو کچھ تو عبرت پکڑو۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِ یَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔(العنکبوت:29:69)

ترجمہ:۔جو ہمارے متعلق جدوجہد کرتے ہیں تو ضرور ہم اُن کو راستوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ دَر فقہا کا ہے۔اس دَر کے پاس کے تختوں میں سے ایک پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور ایک تخت پر حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔اور ایک حجرہ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ایک تخت پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ایک پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور ایک پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں اُن ہی تختوں کے پاس حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی علیہ الرحمۃ بیٹھے ہوئے ہیں، اُنہوں نے قرآن وحدیث سے استنباطِ مسائل کیا۔امام ابوحنیفہؒ کی مجلسِ فقہا میں امام ابو یوسفؒ، امام محمد ابن الحسنؒ وغیرہ چالیس (40) محدث وفقیہ ایک گول میز کے اطراف بیٹھے ہیں۔

حضرت امام محمد ابن الحسنؒ کے پاس ''سیر کبیر'' اور دیگر فقہ کی کتابوں کا انبار ہے۔ایک جدا تخت پر امام مالک بن انسؒ مع ''موطا'' کے تشریف فرما ہیں۔''موطّا'' تمام کُتبِ حدیث کی ماں ہے۔ایک اور تخت پر امام محمد بن ادریس شافعیؒ ہیں اُن کے پاس ''کتاب الام'' ہے۔امام ابن الحسنؒ اور امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے باہمی مباحثات اور مذاکرات سے اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی بِنا پڑی۔یہ وہ زمانہ تھا کہ رومن لا کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔یاد رکھو کہ قرآن وحدیث ہی فقہ الاسلام کا ماخذ ہیں۔وہ شخص ہرگز فقیہ نہیں ہوسکتا جو بغیر قرآن و حدیث کے ماخذ کے ذاتی رائے رکھتا ہو، جس نے بِلا ماخذ کوئی حُکم دیا ہو وہ اس پر رَد ہے، اس پر بے حد کد ہے۔ایک تخت پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں، جن کے پاس ''مسند احمد'' ہے، یہ حدیث شریف کا بڑا ذخیرہ ہے۔امام احمد بن حنبلؒ ضعیف کے مقابل قیاس سے کام نہیں لیتے۔دوسری کرسیوں پر مجتہد فی المذہب' اصحابِ ترجیح، مجتہد فی المسئلہ بیٹھے ہوئے ہیں جو ہر زمانہ کے اقتضاء کے موافق قرآن وحدیث سے استنباطِ مسائل کرتے ہیں۔ہر زمانے میں چند افراد کو استنباطِ مسائل کی کرسی مل ہی جاتی ہے۔

5- دَرِ متکلمین :۔ ایک اور دَر پر یہ کتبہ ہے!

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

(النحل:16:125)

ترجمہ:۔تم طریق حق کی تبلیغ کرو (کس طرح؟) حکمت سے اور پند ونصیحت سے اور (پیغمبر!) اُن سے بحث کرو تو بہترین طریقہ سے بحث کرو۔

یہ دَر متکلمین (Scholastics) کا ہے۔اس دَر کے پاس بھی بہت سے تخت بچھے ہیں، جن میں سے ایک تخت پر

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے خوارج (Dissenter) سے مناظرہ کیا کیونکہ اُس زمانے میں فرقہ خوارج و فرقہ روافض (شیعہ) پیدا ہو چکے تھے۔ اُس دَور میں مذہبی اختلافات کا فوری فیصلہ تلوار کر دیتی تھی۔ یہ یاد رکھو کہ بعض لوگ بزرگوں کو مانتے ہیں اور بعض بالکل نہیں مانتے اعتدال پر رہنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ بزرگوں کو ماننے والوں کی انتہا شخصیت پرستی اور بُت پرستی ہوتی ہے۔ اور خود پسندوں کی انتہا دہریت اور لادینی پر ہے۔

ایک تخت پر حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفیؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''فقہ اکبر'' ہے۔ امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کو خوارج سے ہر وقت مناظر کرنے پڑتے تھے۔

ایک اور تخت پر حضرت ابوالحسن اشعریؒ ہیں جو فرقہ معتزلہ کے رَد میں سرگرم ہیں۔ معتزلہ کے پاس اُن کی عقل کے خلاف کوئی چیز اسلام میں نہیں ہے۔ اصل میں یہ ایک غلطی میں گرفتار ہیں کہ ''جو چیز میں نہیں جانتا میرے پاس ثابت نہیں وہ واقع ہی نہیں''۔

ایک اور تخت پر حضرت امام محمد غزالیؒ تشریف فرما ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''تہافتہ الفلاسفہ'' وغیرہ علمِ کلام کی کتابیں ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ کے زمانے میں پہلے عربی میں مختلف فلاسفر اُن کی کتابوں سے عقائد، تصوف، تہذیبِ اخلاق وغیرہ سب کا افادہ ہوتا رہا ہے۔ فلسفہ کی کتابیں تیار کروانے میں خلیفہ مہدی اور ہارون رشید بہت پیش پیش رہے ہیں۔

ایک اور تخت پر حضرت امام فخر الدین رازیؒ ہیں جنہوں نے فلسفہ قدیم کے پرخچے اڑا دیئے، اُن کے ہاتھ میں مباحثِ مشرقیہ، معالم وغیرہ بیسیوں علمِ کلام کی کتابیں ہیں۔ ایک اور تخت پر قاضی عضد الملۃ وَالدِّین حضرت عبدالرحمٰن بن احمدؒ بھی بیٹھے ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''مواقف'' ہے۔ جن کے حسنِ تعلیم سے لاکھوں چنگیز خانی اشخاص مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ دوسری کرسیوں اور چوکیوں پر ہزاروں خادمانِ دین متمکن ہیں جو ہمیشہ مخالفانِ اسلام کی تردید میں سرگرم و مستعد رہے ہیں۔

6- دَرِ علماء مَدَنِیات (اصلاح و ترقی، تمدن، حفظِ امن اور حفاظتِ اقتدارِ اعلیٰ) :۔

ایک اور دَر پر یہ کتبہ ہے!

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا .

ترجمہ:۔ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور (پھوٹ میں نہ پڑو) فرقہ بندی میں مبتلا نہ ہو

وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال:8:46)

ترجمہ:۔اورتمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اَلْمُسْلِمُوْنَ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا (حدیث)

ترجمہ:۔مسلمان عمارتوں کے مانند ہیں کہ اُس کی ایک اینٹ دوسری کو مضبوطی دیتی ہے۔

یہ دَر مدنیات،اصلاح و ترقی،تمدن،حفظِ امن اور حفاظتِ اقتدارِاعلیٰ کا ہے۔

اِس کے پاس ایک بڑا تخت ہے جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلوہ فگن ہیں،جنہوں نے مانعینِ زکوٰۃ (زکوٰۃ دینے سے پھر جانے والوں) سے جنگ کی اور مرتدین سے جہاد کر کے شیرازۂ اسلام (تنظیمِ اسلام) کو منتشر ہونے سے بچالیا۔اجنادین کی فتح بھی اُن ہی کے زمانے کی ہے۔علماء نے اِس کے متعلق کہا ہے ''وَلَقَدْ قَامَ مَقَامَ نَبِیٌّ''۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام اصحاب سے لے کر ایک جگہ مکتوباتِ قرآنی کو جمع کر دیا اور اِس طرح حَبْلُ اللہ کی حفاظت ہوئی۔پاس ہی ایک دوسرا تخت ہے جس پر حضرت عمر فاروق اعظمؓ تشریف فرما ہیں جن کے زمانے میں نہ صرف غیر معمولی فتوحات حاصل ہوئیں بلکہ زمین کی پیمائش ہوئی،مقطعوں (Blocks) کا انتظام ہوا بلحاظِ ضرورت مختلف قوانین (Laws) نافذ ہوئے اور طرح طرح کے محصول (Revenue) رعایا (لوگوں) پر عائد کئے گئے۔

ایک اور تخت پر حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ (تابعی وخلیفہ) ہیں جنہوں نے آزاد تمدن (Free Urbanization) کو اسلامی تمدن (Islamic Culture) میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور اس میں اپنی جان دے دی۔ایک اور تخت پر شاگردِ حضرت امام مالکؒ،ہارون رشید (خلیفہ) ہے جس کے زمانے میں امن وامان اور علم و دولت دونوں انتہائی عروج پر تھے۔ایک چھوٹے تخت پر جلال الدین خلجی ہے جس کے ایک گوشے پر علاء الدین خلجی بھی بیٹھا ہے جس کے زمانے میں فتوحات بھی ہوئیں اور ترقی تمدن بھی۔ایک چھوٹے تخت پر شیر شاہ سوری بھی ہے جس کے زمانے میں شہروں میں تنظیم راستوں کا انتظام،مسافروں کے لئے سہولت اور مالگذاری کا ہر طرح سے انتظام تھا۔اس دَر کے ایک جانب علمائے مدنیات اپنے اپنے تختوں پر متمکن ہیں!

ایک تخت پر حضرت ابوحامد غزالیؒ ہیں جن کے پاس اُن کی اعلیٰ اور کثیر تصانیف دھری ہیں۔اُن کی کتاب ''احیاء العلوم'' میں اسلام وتمدن سے کافی بحث کی گئی ہے۔

ایک اور تخت پر حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقیؒ المعروف شیخ احمد سرہندیؒ ہیں۔آپ اکبر اور جہانگیر (مغل بادشاہوں) کے ہم زمانہ تھے۔اُن کے زمانے میں تصوف،الحاد میں مبدل ہو گیا تھا۔خود پرستی،شاہ پرستی کا زُور تھا۔

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور یہ یادگار فارق اعظمؓ نہایت پامردی سے حمایتِ دین پر قائم رہے۔آپؒ کے فیضِ تربیت سے لاکھوں آدمی اب تک سیراب ہو رہے ہیں۔آپؒ کے پاس مکتوب شریف کی تین جلدیں دھری ہوئی ہیں۔ایک چھوٹے سے تخت پر حضرت ابن خلدونؒ ہے جن کے پاس ''تاریخ اسلام'' اور ''مقدمہ'' رکھے ہوئے ہیں۔مقدمہ میں ''اصول تمدن اور فلسفہ تاریخ'' پر کافی بحث موجود ہے۔اور ایک چھوٹے تخت پر احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ دہلویؒ بیٹھے ہیں،جن کے پاس ''حجۃ اللہ البالغۃ'' دھری ہے۔یہ کتاب فلسفہ اسلام سے بھری ہے۔اُن ہی کے پاس '' ازالۃ الخفاء عن احوال الخلفاء '' بھی ہے جو ہے تو تاریخ مگر اس سے تمدنِ اسلام پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔

7- دَرِ تهذيبِ نفس :۔ آگے ایک اور دَر پر کتبہ کندہ ہے!

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرہ :2:193)

ترجمہ:۔بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا (الزخرف :43:36)

ترجمہ:۔اور جو یادِ خدا سے آنکھ چُراتے ہیں تو ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (البقرہ:2:222)

ترجمہ:۔خدا توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور طہارت پسندوں کو محبوب رکھتا ہے

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون :23:3)

ترجمہ:۔جو لوگ لغو اور بیہودگی سے اعراض کرتے ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ وَّ زِیْنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ اَوْلَادِ

(الحدید :57:20)

ترجمہ:۔خوب جان رکھو کہ یہ دنیوی زندگی لہو و لعب ہے اور ظاہری زینت اور آپس میں فخر اور بڑائی کرتے ہیں اور مال اور اولاد میں کثرت اور زیادتی کا مقابلہ ہے۔

ذرا باریک خط میں یہ کتبہ بھی موجود ہے!

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ (حدیث)

بات تو بس اتنی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ (حدیث)

آدمی کے اسلام کی اچھائی سے یہ بھی ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو ترک کرے۔

بُعِثْتُ لِاُ تَمِمَّ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ (حدیث)

اللہ کے مقرر کردہ عادات واطوار کی عادت ڈالو۔

یہ دَر تہذیب نفس کا ہے۔اس کے پاس ایک تخت پر حضرت عبدالرحمٰن بن عمرؓ اور ایک پر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ یوں تو اس دَر کے پاس بہت سی واجب التعظیم ہستیاں موجود ہیں مگر خصوصیت سے چند حضرات کے نام بیان کئے جاتے ہیں!

ایک تخت پر حضرت امام ابوحامد محمد غزالیؒ ہیں، اُن کے پاس ''احیاء العلوم'' اور ''کیمیائے سعادت'' وغیرہ کثیر تصانیف ہیں۔''احیاء العلوم'' کے چار جلدیں ہیں۔ایک میں عقائد و معارف ہیں۔ایک جلد میں سیاستِ تمدن و تہذیبِ نفس ہے۔ایک جلد میں منجیات ہیں اور ایک جلد میں مہلکات۔ایک اور تخت پر حضرت غوثِ اعظم سیدی عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔اور اُن کے ہاتھ میں ''فُتُوْحُ الْغَيْبُ'' اور ''فَتْحِ رَبَّانِیْ'' ہے۔ایک کرسی پر جلال الدین دوانیؒ ہیں اور اُن کے پاس ''اخلاق جلالی'' ہے۔اس کے تین حصے ہیں ایک میں سیاستِ تمدن، ایک میں سیاست وانتظامِ خانہ داری اور ایک میں تہذیبِ نفس۔حضرت دوانیؒ نے ''عقائدِ جلالی'' اور دیگر کتب میں فلسفہ اسلام اور علمِ کلام پر بھی کافی مباحث لکھے ہیں۔اور کئی کرسیوں پر بہت سے تہذیب نفس کے معلّم ہیں۔

8- **دَرِ موحدین** :۔ ایک اور دَر ہے جس پر حسبِ ذیل کتبہ ہے!

قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ۔ اَللهُ الصَّمَدُ (الاخلاص :112:1-2)

ترجمہ:۔تم کہو۔وہ اللہ ہے۔بالکل ایک ہے۔اللہ نا قابل تغیر ہے بے نیاز ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (الحدید :57:4)

ترجمہ:۔اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

اَيْنَمَا تُوَلُّوْ فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ (البقرہ:2:115)

ترجمہ:۔جہاں کہیں بھی تم رُخ کرو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

وَ فِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات :51:21)

ترجمہ:۔اور تمہاری ذات میں بھی خدا کی نشانیاں اور اُس کی قدرت کے کرشمے ہیں تم بصارت اور بصیرت سے کام نہیں

لیتے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ سجدہ 41:53)

ترجمہ:۔ہم اپنی نشانیاں گرد ونواحِ آفاقِ عالم میں اور خود اُن میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن کو ظاہر ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

ذرا باریک خط میں یہ بھی ہے!

اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَتْهَا الْعَرَبُ قَوْلُ لُبَيْدٍ '' اَلاَ كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلاَ اللهَ بَاطِلُ ''

ترجمہ:۔عرب لوگوں میں سب سے سچا قول لبیدؔ (شاعر) کا ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کو چھوڑ کر ہو وہ باطل (جھوٹ) ہے۔

یہ موحدین کا دَر ہے۔ یہاں کے حاضرین کئی قسم کے ہیں۔بعض بڑے زُور و شور سے توحید کی تعلیم دیتے ہیں، بعض اصحاب عظیم الشان کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور بعض کے فیضِ تربیت اور حسنِ صحبت سے لوگ موحد ہو جاتے ہیں۔

یہاں ایک بڑے تخت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔اُن کی زبانِ مبارک سے نکل رہا ہے۔ مَارَأَيْتُ شَيْئًا وَرَأَيْتُ اللهَ قَبْلَهٗ (میں نے کسی شئے کو دیکھا تو شئے سے پہلے خدا کو دیکھا)۔آپؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردے کو چلتا پھرتا دیکھنا ہو تو ابوبکر کو دیکھو۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''جس چیز سے خدا نے میرا شرح صدر کیا ہے اُس سے میں نے ابوبکرؓ کا بھی شرح صدر کیا''۔

اُن (حضرت ابوبکرؓ) کے تخت کے اطراف قادریہ، نقشبندیہ اور شطاریہ کے تخت ہیں۔ ایک تخت پر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جلوہ گر ہیں اور فرماتے ہیں ''سَلُوْنِيْ اُجِبْكُمْ ''(مجھ سے مانگو میں دوں گا)۔آپؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا گوشت علی کا گوشت ہے اور میرا خون علی کا خون ہے''۔آپؓ کے اطراف قادریہ، چشتیہ۔رفاعیہ، اکبریہ ،سہروردیہ، شاذلیہ اور بدویہ کے تخت ہیں۔اُن تختوں کے پاس اور دوسری محترم ہستیوں کے تخت بھی ہیں۔جیسے حضرت حسن بصریؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ، حضرت کمیل بن زیادؒ، حضرت ذُوالنون مصریؒ، حضرت ابوالقاسم قشیریؒ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے زمانے میں بیرونی مصنفین کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔فقط اُن کی توجہ عالی اور قوت قلبی سے لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمیوں نے زلالِ توحید سے سیرابی حاصل کی۔اُن تختوں کے پاس خصوصیت سے قابلِ ذکر حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہیں اور اُن کے پاس '' فُتُوْحَاتِ مَكِّيَهْ ''اور'' فُصُوْصُ الْحُكْمُ ''وغیرہ کتابیں ہیں۔ایک تخت پر مولانا جلال الدین رومیؒ بیٹھے ہیں، اُن کے پاس ''مثنوی شریف'' رکھی ہے۔

9- دَرِ عاشقان (عشق ومحبت):۔ایک اور دَر پر یہ کتبہ ہے!

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:2:165)

ترجمہ:۔وہ اُن سے (اپنے خیالی معبودوں سے) اللہ کی محبت کے برابر محبت کرتے ہیں۔مگر ایماندار لوگ خدا سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ :5:54)

ترجمہ:۔جس قوم کو وہ (خدا) محبوب رکھتا ہے وہ اُس کو (خدا کو) محبوب رکھتے ہیں۔

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل :17:109)

ترجمہ:۔اور وہ (قرآن سن کر) سجدہ میں گر پڑتے ہیں، روتے ہیں اور اُن کی عاجزی اور فروتنی بڑھتی ہے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الاعراف :7:143)

ترجمہ:۔جب اُن کے رب نے (اللہ نے) کوہِ طور پر تجلی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ چیخ مار کر گر پڑے۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر:39:23)

ترجمہ:۔اس سے خدا ترسوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اُن کے پوست اور دل نرم ہو جاتے ہیں اور یادِ خدا سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

ذرا خفی خط میں یہ بھی کندہ ہے!

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ (حدیث)

ترجمہ:۔یعنی آدمی جس کو چاہتا ہے اُس کے ساتھ رہتا ہے، تو جس کو چاہتا ہے اس کے ساتھ رہے گا۔

یہ دَر عشق ومحبت کا دَر ہے، اِس دَر سے جو آ رہا ہے اُس کا ایک گھونٹ بھی پی لینا۔ پینے والے کو مستِ الست کر دیتا ہے، جو پانی اس کا پیتے ہیں، اُن میں سے بعض عاشق کہلاتے ہیں اور بعض معشوق، کچھ محبّ ہوتے ہیں اور کچھ محبوب۔کوئی چاہتا ہے اور کوئی چاہا جاتا ہے۔

غرض آیت **يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ** سے معلوم ہوتا ہے کہ محبِّ خدا محبوبِ خدا بھی ہوتا ہے اور محبوبِ خدا محبِ خدا بھی مگر دونوں میں امتیاز صرف یہ ہوتا ہے کہ جو چیخا چلّایا وہ عاشق کہلاتا ہے اور جس نے ضبط کیا صبر و سکون سے بیٹھا وہ معشوق۔

اس کے پاس ایک تخت ہے جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔دوسرے تخت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔تیسرے تخت پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور چوتھے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ایک اور تخت پر

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، ایک پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، ایک پر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جلوہ فرما ہیں۔ایک اور تخت پر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے اَحَدُ اَحَدُ کا نعرہ مار رہے ہیں۔اس دَر کے پاس سیکڑوں تخت بچھے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا تاہم چند تخت نشانِ ولایت کے نام بیان کردیئے جاتے ہیں!

سیدی عبدالقادر جیلانیؒ ، سیدی شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ، سیدی خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی، سیدی احمد الکبیر الرفاعیؒ، سیدی ابوالعباس احمد بدویؒ، سیدی بہاء الدین محمد النقشبندؒ، سیدابوالحسن علی شاذلیؒ، سیدی جلال الدین مولانا رومیؒ، سیدی محی الدین علی بن محمد ابن العربیؒ، سیدی بدیع الدین شاہ قطب المدارؒ، سیدی علاء الدین علی صابرؒ، سیدی نظام الدین محبوب الٰہیؒ، سیدی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ۔

10- دَرِ عَبدیت :۔اس کے پاس ہی ایک اور دَر ہے جس پر یہ آیت کندہ ہے!

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۔ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً o فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيo وَ ادْخُلِيْ جَنَّتِيْ o(الفجر:27-89:30)

ترجمہ:۔اے اطمینان والے نفس اپنے رب کے پاس واپس ہوجا۔تو خدا سے راضی تجھ سے خدا راضی۔پھر تو میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہو۔

ذرا باریک خط میں یہ بھی لکھا ہوا ہے!

وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ اَدَآءِ مَا فُتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَ يَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَ اِنْ سَاَلَنِيْ اَعْطَيْتُهٗ وَ اِنِ اسْتَعَاذَنِيْ اَعَذْتُهٗ (حدیث قدسی)

ترجمہ:۔میرے بندے نے میرا تقرب نہ چاہا کسی چیز سے جو مجھے زیادہ پسند ہے بجز اُس چیز کو ادا کر کے جس کو میں نے اُس پر فرض کیا ہے۔میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے دوست رکھتا ہوں۔پھر جب اُسے دوست رکھتا ہوں تو اُس کی سماعت ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے مانگے تو اُسے دیتا ہوں اور اگر میری پناہ چاہے تو میں اُس کو پناہ دیتا ہوں۔

یہ دَر عبدیت کا ہے۔اِس دَر کے لوگ عبدیت سے ممتاز ہیں اور صاحبِ قربِ فرائض۔یہ بے ارادہ جیتے ہیں،

یعنی مُردہ بدستِ زندہ زندہ رہتے ہیں۔خدا کو دینا ہوتا ہے تو اِن کے ہاتھ سے دیتا ہے۔کچھ کام لینا ہوتا ہے تو اِن کے ہاتھوں سے لیتا ہے۔ہر شخص کو ہر چیز کو اُس کا حق دینا اُن کا کام ہے۔اقتضائے وقت کے مطابق عمل کرنا اُن کا شیوہ ہوتا ہے۔تحتِ امر رہنا ہمیشہ اُن کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ایسے لوگ عامۃ الناس سے ایسے مِلے جُلے رہتے ہیں کہ اُن کا دوسروں سے امتیاز کرنا مشکل ہے۔کھاتے پیتے ہیں،شادی بیاہ کرتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں۔ایسے لوگوں کی زبان پر یہ شعر ہوتا ہے ؎

دل کسی سے لگا دست فشاں سب سے رہے
عمر بھر قیدِ تعلق سے ہم آزاد رہے
(حسرتؔ صدیقی)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس دَر سے سیراب ہونے والے محبّ (عاشق Friend) بھی ہیں محبوب (معشوق Beloved) بھی ہیں اور بندے بھی،مگر ایک گونہ خصوصیتِ بندگی کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔

اِس دَر کے پاس کئی تخت بچھے ہوئے ہیں،ایک تخت پر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ ،ایک پر حضرت عمر فاروقؓ ،ایک پر حضرت عثمان غنیؓ ،ایک پر حضرت علیؓ ،ایک پر حضرت امام حسنؓ اور ایک پر حضرت امام حسینؓ تشریف فرما ہیں۔پاس ہی ایک تخت پر حضرت سیدی عبدالقادر جیلانیؒ ہیں اور دوسرے کئی تختوں پر وہ سب حضرات بھی جلوہ فرما ہیں جن کے اسماءِ گرامی توحید اور عشق ومحبت کے بیان میں گزر چکے ہیں۔

اِس کے علاوہ اور بھی دَر جیسے دعا کرنے والوں اور استعاذہ،تعویذات اور عملیات کے دَر ہیں۔غرض کہ سینۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بہت کشادہ ہے اس میں جو کچھ ہے اس کو قیامت تک بیان کرو،تم بیان کرو،ساری دنیا بیان کرے مگر وہ نہ کبھی ختم ہوا ہے نہ ہوگا۔تم ختم ہو جاؤ گے اور دنیا ختم ہو جائیگی۔ (مقدمہ تفسیرِ صدیقی)

21.2- اسلام میں تصورِ حاکمیت (Concept of Sovereignty):۔

سوال:99:۔ اسلام میں تصورِ حاکمیت اعلیٰ کی کتنی جہتیں ہیں؟ توضیح قرآن کے حوالے سے تشریحی حاکمیت اور تشریعی حاکمیت سے مراد کیا ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان کرو؟

جواب:۔ اسلام میں حاکمیت کے تصور کی بنیاد اور اساس درجِ ذیل آیتِ قرآنی ہے!

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النسآء:4:59)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبانِ اَمر کی

پھر اگر کسی مسئلے میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ۔

اِس آیت میں اطاعتِ الٰہی سے مراد ''حقیقی حاکمیت'' ہے اور اطاعتِ رسولؐ سے مراد ''نیابتی حاکمیت'' ہے جب کہ اطاعتِ اولی الامر سے مراد خلافت و امامت کی اطاعت ہے۔اِس بنیادی تصور کو سمجھنے کے بعد اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- حقیقی حاکمیت (اُلوہیت) (Ultimate Sovereignty)

حقیقی حاکمیت سے مراد پوری کائینات پر تکوینی (قانونی) اور تشریعی (Legistive Authority) اعتبار سے اصلی حاکمیت ہے یہ نہ عطائی اور تعویضی (Manifestive) ہوتی ہے اور نہ ہی نیابتی و مظہری (رسالتی)، یہ صرف اللہ رب العزت کے ساتھ خاص (Exclusive) ہے۔اس طرح کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کسی اور کے لئے ثابت نہیں کیونکہ یہ ''شانِ اُلوہیت'' (Derinity) سے عبارت (کہلاتی) ہے۔

2- نیابتی حاکمیت:۔(رسالت (Manifestative Sovereignty) :۔

اس سے مراد وہ حاکمیت ہے جو حاکمِ حقیقی کے نائب، قائم مقام اور مظہر ہونے کی حیثیت سے قائم ہو۔یہ حاکمیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے اور یہ شانِ نبوت و رسالت (Prophet Hood) سے عبارت ہے۔

3- خلافت (امارت Vicegerency):-

خلافت سے مراد وہ حاکمیت جو امانتاً حاصل ہو یہ فی الحقیقت حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ نہیں ہوتی بلکہ نیابتِ نبوت کا مرتبہ رکھتی ہے۔اسے ''حاکمیتِ محض'' مجازاً کہا جاتا ہے۔یہ ''اُولی الامر'' کے لئے خاص ہے۔اُولی الامر سے مراد خلفاء، امراءِ سلطنت، ائمۂ علمِ دین اور فقہاءِ اسلام ہیں۔اِسکے تحت تنفیذِ حکم اور اظہارِ حکم آتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اسلامی ریاست میں وہ حکم کے نفاذ، اُس کی حفاظت اور نئے پیش آمدہ مسائل میں شرعی مطابقت پیدا کریں۔

21.3- تشریحی اور تشریعی حاکمیت

(Elucidational & Legislative Sovereignty)

حاکمیتِ اعلیٰ (حقیقی حاکمیت) تو ایک نظریہ وعقیدہ (Belief & Faith) ہے اسے اُس وقت تک آئینی اور دستوری (قانونی اور قانون سازی) حیثیت حاصل نہیں ہوسکتی جس وقت تک اُس کی اطاعت اور پیروی کے لئے معاشرے

(Socio) میں اس کے ظہور (Manifestation) کی کوئی عملی صورت نہ ہو کیونکہ پیروی عوام (Public) کرتے ہیں۔ جب تک پیروی کرنے کے لئے انسانی سطح پر حاکمیت کا کوئی مقرر اور معین نمونہ اور محسوس عملی پیکر سامنے نہ ہو جس کے حکم کو ایک عمل کے نمونے میں دیکھ کر انسان عادتاً پیروی کر سکے اُس وقت تک حاکمیت ایک ماورائی صورت (Un Perceptable) اور فلسفہ (نظریہ) رہتا ہے جو آئینی اور دستوری حیثیت حاصل نہیں کر سکتا۔ لہذا انسانی معاشرے میں جو ہستی اس درجہ پر فائز ہے وہ ہستی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اور آپؐ کی ذات کو بھی ''حاکم'' ہی کہیں گے کیونکہ حاکمیت اعلیٰ کا ظہور آپؐ کے پیکرِ نبوت کے ذریعے سے ہو رہا ہے۔ آپؐ کے اوامر و نواہی حاکمِ حقیقی ہی کے اوامر و نواہی اور آپؐ کی اطاعت و معیت حاکمِ حقیقی ہی کی اطاعت و معیت شمار ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نواہی کے ظہور کے لئے آپؐ کی ہستی (ذات) کا انتخاب کیا ہے اور اپنے اوامر و نواہی کی ادائیگی کے لئے معیار اور بہترین نمونہ آپؐ کے عمل کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:33:21)

ترجمہ:۔ بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

اس طرح قرآن وسنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت کی دو حیثیتیں بیان کی گئی ہیں!

1- تشریحی حاکمیت 2- تشریعی حاکمیت

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے!

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (الاعراف:7:157)

ترجمہ:۔ جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو ''حلال'' کرتے ہیں اور اُن پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِ گراں اور طوق (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) (الاعراف:7:157)

مذکورہ بالا آیت کا پہلا حصہ (**يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ**) حضور نبی کریمؐ کی تشریحی حاکمیت پر اور آیت کا باقی حصہ تشریعی حاکمیت پر دلالت کر رہا ہے اور اِس آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام کے اوامر و نواہی اور حلال و حرام کے احکام صرف وہ ہی نہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں بلکہ قرآن کے علاوہ وہ احکام بھی شامل ہیں جو حضور نبی کریمؐ نے بیان فرمائے ہیں اور ان احکام کی حیثیت بھی اُسی طرح ہے جس طرح قرآنی احکام کی ہے۔

A- تشریحی حاکمیت (Elucidational Authority) :۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''تشریحی حاکمیت'' میں آپؐ کو قرآن کے ''مجمل'' احکام کی تفصیل، ''مطلق'' کی تقید، ''عام'' کی تخصیص اور ''مشکل'' کی توضیح وغیرہ کا اختیار عطا کیا گیا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے!

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ o

ترجمہ:۔آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام واحکام) خوب واضح کردیں جو اُن کی طرف اتارے گئے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ (النحل:16:44)

B- تشریعی حاکمیت (Legislative Authority):۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''تشریعی حاکمیت'' کے اعتبار سے اُن چیزوں کے بارے میں حکم صادر کرنے کا اختیار عطا ہوا جن کے مطابق قرآنِ کریم خاموش ہے یا اس میں کوئی واضح حکم نہیں دیا گیا یعنی آپؐ کو وہ شانِ حاکمیت عطا کی گئی ہے کہ آپؐ صرف قرآنی احکام کی تشریح (Explanation) ہی نہیں کرتے بلکہ قرآنی احکام کے علاوہ بھی احکام صادر (Legislation) فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ شریعت میں اوامر و نواہی اور حلال و حرام صرف وہی نہیں جو قرآن میں بیان ہوئے بلکہ سنت سے بھی اُن کا ثبوت محقق ہوتا ہے۔ تشریعی حاکمیت کی مختلف صورتوں کی تفصیل اِس کتاب کے موضوع میں نہیں ہے۔

A- تشریحی حاکمیت کی صورتیں :۔

حضور نبی کریمؐ کی تشریحی حاکمیت (تشریح قرآن) کی درجِ ذیل صورتیں ہیں!

1- تخصیص العام (Specification of General) :۔

تخصیص العام کا مطلب ہے عام (General) کو خاص (Specific) کردینا اور آپؐ قرآن کے عمومی حکم کو خاص کرسکتے ہیں مثلاً آیت **الجلد** کی بیان کردہ حدِ زِنا میں **اَلزَانِیُ** اور **اَلزَانِیَہ** کے مفہوم کی تخصیص اور قرآن کے حکمِ وصیت پر ایک تہائی حصہ جائیداد کی تخصیص۔

2- تقید المطلق (Qualification of Absolute) :۔

تقیدِ المطلق کا مطلب ہے کہ قرآن میں ایک حکم مطلق (Absolute) بیان ہوا ہے۔ آپؐ نے اس کو مقید (متعین Qualify) کردیا۔ مثلاً حدِ سرقہ (چوری) کے لئے نصاب کی قید اور **قَطعِ یَدٌ** (ہاتھ کاٹنے) کے لئے مفہومِ حد (ہاتھ کا کتنا حصہ) تعین فرمایا۔

3- **بیان المجمل** (Explanation of Implicit) :۔

بیان المجمل کا مطلب ہے کہ قرآن میں کوئی حکم (آیت) اجمالی طور پر بیان ہوا ہے تو آپؐ نے اس اجمالی (Implicit) کی تفصیل (Explanation) بیان کی۔مثلاً مفہومِ صلوٰۃ، تعدادِ رکعات اور تفصلِ اوقات کا بیان۔

4-**استثنیٰ**(Exemption) :۔

استثنیٰ کا مطلب ہے کہ قرآن میں ایک حکم (آیت) بیان ہوا اور آپؐ نے کسی کو اِس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ مثلاً حرمت میتہ میں مچھلی اور ٹڈی کا استثنیٰ (Exemption) اور غسل رجلین کے حکم ''**مسح علی الخفین**'' کا استثنیٰ۔

5- **الزیادہ** (Addition) :۔

الزیادہ کا مطلب ہے کہ قرآن کے بیان کئے ہوئے آیاتِ احکام پر مزید اضافہ کرنا۔مثلاً حدِ زنا کے ساتھ ایک سال قید یا جلاوطنی (تفریدعام) کا اضافہ اور **جمع بین الاختین** کے حکم پر پھوپھی، بھتیجی اور خالا بھانجی کے جمع کی ممانعت کا اضافہ۔

6- **توضیح المشکل** (Explanation of Ambiguous) :۔

توضیح المشکل کا مطلب ہے کہ قرآنی آیت حکم میں ایسے الفاظ جن کا مفہوم اور مراد محض لغت کے قواعد سے معلوم نہ ہو آپؐ نے اُن کے مفہوم و مراد کو بیان فرمایا ہو۔مثلاً وقت سحری کے ضمن میں **بیاض النھار** اور **سواد اللیل** کے مفہوم کی توضیح۔

22- اصولِ تفسیر و تاویلِ قرآن

(Principles of Elucidation of Quran)

سوال :100 :۔ الفاظ و معنیٰ کے لحاظ سے نقلیاتی (قرآن،حدیث وقانون) میں تقسیماتِ اربعہ سے مراد کیا ہے اور وہ کون کون سی ہیں؟

جواب:۔واضح ہو کہ بعض مسائل میں معنیٰ الفاظ کے تابع ہوتے ہیں اور بعض میں الفاظ معنیٰ مقصود بالذات ہوتے ہیں۔

نقلیات:نقلیات یعنی قرآن وحدیث وقانون میں ''لفظ'' مقدم(Prior) ہے۔اور فلسفہ میں ''معنیٰ'' اِس لئے نقلیات میں الفاظ سے جیسے معنیٰ نکلتے ہیں وہی مراد لئے جاتے ہیں۔لہذا نقلیاتِ اربعہ کا جاننا ضروری ہے۔

تقسیماتِ اربعہ:۔

الفاظ ومعانی کے لحاظ سے نقلیات کی چار قسمیں ہیں!

قسمِ اول:. **باعتبارِ وضعِ لغت**:۔خاص۔عام۔مشترک۔مأوّل

قسم دوم:. **باعتبارِ استعمال** (معنائے وضعی وغیر وضعی):۔حقیقت۔مجاز۔صریح۔کنایہ

قسم سوم:. باعتبارِ ظہور وخفائے معنیٰ ،جن کو متقابلات کہتے ہیں :۔

(a) باعتبارِ ظہور:۔ظاہر۔نص۔مفسّر۔محکم

(b) باعتبارِ خفاء:۔خفی۔مشکل۔مجمل۔متشابہ

قسمِ چہارم:. **باعتبارِ کیفیتِ دلالت** (متعلقاتِ نصوص):۔عبارۃ النص۔اشارۃ النص۔دلالۃ النص۔اقتضاء النص

سوال:101:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم اول کے تحت باعتبار وضع و لغت کی تفصیل بیان کرو؟

جواب:۔قسم اول باعتبار وضع و لغت:۔

1- خاص 2- عام 3- مشترک 4- مأوّل

1- **خاص**:۔ ''خاص'' وہ لفظ ہے جو معنائے واحد کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

''خاص'' کی مزید تین قسمیں ہیں!

(a) خاص شخص (b) خاص نوع (c) خاص جنس

(a) خاص شخص:۔وہ شخص جو بہت افراد پر صادق نہ آئے،جیسے ''زید'' اُس کو منطق، جزئی حقیقی کہتے ہیں۔

(b) خاص نوع:۔ وہ کلی جو متحدالاغراض افراد پر صادق آئے، جیسے مرد، عورت۔
(منطقین کے پاس ایک حقیقت اور ماہیت (Entity) کو ''نوع'' کہتے ہیں، جیسے ''انسان'')
(c) خاص جنس :۔وہ کلی جو مختلف الاغراض افراد پر صادق آئے، جیسے ''انسان'' (منطقین کے پاس جنس وہ کلی ہے مختلف ماہیتوں پر صادق آئے جیسے ''حیوان'')۔

حکمِ خاص:۔قرآن کے ''لفظِ خاص'' پر عمل کرنا ضروری ہے۔''خاص'' میں کسی طرح بھی بیانِ تفسیر کی احتیاج (Need) نہیں۔وہ خود ظاہر و واضح ہوتا ہے۔اگر قرآن کے ''خاص'' کی مخالفت خبرِ واحد یا قیاس سے ہوتی ہے اور اُن کے جمع کرنے سے ''خاص حکم'' میں کوئی تغیر نہ آتا ہو تو دونوں پر عمل ہوگا ورنہ خاصِ قرآن پر عمل ہوگا جو متواتر اور یقینی ہے۔مثلاً قرآن میں ہے!

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (مزمل:73:20)

اورخبرِ واحد میں ہے! لَاصَلوٰةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (حدیث)

پس مطلق قراءت فرض ہوگی اور قراءتِ سورہ فاتحہ واجب ہوگی نہ کہ ''فرض''۔

2- **عام** :۔ وہ جو ایک سے زیادہ چیزوں کے لئے بوضع واحد موضوع ہو اور وہ غیر محصور ہو جیسے مُشْرِكُوْنَ یا مُسْلِمُوْنَ اور مِنْ مَّا (جو شخص، جو چیز) اور كُلٌّ وغیرہ۔''عام'' پھر دو قسم پر ہے!

(a) غیر مخصوص (b) مخصوص

(a) **عام غیر مخصوص** :۔جس میں سے کوئی شئے خاص نہ کی گئی ہو۔

نوٹ:۔حکمِ عام غیر مخصوص ایسا ''عام'' ہے جو:: خاص'' کی طرح قطعی ہے، اُس پر عمل لازم ہے۔قرآن کے ''عام'' کی خبرِ واحد یا قیاس سے تخصیص صحیح نہیں۔ ہر قسم کے خطاب کے عموم میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔

اور اگر يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ ، يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ کے ساتھ خطاب کیا گیا ہو تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُمت بھی داخل ہے۔

۔ اگر پیغمبر کسی اُمتی کو خطاب کرے تو حنفیہ کے پاس ''عام'' نہ ہوگا۔دوسرے ائمہ کے پاس ''عام'' ہے۔

۔ جمع کو جمع کی طرف مضاف کریں تو پہلی جمع کا عدم دوسری جمع کے احاد میں ہر ایک کے مقابل نہیں ہوتا۔مثلاً اَمْوَالَهُمْ، تو اِس کے معنیٰ ہر ایک قسم کے مال کے نہیں ہیں۔

۔ ''عام'' کسی مدح یا ذم کا متضمن ہوتا ہے تو حنفیہ کے پاس تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

جیسے اِنَّ الْاَ بْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۔

۔ اگر شارع کسی حکم کسی علت سے محلل (Disolved) کردے مثلاً شراب کی علّت سکر (نشہ) بتائی ہو تو اُس کو معین کے لئے عمومِ قیاس سمجھا جائے گا۔

(b) عام مخصوص :۔ وہ ''عام'' جس کے حکم سے بعض افراد علٰحدہ ہوجائیں تو اس خصوص کو عام کا ''مخصص'' کہتے ہیں، جیسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کے حکم سے وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتِجَارَکَ فَاَجِرْہُ پس فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ ''عام مخصوص'' ہے۔

مخصص کبھی مجمل یا نا معلوم ہوتا ہے، جیسے اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا کہ رِبٰوا مجمل (Brief) ہے۔ حدیث میں اس کی گونہ تفصیل ہے۔

نوٹ:۔ قرآن مجمل ہو تو اس کی تفصیل حدیث اور حدیث مجمل ہو تو اُس کی تفصیل قیاس (Analogy) سے ہوتی ہے۔

۔ مخصص، عام میں داخل نہ ہونے کے اعتبار سے مثل ''استثناء'' کے ہے اور مستقل و علٰحدہ ہونے کے لحاظ سے مثل ''ناسخ'' کے ہے۔

۔ عام مخصوص خواہ معلوم ہو یا نہ ہو ''ظنی'' ہے مگر واجب العمل ہے۔

۔ 'عام' بعد تخصیص بھی بقیہ افراد کے لئے حقیقت ہے۔

۔ قرآن کے 'عام مخصوص' کی تخصیص خبر احاد و قیاس سے ہوسکتی ہے۔

۔ اگر 'عام' کا صیغہ جمع یا اسم جمع کا ہو تو تین فرد باقی رہنے تک تخصیص (خاص) ہوسکتی ہے۔

جس 'عام' کا صیغہ جمع یا اسم جمع کا نہ ہو تو ایک فرد باقی رہنے تک تخصیص ہوسکتی ہے۔

۔ اگر جمع میں تین افراد نہ رہیں یا اسم جنس میں ایک فرد بھی نہ رہے تو یہ ''نسخ'' ہوگا۔ نہ کہ ''تخصیص''۔

3- مشترک (Shared):۔ وہ لفظ جو مختلف وضع سے متعدد (کئی) معانی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

نوٹ:۔ ''عموم مجاز جائز ہے عموم مشترک جائز نہیں'' چنانچہ!

۔ بعض دفعہ لفظِ مشترک کے ایک ایسے مجازی (Melaphoric) معنیٰ لئے جاتے ہیں جو حقیقت پر بھی صادق آتے ہیں۔ اِس کو ''عمومِ مجاز'' کہتے ہیں جو جائز ہے کیونکہ اُس وقت مجاز ہی مقصود ہوتا ہے۔

۔ لفظِ مشترک سے وقتِ واحد میں کئی معنیٰ نہیں لئے جاسکتے ہیں۔ اگر معنیٰ معین ہوجائے تو پھر دوسرا معنیٰ نہیں لایا

جاسکتا۔گویا'عمومِ مشترک' یعنی مشترک سے کئی حقیقی معنیٰ مراد نہیں لئے جاسکتے۔

4- مأوّل :۔ لفظ مشترک کے متعدد معانی میں سے کوئی ایک معنیٰ مجتہد (Interpreter) کی غالب رائے سے متعین ہوجائے تو وہ ''مأوّل'' ہے۔

حکمِ ماوّل:۔ وہ ظنّی ہے مگر واجب العمل ہے۔

سوال :102:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم دوم کے تحت باعتبار استعمال(ظاہروخفاء) کا تفصیلی بیان کرو؟ نیز دلالت کے اقسام کا بھی تذکرہ کرو؟

جواب:۔اقسامِ دلالت:۔دلالتِ مطابقی ۔دلالتِ تضمنی ۔دلالتِ التزامی

دلالتِ مطابقی :۔لفظ کا پورے معنائے موضوع لہٗ پر دلالت کرنا دلالتِ مطابقی ہے۔

دلالتِ تضمنی:۔ لفظ سے پورے معنائے موضوع لہٗ کے ضمن میں جز کا سمجھ میں آنا دلالتِ تضمنی ہے۔

دلالتِ التزامی:۔لفظ سے خارج،مگر لازمِ معنیٰ کا سمجھ میں آنا دلالتِ التزامی ہے۔

تقسیماتِ اربعہ کی قسم دوم باعتبار استعمال (معنائے وضعی و غیر وضعی) :۔

1- حقیقت 2- مجاز 3- صریح 4- کنایہ

1- **حقیقت** (Real) :۔لفظ کا معنیٰ موضوع لہٗ میں مستعمل ہونا ''حقیقت'' کہلاتا ہے۔

2- **مجاز** (Metaphoric) :۔ لفظ کا معنائے غیر موضوع لہٗ میں کسی قرینہ اور علاقہ سے مستعمل ہونا مجاز کہلاتا ہے۔

۔ علاقہ (استعمال) مجاز،مشابہت و مجاورت ہے۔جس میں علاقہ مشابہت ہو وہ ''استعارہ'' ہے۔اور جس میں علاقہ مجاورت ہو وہ ''مجازِ مرسل'' ہے۔

۔ استعارہ،میں تین چیزیں ہوتی ہیں! (a) مستعارلہٗ (b) مستعار (c) وجہ شبہ

(a) **مستعار لہٗ** :۔اِس کو''مشبہ بہٖ'' بھی کہتے ہیں جس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔جیسے اسد(شیر)

(b) مستعار:۔اِس کو''مشبہ'' بھی کہتے ہیں جس کو تشبیہ دی جاتی ہے جیسے زید جو شجاع(بہادر) ہے۔

(c) **وجہ شبہ**:۔ وہ وصف ہے جو مشبہ و مشبہ بہ میں پایا جاتا ہے جیسے شجاعت۔

نوٹ:۔یہ اصطلاح ''علمائے بیان'' کی ہے۔مگر''علمائے اصول'' کے پاس استعارہ اور مجاز ہم معنیٰ ہیں۔

۔اسی طرح علمائے اصول کے پاس علاقہ تشبیہ کو''اتصالِ معنوی'' اور مجازِ مرسل کو''اتصالِ صوری'' کہتے ہیں۔

۔اتصال صوری (مجازِ مرسل)،سبب ومسبب،علت معلول،جزوکل وغیرہ میں ہوتا ہے۔

۔علت ومعلول، میں تلازم رہتا ہے اس لئے علت کہہ کر معلول اور معلول کہہ کر علت مراد لے سکتے ہیں۔ جیسے شراء اور ملک۔اس میں ''شراء'' علت ہے اور ''ملک'' معلول۔پس شراء کہہ کر ملک اور ملک کہہ کر شراء مراد لے سکتے ہیں۔

۔سبب ،مسبب کا محتاج علیہ ہے مگر مسبب ،سبب کا محتاج الیہ نہیں۔اس لئے ''سبب'' کہہ کر مسبب مراد لے سکتے ہیں مگر ''مسبب'' کہہ کر سبب مراد نہیں لے سکتے۔جیسے ''طلاق اور آزادی''۔پس ''آزادی'' سے طلاق مراد لے سکتے ہیں مگر طلاق سے آزادی مراد نہیں لے سکتے۔مثلاً کوئی زوج(Pause) سے کہے۔''میں نے تجھ کو آزاد کیا'' اور طلاق مراد لی تو ہوسکتا ہے۔مگر لونڈی سے کہے کہ ''میں نے تجھ کو طلاق دی'' اور آزادی مراد لی تو صحیح نہیں۔

حکمِ حقیقت و مجاز:۔

''حقیقت'' کے لئے قرینہ(Dexterity) کی ضرورت نہیں ''مجاز'' کے لئے قرینہ(تعلق) کی ضرورت ہے۔نیز،ایک لفظ سے ایک استعمال(وقت) میں معنائے حقیقی اور مجازی دونوں مراد نہیں ہوسکتے۔

اقسامِ حقیقت :۔حقیقت کی تین قسمیں ہیں۔

1- **متعذر** (مشکل):۔ جس کا سمجھ میں آنا دشوار ہے۔

2- **متروک** (Notion Use):۔ جس کو محاورہ میں ترک کردیا گیا ہو۔

3- **مستعمل**(Being Used) :۔ جو محاورہ میں مستعمل (استعمال ہوتا) ہو۔

نوٹ:۔ اگر حقیقی معنیٰ ''متعذر'' یا ''متروک'' ہوں تو مجازی معنیٰ لئے جائیں گے۔

۔ اگر حقیقت و مجاز دونوں مستعمل ہوں یا ''حقیقت'' کثیر الاستعمال ہو تو حقیقتِ اولیٰ (مقدم) ہے۔

۔صحتِ مجاز کے لئے معنائے حقیقی کا ممکن ہونا شرط ہے اور اگر حقیقت ممکن نہیں تو کلام ،لغو ہے۔

قرائینِ مجاز:۔ قرائینِ مجاز کی درجِ ذیل چار صورتیں ہیں!

1- عادۃً لغوی معنیٰ ''متروک'' ہوں۔

2- سیاقِ کلام،مرادِ حقیقت سے اباء وانکار کرے۔

3- قصد و ارادۂ کلام ترکِ حقیقت پر دلالت کرے۔

4- محلِ کلام،حقیقی معنیٰ سے اباء وانکار کرے۔

صریح و کنایہ:۔

صریح (Evident):۔وہ واضح معنیٰ ہے جس پر لفظ،بلا قرینہ دلالت کرے۔حکمِ صریح کے لئے نیت ضروری نہیں۔

کنایہ (Hint):۔ وہ غیر واضح معنیٰ ہے جس کے سمجھنے کے لئے قرینہ کی ضرورت ہو۔حکمِ کنایہ کے لئے نیت یا دلالتِ حال کی ضرورت ہے۔

۔حقیقت متروکہ (مہجورہ) ''کنایہ'' میں داخل ہے۔

۔مجاز متعارف، ''صریح'' میں داخل ہے۔

سوال:103:۔ تقسیماتِ اربعہ کی قسم سوم کے تحت باعتبار ظہور وخِفا معنیٰ کے متعلق تفصیلی بیان کرو؟

جواب:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم سوم باعتبار ظہور وخِفا معنیٰ:۔قسمِ سوم کو متقابلات بھی کہتے ہیں!

متقابلات (باعتبار ظہور):۔ ظاہر۔ نص۔مفسّر۔ محکم (چار) ہیں!

ظاھر :۔ جو کلام ظاہرالمراد ہو، وہ قابلِ تاویل ہوگا یا نہ ہوگا۔اگر ناقابلِ تاویل ہو اور ظہور محض (صرف) الفاظ سے ہو تو ''ظاہر'' ہے۔

نص:۔ اگر ظہور، معنیٰ، لفظ کو سیاقِ عبارت سے بھی تائید ہوتی ہو تو ''نص'' (Catagorical) ہے۔

مفسّر ومحکم:۔ جو کلام قابلِ تاویل ہو تو وہ ناقابلِ نسخ ہوگا یا قابلِ نسخ ہوگا۔

(1) اگر قابلِ نسخ ہو تو'' مفسّر'' ہے۔ (2) اور اگر ناقابل نسخ ہو تو ''محکم'' ہے۔

متقابلات (باعتبار خِفاء) :۔خفی ۔مشکل ۔ مجمل ۔متشابہ

خفی (Hidden):۔ جو کلام خفی المراد ہو اور وجہِ خفا نفسِ لفظ نہ ہو بلکہ لفظ کے سوا کوئی عارضی سبب ہو تو یہ ''خفی'' ہے۔

مشکل :۔ اگر خفائے مراد نفس لفظ سے ہو تو، یا تو قرائن میں غور و تامل سے 'خفا' دُور ہوسکتا ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر غور و تامل سے وہ خفا دُور ہوسکتا ہو تو وہ ''مشکل'' ہے۔

مجمل (Brief):۔اگر ہمارے تامل سے 'خفا' دُور نہ ہوسکتا ہو تو تغیر کی امید ہوگی یا نہ ہوگی۔اگر تغیر کی امید ہو تو یہ ''مجمل'' ہے۔

متشابہ (Ambiguous) :۔ اور اگر تغیر کی امید نہ ہو تو یہ ''متشابہ'' ہے۔

احکام متقابلات:۔ حکم ظاہر۔حکم نص ۔حکم مفسّر ۔حکم محکم۔حکم خفی ۔حکم مشکل۔حکم مجمل اور حکم متشابہ درجِ ذیل ہیں!

حکم ظاھر :۔''ظاہر'' پر علم وعمل قطعاً واجب ہے۔

نوٹ:۔ ہر حکم کا بِلاوجہ محتمل مجاز ہونا صرف احتمالِ عقلی ہے جو غیر معتبر ہے۔لہذا ''ظاہر'' کی قطعیت و وجوب پر نرا(صرف) احتمالِ مجاز کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔

حکم نص :۔نص پر علم و عمل واجب ہے مگر عقلاً تمام محتمل تخصیص ہے اور''حقیقت'' محتملِ مجاز۔مگر چونکہ یہ احتمال بھی دلیل سے ناشی نہیں، لہذا ''نص'' کی قطعیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

حکم مفسّر:۔''مفسّر'' پر علم و عمل قطعاً واجب ہے۔''مفسّر'' میں احتمال عقلی نسخ کا ہے۔

حکم محکم:۔''محکم''واجب الیقین اور واجب العمل ہے۔اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ o

نوٹ:۔ ترجیح بوقت تعارض:۔تعارض کی صورت میں ''نص'' پر::مفسّر'' کو اور''مفسّر'' کو''محکم'' پر ترجیح ہوگی۔

حکمِ خفی :۔''خفی'' کے معنیٰ دریافت کرنے میں تفتیش (تحقیق) کرنی چاہیئے کہ یہ ''خفا'' اور''عدم ظہور'' آیا معنیٰ کی زیادتی سے ہے۔مثلاً ''طرار'' (کیسہ بر) میں چوری کے معنیٰ کی زیادتی ہے یا پھر معنیٰ کی کمی سے۔مثلاً''نباش''یعنی کفن چور میں عدمِ حفاظت کی وجہ سے چوری کے معنیٰ کی کمی ہے تو (1) معنیٰ کی زیادتی کی صورت میں حکم متعلق ہوگا۔ (2) اور کمی کی صورت میں حکم متعلق نہ ہوگا۔

حکم مشکل:۔مرادِ متکلم یعنی مرادِ خدا اور رسولؐ پر اعتقاد رکھنا، پھر سیاق وسباق (عبارت) اور قرائن وغیرہ میں کافی تامل کرنا کہ معنیٰ ظاہر ہو جائیں۔

حکم متشابہ:۔اللہ کی مراد پر ایمان رکھے اور اُس پر بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات کے معنیٰ معلوم تھے اور ہم سب کو قیامت کے دن معلوم ہو جائیں گے۔قدیم بزرگوں کا یہی طریقہ تھا۔

نوٹ:۔ جب فرقہ معتزلہ اور مجسمہ وغیرہ بدعتوں سے کام (واسطہ) پڑا تو متاخرین (بعد کے لوگوں) نے بھی متشابہات کی مناسب تاویل شروع کر دی۔

سوال:104:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم چہارم کے تحت باعتبار کیفیتِ دلالت (متعلقات نصوص) کے متعلق تفصیل بیان کرو؟

جواب:۔تقسیماتِ اربعہ کی قسم چہارم۔باعتبار کیفیتِ دلالت:۔(متعلقاتِ نصوص)!

متعلقاتِ نصوص یعنی جس سے الفاظ کے معنیٰ پر دلالت کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

متعلقاتِ نصوص چار (4) ہیں!

عبارۃ النص۔ اشارۃ النص۔ دلالۃ النص۔ اقتضاء النص۔

عبارۃ النص:۔وہ حکم جو معنائے لفظ و سیاق و مقصودِ کلام سے ثابت ہو۔

اشارۃ النص :۔ وہ حکم جو الفاظِ کلام سے بغیر زیادت کے ثابت ہو مگر سیاق (عبارت) اُس کے لئے نہ ہو، چونکہ اشارہ میں سیاق مدد نہیں دیتا۔لہذا بہ نسبت عبارت کہ اشارہ میں خفاء مراد ہے۔عبارت و اشارہ دونوں لفظ سے ثابت ہوتے ہیں لہذا اُن میں عموم بھی ہوتا ہے خصوص بھی۔عبارت و اشارہ میں تعارض ہو تو عبارت کو اشارہ پر ترجیح ہے۔

دلالۃ النص :۔ یعنی الفاظ سے ایک حکم نکلتا ہے، اُس کی علت ایسی واضح ہوتی ہے کہ ہر زبان داں اُس کو سمجھتا ہے۔ کسی قیاسِ فقہی و اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ نیز قیاسِ فقہی ظنی ہے اور دلالۃ النص قطعی ہے۔اِس سے حدود و کفارات تک ثابت ہوتے ہیں۔دلالۃ النص کی مثال!

وَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ میں تافیف یعنی اُف کہنے کی علت ایذا رسانی ہے۔

نوٹ:۔ دلالت بغیر واسطہ کے ثابت ہوتی ہے اور اشارہ بواسطہ علت کے۔''دلالت'' غیر مقصود ہوتی ہے اور''اشارہ''مقصود۔

۔دلالت و اشارہ النص میں تعارض ہو تو بعض کہتے ہیں کہ قوی تر کو ترجیح ہے اور بعض کے پاس علی العموم اشارہ کو ترجیح ہے۔

اقتضاء النص:۔وہ تقدیر ہے جو نص کی تصحیح کے لئے کی جاتی ہے کیونکہ بغیر مقتضاءِ نص کے معنیٰ متحقق نہیں ہو سکتے۔

نوٹ:۔اشارۃ النص بھی قطعی ہے۔وقتِ تعارض اشارہ کو اقتضاء پر ترجیح ہے۔اقتضاء النص کو عموم نہیں کیونکہ وہ لفظ نہیں اقتضاء النص، بقدر ضرورت مانا جائے گا۔

22.1- **بیان** (Narration):۔

سوال:105:۔''بیان'' اور اقسامِ بیان سے مراد کیا ہے مختصر تبصرہ کرو؟

جواب :۔بیان:۔مقصود کے ظاہر کرنے کا نام''بیان'' ہے۔کبھی''بیان'' اُس کلام کو کہتے ہیں جس سے مقصود ظاہر کیا جائے۔جیسے مبہم، مجمل، مشکل کلام محتاجِ بیان رہتا ہے۔

اقسامِ (وجوہِ) بیان:۔وجوہِ بیان پانچ (5) ہیں! 1- تقریر 2- تفسیر 3- ضرورت 4- تبدیل 5۔تغیر

نوٹ:۔ بعض لوگ بیانِ تبدیل کو''نسخ'' کہتے ہیں۔بعض لوگ''استثناء'' کو بیانِ تغیر اور''شرط'' کو بیانِ تبدیل کہتے ہیں، اور''نسخ'' کو اقسامِ بیان میں شریک نہیں کرتے۔

۔قرآن کا بیانِ تفسیر و تقریر خبرِ واحد سے جائز ہے مگر بیان تغیر خبرِ واحد سے جائز نہیں، کیونکہ خبرِ واحد قرآن سے قوت

میں کم ہے۔اس لئے خبرِ واحد سے حکم قرآن میں تغیر نہیں ہوسکتا۔

۔وقتِ ضرورت وعمل سے 'بیان' کی تاخیر جائز نہیں۔ہاں وقتِ خطاب سے 'بیانِ' تقریر وتغیر کی تاخیر جائز ہے۔

1- **بیانِ تقریر** :۔بعض دفعہ کلمہ یا کلام کے معنیٰ ظاہر ہوتے ہیں۔مگر اُن میں مجاز یا خصوص کا احتمال باقی رہتا ہے۔ پس بیانِ تقریر سے ایسی تاکید کی جاتی ہے کہ احتمالِ غیر کا رفع ہوجائے۔

2-**بیانِ تفسیر** :۔بعض دفعہ کلام کی مراد بوجہ کلام کے مجمل یا مشترک یا خفی یا مشکل ہونے کے واضح نہیں ہوتی۔اُس کی توضیح کا نام تفسیر ہے۔

3- **بیانِ ضرورۃ** :۔گو بیانِ ضرورت کے لئے کوئی دلالت کرنے والا لفظ نہیں ہے مگر مقتضائے کلام کی ضرورت سے وہ بیان حاصل ہوتا ہے۔بیانِ ضرورت کی چار (4) قسمیں ہیں جن میں سکوت (خاموشی)، خود مراد (رضا مندی) پر دلالت کرتا ہے!

1)- بیان ایسا واضح ہو کہ مثلِ کلام کے ہو، مثلاً کیا زید آیا؟ کے جواب میں صرف ''آیا''۔

2)- متکلم کا حالِ بیان مراد پر دلالت کرے، مثلاً باکرہ کا سکوت اطلاعِ نکاح پر حکم میں ''اِذن'' (ہاں) کے ہے۔

3)- دھوکہ کے دفع کے لئے مثلاً، شفیع کا سکوت اطلاعِ بیع پر حکم میں ''اِذن'' ہے

4)- دفعِ طولِ کلام کے لئے مثلاً، پانچ سو دو رپئے بہ عوض پانچ سو اور دو روپیہ ہوں گے۔

4- **بیانِ تبدیل** (نسخ):۔(1) اگر ایک زمانہ میں اقتضائے مصلحت سے ایک حکم دیا گیا ہو اور دوسرے زمانے میں مصلحت بدل جانے کی وجہ سے دوسرا حکم دیا گیا ہو تو پہلا حکم ''منسوخ'' اور دوسرا حکم ''ناسخ'' ہے۔

نوٹ:۔منسوخیت کا محل ممکن ہے کہ عقل ہو، پس جو حکم عقلی یا واجب لذاتہ ہو جیسے!

''ایمان'' یا ممتنع لذاتہ ہو جیسے ''کفر'' وہ منسوخ نہیں ہوتا۔ جو تابید (صاف طور سے) اور دوام پر دلالت کرے، جیسے ''نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ''۔

۔اب کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے آپؐ ''ناسخ'' کے بیان کرنے والے تھے۔

۔واضح ہو کہ ''دوام'' صریح لفظ سے ثابت ہوتا ہے یا دلالت سے۔

(2) اگر ایک خاص وقت کے لئے ایک حکم دیا گیا تھا اور وقت کے گذر جانے کے بعد وہ حکم اُٹھ گیا تو اُس کو ''نسخ'' نہیں کہتے۔عمل سے پہلے بھی حکم کا نسخ ہوسکتا ہے۔

۔ضعیف قوی کا ناسخ نہیں ہوسکتا۔لہذا قیاس اجماع کا۔ اجماع خبر واحد کا۔ اور وہ خبرِ متواتر کا یا قرآن کا ناسخ نہیں ہوسکتا۔

۔اکثر کا قول ہے کہ قرآن کا ناسخ خبرِ متواتر سے جائز ہے۔

۔نص کا کوئی وصف جاتا رہنا بھی نسخ ہی کی ایک قسم ہے مثلاً کسی نص کے عموم یا اطلاق کا جاتا رہنا بھی نسخ ہی ہے۔

۔احادیثِ مشہورہ سے قرآنِ مجید پر زیادتی جائز ہے۔خبرِ متواتر ومشہورہ کے سوائے دوسرے سے زیادتی جائز نہیں، نہ خبرِ واحد سے نہ قیاس سے۔نسخِ حکم بغیر بدل کے بھی جائز ہے۔

۔ایک حکم کا نسخ دوسرے ایسے حکم سے جو اول سے کمتر یا برابر بلکہ سخت تر ہو تو بھی جائز ہے۔

5- **بیانِ تغییر**:۔

سوال:106:۔بیانِ تغییر،اقسامِ تغییر اور حکمِ تغییر کے متعلق جامع تبصرہ کرو؟

جواب:۔**بیانِ تغییر**:۔ بیانِ تغییر وہ ہے جس سے لفظ کے ظاہر معنیٰ میں تغیر (Changes) آجائے۔

بیانِ تغیر میں مغیر کا متصل اور کلامِ غیر کا مستقل ہونا ضروری ہے۔

بیانِ تغییر کے کئی اقسام ہیں!

1- استثناء 2- شرط 3- صفت وغائت 4- قرینہ،مجاز وغیرہ۔

1- **استثنـــــاء** (Exemption):۔ مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کی مقدار نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے اس کو بیان کرنا مقصود ہو۔

2- شرط:۔لغت میں موقوف علیہ کو ''شرط'' کہتے ہیں۔''شرط'' دوطرح (معنی) پر ہے!

- وہ امرِ خارجی جس پر شئے موقوف ہو مگر اس پر مرتب نہ ہو۔

- وہ شئے جس پر حکم مرتب ہو۔

پہلے معنیٰ کے لحاظ سے انتفاعِ (فائدہ) شرط سے انتفاعِ مشروط ہوتا ہے۔

دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے انتفاع شرط سے انتفاع مشروط ضرور نہیں،کیونکہ ممکن ہے کہ کسی اور شرط سے مشروط ہوکر پایا جائے۔

''شرط'' بھی دوقسم پر ہے (A) عقلی (B)- شرعی

(A)- شرطِ عقلی:۔جس کے شرط ہونے کا حکم عقل نے کیا ہو۔جیسے''وجودِ عرض'' کے لئے''وجودِ جوہر'' شرط ہے۔

(B)- شرط شرعی:۔ جس کو شرع نے مشروط کیا ہو، جیسے ''نماز'' کے لئے ''وضو''

نوٹ:۔ ''شرط'' بھی مخصّصاتِ متصلہ سے (Conditional) ہے۔ جو چیز ''شرط'' پر معلق ہوتی ہے وہ اُس وقت تک سببِ حکم نہیں بنتی جب تک شرط نہ پائی جائے۔

۔پس معلق بالشرط کا وجود شرط کے وقت سبب بنے گا، وقت سے پہلے نہ بنے گا۔

۔شرط موجود نہ ہونے تک معلق بالشرط اپنے عدم اصلی کے سبب سے معدوم رہتا ہے، نہ کہ عدم شرط کی وجہ سے کیونکہ علیق (تعلق)' مِلک یا سبب سے وابستہ ہوتی ہے۔

3- صفت و غایت (تغیر حکم بصفت):۔ صفت دو طرح کی ہے۔(a)- جو ذات کی قید ہو۔(b)- جو اتفاقی ہو۔پس صفت سے بھی حکم میں تغییر ہوتی ہے۔

۔صفت کے تین درجہ ہیں ادنیٰ اوسط اعلیٰ۔

صفتِ ادنیٰ:۔ وہ صفت جو قیدِ اتفاقی ہو۔اور اس سے غرض متعلق نہ ہو، جیسے رَبَآ ئِبُکُمُ اللّٰا تِیْ فِیْ حُجُوْرِ کُمْ میں ''فِیْ حُجُوْرِ کُمْ'' قیدِ اتفاقی ہے۔

صفتِ اوسط:۔وہ صفت جو شرط کے معنیٰ میں ہو جیسے مِنْ فَتَیَا تِکُمُ الْمُؤْمِنَاتِ میں ''مُؤْمِنَاتِ'' بطور شرط ہے۔

صفتِ اعلیٰ:۔وہ صفت جو علت کے معنیٰ میں ہو جیسے اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃِ۔اہل اصول کے پاس علت کے انتفاع (فائدہ) سے معلول کا انتفاع ضروری نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ معلوم دوسری علت کے ساتھ پائی جائے۔صفتِ اعلیٰ کا جب یہ حال ہے تو دوسری صفات کے انتفاع سے معلول کا انتفاع کیوں کر لازم آئے گا۔

حَمل (محمول):۔

سوال:107:۔ قضیہ یا جملہ خبریہ کے اجزاء بیان کرو۔اور مَحمول میں حَمل کی تحقیق کی کیا صورت ہے؟ حَمل مطلق و مفید، مفہوم موافق اور مفہوم مخالف سے کیا مراد ہے واضح سمجھاؤ؟

جواب:۔قضیہ یا جملہ خبریہ (Sentence) کے تین اجزاء (Parts) ہوتے ہیں۔

1- موضوع (Subject) 2- محمول (Verb) 3- نسبتِ تامّہ خبریہ (Object) ہم یہاں صرف ''حَمل'' (محمول) کی تحقیق کریں گے!

جب ہم کہتے ہیں ''زید قائم ہے''۔تو کیا ہوتا ہے؟ خارج اور واقع میں (Physically) ''زید'' الگ اور ''قائم''

الگ نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں ایک ہیں۔ اِس کو خارج یا منشا یا واقعہ کہتے ہیں۔ جو ایک ہی شئے ہے مگر ذہن (Mind) میں ''زید'' الگ ہے اور ''قائم'' الگ ہے۔ ذہن ہی میں ''زید'' پر قائم کا حکم کیا جاتا ہے۔ اِسی حکم کے ذریعہ سے واقعہ کا انکشاف ہوتا ہے۔ اِس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ ''حَمل'' ذہن میں دو مغائر مفہوموں پر حکم لگانا ہے کہ وہ خارج مین وجوداً ایک ہیں۔

واضح ہو کہ ''حَمل'' دو طرح پر ہوتا ہے (1) **حمل بالمواطاۃ** (2) **حملِ بالاشتقاق**

حمل بالمواطاۃ:۔ ایک شئے کا ایک شئے پر بلا واسطہ محمول ہونا۔ جیسے ''زید قائم ہے''۔

حمل بالاشتقاق:۔ ایک شئے بلا واسطہ محمول نہیں ہوتی بلکہ اِس سے ایک مشتق (Derivative) بنایا جاتا ہے جو محمول ہوتا ہے۔ مثلاً ''زید'' پر قیام کا حمل بالاشتقاق ہے کیونکہ قیام سے قائم مشتق لے کر قیام والے کو ''زید'' پر حمل کی گیا۔ پس قیام کا حمل ''زید'' پر بالاشتقاق ہے اور ''قائم'' کا حمل بالمواطاۃ۔

حَمل مطلق و مفید:۔ قرآن میں نصِ مطلق ومفید کے وارد ہونے کی پانچ صورتیں ہیں!

1- غیر حکم میں وارد ہوں۔ مثلاً اسباب وشروط میں تو مطلق کا ''حَمل'' مقید پر نہ ہوگا۔

2- ایک ہی حکم ایک ہی حادثہ میں وارد ہو تو مطلق کو مقید پر ''حمل'' کیا جاتا ہے۔

3- مطلق ومفید ایک ہی حکم میں وارد ہوں اور حادثے دو ہوں تو حنفیہ کے پاس مطلق کا ''حَمل'' مقید پر نہ کیا جائے گا۔

4- حادثہ ایک ہو اور حکم دو ہوں تو حنفیہ کے پاس مطلق کا ''حَمل'' مقید پر نہ ہوگا۔

5- دو حکم دو حادثوں مین وارد ہوں تو مطلق کا ''حَمل'' بالاتفاق مقید پر نہ ہوگا۔

مفہوم (Connotation) :۔ امام شافعیؒ کے پاس مدلول مطابقی و تضمنی (Corresponding & Critical Argument) کو ''منطوق'' (قول) اور مدلول التزامی کو ''مفہوم'' کہتے ہیں۔

مفہوم کی دو قسمیں ہیں! (1) مفہوم موافق (2) مفہوم مخالف

مفہوم موافق:۔ مسکوت عنہ (سکوت یا خاموشی) نفی واثبات میں ''منطوق'' کے حکم میں ہو۔

مفہوم مخالف:۔ مسکوت عنہ اُس حکم میں منطوق کے مخالف ہو۔

مفہوم مخالف کی شرط یہ ہے کہ!

1- منطوق کا ذکر بطریق عادت کے نہ ہو۔

2- مفہوم مخالف منطوق سے اولیٰ یا اس کے مساوی نہ ہو۔

3- منطوق کسی سوال کے جواب میں نہ ہو۔

4- منطوق کسی حادثہ کی بناء پر نہ ہو۔

5- نہ اس لئے ہو کہ سامع ناواقف اُس حکم سے واقف ہو جائے۔

22.2- تاویلِ وجودی :۔

سوال:108:۔تاویلِ وجودی سے مراد کیا ہے؟ ''وجود'' کے اقسام پر واضح تبصرہ کرو؟

جواب:۔تاویلِ وجودی:۔اکثر لوگ باہم اختلاف کرتے ہیں، ایک شخص ایک قسم کا ''وجود'' مانتا ہے اور دوسرا دوسری قسم کا۔کسی قسم کا ''وجود'' نہ ماننا صریح انکار ہے۔اور اعلیٰ قسم کا وجود جب تک محال ثابت نہ ہو، ادنیٰ قسم کا وجود مان لینا انکار نہیں ہے مگر ایک قسم کا جہل وتعدی (زیادتی) ضرور ہے۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ وجود کے محال (ممکن) نہ ہونے کے وقت ادنیٰ درجہ کے 'وجود' کے قائل کی تکفیر کی ہے۔

'وجود' کی قسمیں:۔''وجود'' کی کئی قسمیں ہیں!

1- وجودِ خارجی یا عینی یا شہادی یا ذاتی (External Being)۔

2- وجودِ خیالی یا حسی (Notional Being) 3- وجودِ عقلی (Rational Being)۔

4- وجودِ شبہی (Simili Being) 5- وجودِ مجازی (Metophorical Being)۔

وجودِ مجازی کی پھر دو قسمیں ہیں۔(a) مجاز عقلی (b) مجاز لغوی

1- **وجودِ خارجی** :۔ ہمارے ذہن، حِس (Sense) اور عقل سے خارج ذاتِ شئے کا ''وجود''، وجودِ خارجی کہلاتا ہے۔مثلاً زید ہے۔یعنی خارج میں اپنی ذات سے ہے۔ہم نے ذاتِ زید کو دیکھ کر اُس کو موجود فی الخارج ادراک (Percept) کیا ہے۔

وجودِ خارجی یا ذاتی بھی دو قسم کا ہے!

1- **وجودِ خارجی لذاتہ**، یعنی دوسرے سے متضاد نہیں بلکہ خود بخود بے واسطہ ہے۔مثلاً خدائے تعالیٰ موجود ہے۔

2- وجود بواسطہ، ممکنات و مخلوقات کا وجود لذاتہ نہیں ہے بلکہ قدرت و خَلق و اَمرِ الٰہی سے موجود ہے۔ مثلاً زید ہے یعنی خدا کے پیدا کرنے سے یا مثلاً نورِ شمس (سورج) ہے جو لذاتہ اور قمر (چاند) ہے جو مستفادِ نورِ شمس سے ہے۔وہ جو لذات و بالذات ذاتِ حق میں منحصر ہے۔

2- **وجودِ خیالی یا حِسی** (Notional Being) :۔

وجودِ خیالی یعنی ہم خارج میں زید کو دیکھ کر اِس کے فوٹو یا صورت کو اپنے حاسہ (احساس) میں لاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ حواسِ خمسہ ظاہری (Five Physical Senses) سے تمام صورتیں حسِ مشترک (Cmmon Sense) میں جو ایک خاص قوت (Potential) ہے جمع ہوجاتی ہیں اور ہم کو نظر آتی اور محسوس ہوتی ہیں۔ بہرحال جب حسِ مشترک سے التفات (توجہ) ہٹ جاتا ہے تو یہ صورتیں اُن کے خزانہ میں جس کو ''خیال'' (Notion) کہتے ہیں مخزون و جمع ہوجاتی ہیں۔ پھر جب دوبارہ التفات کرتے ہیں تو پھر حسِ مشترک میں واپس آ کر دوبارہ نظر آتی ہیں۔ مثلاً ہم نے زید کا ایک زمانہ کے بعد خیال کیا اور اُس کی صورت خزانۂ خیال سے حسِ مشترک میں آ کر نظر آنے لگی۔

خیال بھی دو قسم کا ہے۔ (1) خیالِ متصل (ہمارا اپنا خیال) (2) خیالِ منفعل (عالم کا خیال جس کو عالم مثال کہتے ہیں)

یہ ہمارا خیال ہمارے تحت قدرت ہے۔ جب چاہیں دیکھ لیں۔ مگر عالمِ مثال ہمارے تحت قدرت نہیں ہے۔

واضح ہو کہ خواب میں خیالی صورتیں خود ہم سے (نفس سے) پیدا ہوئیں تو یہ خواب اضغاث احلام یعنیٰ واہی تباہی خواب ہے۔ اگر خیالی صورتیں خواب میں عالم مثال سے نظر آئیں تو یہ ''رویائے صادقہ'' ہے۔ بعض دفعہ خود ہمارا تخیل (خیال) قوی ہو کر نہ صرف ہم کو بلکہ دوسروں کو بھی نظر آتا ہے۔ ہمارے شخصی خیال سے عالم مثال کا یک واسطہ ایک ربط (Connection) ہے۔ جب ہمارا خیالِ شخصی ایک نقطہ پر جم جاتا (Focus ہوتا) ہے تو عالم مثال جلد منکشف ہوجاتا (کُھل جاتا) ہے۔ اِس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب ''کشکولِ قادری'' حصہ اول ملاحظہ فرمائیں۔

3- **وجودِ عقلی** :۔ صور وخیال وخصوصیات سے مجرد ہو کر ایک کلی ومطلق و مجرد معنیٰ کا وجود، وجودِ عقلی یا وجودِ مجرد کہلاتا ہے مثلاً غضب ایک قوت ہے کہ دفعِ اعداء (دشمنان) اور اُن پر غلبہ حاصل کرتی ہے۔

واضح ہو کہ ہمارے (آدمی کے) غضب میں اُس قوتِ (غضب) کے اظہار کے وقت خونِ دل بہ غرض انتقام جوش کرتا ہے اور چہرہ سرخ ہوجاتا ہے۔ مگر غضبِ کلی میں جوشِ خونِ دل کو دخل نہیں۔ پس غضبِ اللہ میں جوشِ خونِ دل نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت ہے جو لوازمِ جسمِ بشری سے پاک ہے اور جس کے لئے وجودِ خیالی نہیں بلکہ ''وجودِ عقلی'' ہے۔

وجودِ شبھی :۔ ایک شئے سے اِس کا شبہ مراد لینا۔ یا یوں سمجھ کہ ایک شئے کا اس کے شبیہ ومشابہ کی صورت میں نظر آنا ''وجودِ شبھی'' ہے۔ مثلاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''علم'' کو دودھ کی صورت میں دیکھا۔ یا قہر کو کسی نے آگ

کی صورت میں دیکھا۔ یا اسماء وصفاتِ الٰہی کو بعض بعض شبہی صورتوں میں۔ پس قہرِ خدا کا وجود شبہی ''آگ'' ہے۔ وجودِ شبہی میں سے اس کی حقیقت کی طرف راہ نکال لینا تشبیہی خواب یا کشف کی ''تعبیر دینا'' لیاقت کا نام ہے۔ اگر کسی نے یہ دیکھا کہ قہرِ الٰہی قیامت میں آگ کا تمثل لیتا ہے تو بالکل صحیح ہے یا کسی نے قہرِ الٰہی ہی کو آگ کہا۔ یا آگ کی حقیقت قہرِ الٰہی بتائی تو بھی بالکل دُرست ہے۔ یا کسی نے حجرِ اسود کے یمین اللہ ہونے کے یہ معنی بتائے کہ جس طرح ہاتھ بغرضِ تعظیم چوما جاتا ہے اُسی طرح بغرضِ تعظیم شعائر اللہ حجرِ اسود چوما جاتا ہے، اس لئے حجرِ اسود کو یمین اللہ کہنا دُرست ہے۔ غرض کہ وجودِ شبہی مین ایک قسم کا استعارہ ہوتا ہے جو لوگ واقف ہیں خوب سمجھتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب عینِ ثابت کی تشبیہات وتمثیلات ہی ہیں۔

وجودِ مجازی :۔ کسی علاقہ (تعلق) کی وجہ سے ایک شئے سے اس کا متعلق مراد لیا جائے مثلاً کسی نے کہا کہ ایسی زُوردار بارش ہوئی کہ پَرنالے بہہ رہے تھے تو پَرنالے کی طرف بہنے کی نسبت اس کے مجاور (یعنی قریب کی چیز) پانی کی وجہ سے ہے۔ پس اس نسبتِ مجازی کی وجہ سے ہم پَرنالے کے بہنے کے منکر نہیں۔

دیکھو! ''یَا هَامَانُ ابْنِ لِی صَرْحًا'' (اے ہامان! میرے لئے بلند محل بنا) (القرآن) میں بنا کی نسبت ہامان کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ حکم دینے والا ہے ورنہ تعمیر کا کام تو مزدور کرتے ہیں۔ اسی طرح ''وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ'' (تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے۔ تم میں سے کون جہاد (کوشش) کرنے والا ہے۔ میں عدمِ علم کی نسبت اللہ کی طرف ہے حالانکہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اس علاقہ سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ اور رسول اللہ ہیں۔ اِن تمام مباحث کو یہاں اختصاراً بیان کیا گیا۔

بالجملہ اعلیٰ درجہ کا وجود جب تک ممکن ہو ادنیٰ قسم کا وجود نہ لینا چاہئیے۔ اپنے جہل و نا واقفیت کی وجہ سے جس طرح انکار دُوست نہیں اسی طرح تاویلِ بعید بھی بعید عن الحق (درست نہیں) ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ قرآنِ شریف کا امر (حکم)، وجوب اور فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے خلاف، اباحت (Exemption) کے لئے قرینہ (Context یا تعلق) کی ضرورت ہوتی ہے جیسے'' اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا'' یعنی جب احرام کھول دو، شکار کر سکتے ہو، اور اب شکار کرنے کی ممانعت باقی نہیں۔ اسی طرح نہی یعنی استثنائی حکم کے لئے حرمت (ممانعت) وکراہت (مکروہ) کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔

23- چند مفید اصطلاحیں:۔

سوال :109:۔ اِن اصطلاحوں کی تعریف وضاحتاً بیان کرو جو اکثر قرآن کی عبارت کی تفسیر اور سمجھنے میں

مفید ہوتے ہیں؟ 1- لفظ 2- مفرد 3- مرکب 4- جملہ خبریہ یا قضیہ 5- جملہ انشائیہ 6- وہم 7- شک 8- ظنِ غالب 9- یقینِ تقلیدی 10- علم یقین 11- جہلِ مرکب 12- دلالت 13- مفردات و مدارجِ علم

جواب:۔(1) **لفظ**:۔کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں! 1- مفرد 2- مرکب پھر ان کی بھی مزید اقسام ہیں جن کو درجِ ذیل جدول میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے!

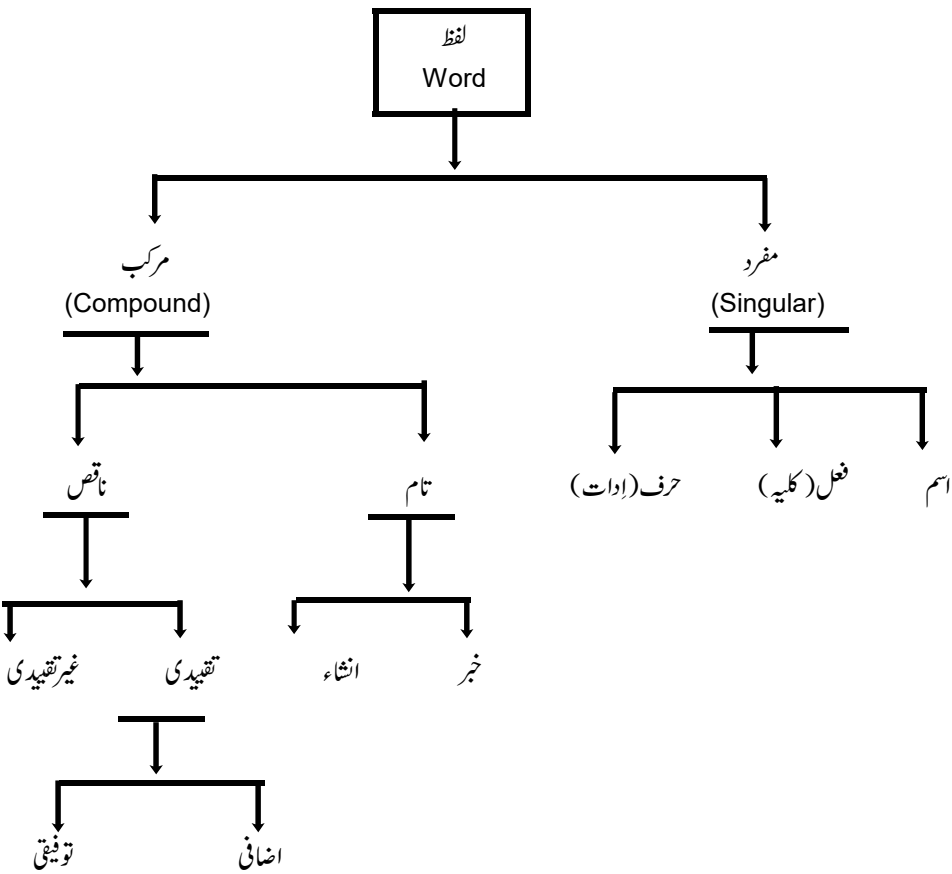

مفرد:۔

2- مفرد :۔ وہ لفظ جس کے جز کی دلالت معنیٰ کے اجزاء پر مقصود نہ ہو۔مثلاً ''عبداللہ'' ایک آدمی کا نام ہے۔

'' مفرد'' کے بنیادی تین قسمیں ہیں۔(a) اِسم (b) فعل کلیہ (c) حرف (اِدات)

(a) اسم:۔ اسم وہ لفظ ہے جس کے معنیٰ مستقل ہوں اور زمانہ پر دلالت نہ کرے جیسے ''زید''۔

(b) فعل (کلیہ):۔جس لفظ کے معنیٰ مستقل نہ ہوں اور زمانہ پر دلالت کرے۔مثلاً ''آیا۔گیا''

(c) حرف (اداۃ):۔جو مستقل معنیٰ پر دلالت نہ کرے بلکہ اسم۔اسم میں یا فعل واسم میں ربط دے۔

مثلاً '' پر، سے،اگر، مگر ''۔

مفرد کے معنیٰ کے لحاظ سے اقسام:۔ ''مفرد'' کی معنیٰ کے لحاظ سے دو اور قسمیں ہیں!

(1) واحد المعنیٰ مفرد (2) کثیر المعنیٰ مفرد جن کو درجِ ذیل جدول میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

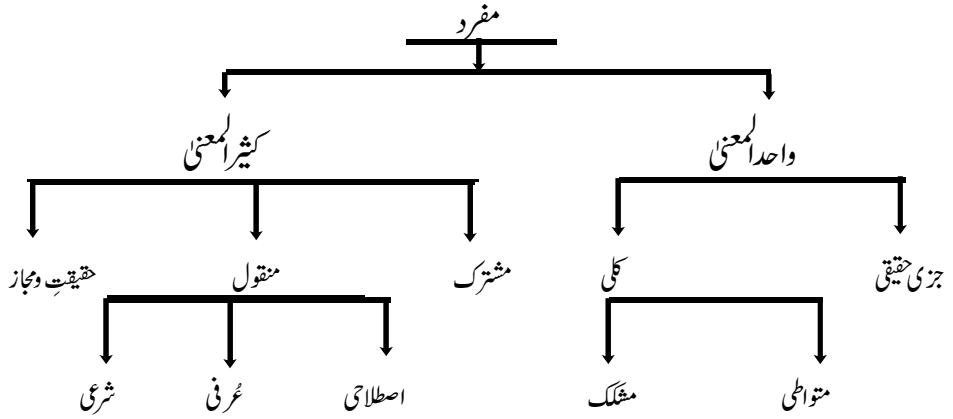

1- **مفرد واحد المعنیٰ**:۔ یعنیٰ جس کے ایک ہی معنیٰ ہوں۔اِس کی مزید دو قسمیں ہیں!

(a) جزی حقیقی (b) کلی

(a) جزی حقیقی:۔ جو بہت سے افراد پر صادق نہ آئے اور جو یقین اور ہاذیت (اک پن) پر مشتمل ہو مثلاً ''زید''۔

(b) کلی:۔وہ مفہوم سے جو بہت سے افراد پر صادق آنے سے انکار نہ کرے اور بہت سوں کو جن پر ''کلی'' صادق آتی ہے اُس کے افراد کہتے ہیں۔مثلاً ''انسان''،کلی ہے اور زید،عمر،بکر وغیرہ اس کے افراد ہیں۔

''کلی'' کے بھی مزید دو قسمیں ہیں!

(a) متواطی (b) مشکک

(a) متواطی:۔ کلی متواطی وہ کلی ہے جس کا صدق افراد پر مساوی طور پر اور بعض افراد پر بہ نسبت بعض افراد کے اولیٰ و اشد نہ ہو۔مثلاً ''انسان''۔

(b) مشکک :۔کلی مشکک وہ کلی ہے جس کا صدق بعض افراد پر اولیٰ یا اشد ہو۔مثلاً ::وجود'' کا مصداق واجب تعالیٰ (اللہ) پر جو بالذات ہے۔اولیٰ واقدام ہے بہ نسبتِ ممکن (مخلوق) کے جو بالعرض ہے۔

2- مفرد کثیر المعنیٰ :۔جن کے لئے کئی معنیٰ ہوں۔اس کی مزید تین قسمیں ہیں!

(a) مشترک (b) منقول (c) حقیقت ومجاز

(a) مشترک:۔یعنیٰ ہر ایک معنیٰ کے لئے لفظ جدا جدا طور سے وضع ومعین کیا گیا ہو۔

مثلاً لفظ ''عین'' کے مختلف معنیٰ کے لئے جدا جدا الفاظ واضح کئے گئے جیسے چشمہ، آنکھ، آفتاب، ذات، سونے سردار اور گھٹنے کے معانی کے لئے وضع کیا گیا۔

(b) منقول:۔وہ لفظ پہلے ایک معنیٰ کے لئے وضع کیا گیا ہو۔پھر دوسرے معنیٰ میں مستعمل یا موضوع ہو، اور معنیٰ اول متروک ہو گیا ہو۔مثلاً کوفتہ یعنیٰ کوٹا ہوا۔اب ''گول کباب'' کا نام ہے۔

پہلے معنیٰ کو منقول عنہ اور دوسرے معنیٰ کو منقول کہتے ہیں۔

منقول کی مزید تین قسمیں ہیں۔ عرفی' اصطلاحی' شرعی

منقولِ عرفی:۔جس کو نقل کرنے والا عرف عام یعنیٰ عام لوگوں کا محاورہ ہو۔مثلاً ''کوفتہ''۔

منقول اصطلاحی:۔جس کا کسی خاص فن کے افراد نے نقل کیا ہو۔مثلاً علم نحو میں ''اسم'' ''فعل''۔''حرف''۔

منقولِ شرعی:۔ جس کو اصطلاحِ شرع نے نقل کیا ہو۔مثلاً ''صوم'' (روزہ رہنا)

صوم کے پہلے معنیٰ ہیں ''روکنا''۔پھر دوسرے معنیٰ ''روزہ'' شرع نے استعمال کیا۔

(c) حقیقت و مجاز:۔

حقیقت:۔وہ پہلا اور اصلی معنیٰ جو مستعمل ہو۔مثلاً ''شیر'' ایک درندہ کا نام ہے۔

مجاز:۔دوسرا معنیٰ جو اصل معنیٰ سے کسی مناسبت و علاقہ (تعلق) کی وجہ سے مستعمل ہو۔جیسے ''بہادر'' کو شیر کہنا، ''شجاعت'' کی مناسبت ومشابہت کی وجہ سے۔

مرکب:۔

3- مرکب:۔ جس لفظ کے جزو کی دلالت معنیٰ کے جزء پر مقصود ہو۔مثلاً ''زید کا گھوڑا''۔

مرکب کی دو قسمیں ہیں (a) تام (b) ناقص

(a) مرکبِ تام:۔وہ جملہ جس سے خبر یا طلب معلوم ہوتی ہے، ''مرکبِ تام'' ہے جس کو سن کر سامع کا 'سکوت' صحیح ہوتا ہے۔

مرکبِ تام جملہ دو طرح پر ہوتا ہے۔جملہ خبریہ ۔ جملہ انشائیہ۔

جملہ خبریہ:۔مرکب تام کے جملہ خبریہ کو ''قضیہ'' بھی کہتے ہیں، جس سے کسی واقعہ کا اظہار ہوتا ہے۔اور وہ صادق (سچا) یا کاذب (جھوٹا) ہوتا ہے، اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہتے ہیں۔ جملہ خبریہ کے تین اجزاء ہوتے

ہیں! موضوع۔محمول۔حکم۔

موضوع یا محکوم علیہ یا مسند الیہ:۔جملہ کا وہ جز جس پر کسی قسم کا حکم کیا جائے۔

محمول یا محکوم یا مسند :۔جس کا حکم کیا جائے وہ ''محمول'' ہے۔

حکم:۔ کسی شئے کا کسی شئے کی طرف نسبت کرنا ''حکم'' ہے۔

نوٹ:۔ جملہ خبریہ میں ایک واقعہ و محکمی عنہ (موضوع) کو بیان و حکایت کیا جاتا ہے۔ جو حکایت اور نسبت محکمی عنہ (محمول) کے مطابق ہو، وہ صادق (سچا) ہے اور جو مطابق نہ ہو، وہ کاذب (جھوٹا) ہے۔مثلاً ''زید قائم ہے''۔میں!

زید=موضوع ،قائم=محمول، قیامِ زید کا ہونا ''نسبت'' ہے۔

۔واقعہ یا حکایت ''مجمل'' اور جملہ یا خبر ''مفصل'' ہوتا ہے۔

5- **جملہ انشائیہ:**۔مرکب جملہ انشائیہ جو کسی واقعہ کو بیان نہ کرے بلکہ اس سے طلب یا جذبہ معلوم ہو۔

مثلاً کیا زید نے مارا ؟

(b) **مرکب ناقص** :۔مرکب ناقص کی مزید دو قسمیں ہیں۔ تقییدی ' غیر تقییدی۔

مرکب ناقص تقییدی:۔ جس میں ایک جزء دوسرے جزء کی قید ہو مثلاً میری کتاب۔

مرکب ناقص غیر تقییدی:۔جس میں قید مقید نہ ہو جیسے ''کتاب''۔

6- **وھم** :۔کسی نسبتِ خبری کو بغیر قوی رائے اور میلانِ دل کے جاننا ''وہم'' ہوگا۔

پس نسبتِ خبری کو کمزور رائے کے ساتھ جاننا ''وہم'' ہے۔

7- **شک**:۔نسبتِ خبری کے متعلق وجوداً یا عدماً، اثباتاً یا نفیاً برابر کی رائے رکھنا ''شک'' ہے یہاں تک کہ تمام صورتیں ''تصور'' کی ہیں اور ''وہم یا شک'' کے آگے ''تصدیق'' کی سرحد ہے۔

8-**ظنِ غالب**:۔ظنِ غالب ''رائے'' کو کہتے ہیں۔''ظن'' کے ساتھ اس کے مخالف کا ''وہم'' رہتا ہے۔

9- **یقینِ تقلیدی**:۔بزرگوں کی تحقیقات کی بناء پر اُن پر اعتماد کر کے یقین رکھنا ''یقینِ تقلیدی'' ہے۔

10- **علمِ یقین**:۔ذاتی تجربہ و تحقیق کی بناء پر یقین رکھنا ''علمِ یقین'' ہے جیسے!

اَعْلَمُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ظاہر ہے کہ ''علم'' یہاں بمعنیٰ تصدیق کے ہے۔اور وہ لفظ ایسے ہیں جو علم ہی سے متعلق ہیں۔

11- **جھلِ مرکب**:۔غلط جاننا اور اس پر یقین کرنا ''جہلِ مرکب'' ہے۔اور نسبت موجودہ کو نہ ماننا اور اس کی مخالف

نسبت کا تعین کرنا ''انکار'' (کفر) ہے۔

12- **دلالت** :۔ ایک شئے کا اس طرح ہونا کہ اس کے علم سے ایک دوسری شئے کا علم ہو جائے ''دلالت'' کہلاتا ہے۔ اس کے دو جز ہیں۔

(a) دال (پہلی شئے) (b) مدلول (دوسری شئے)

دلالت کی مزید اقسام مندرج ذیل جدول میں ملاحظہ ہوں!

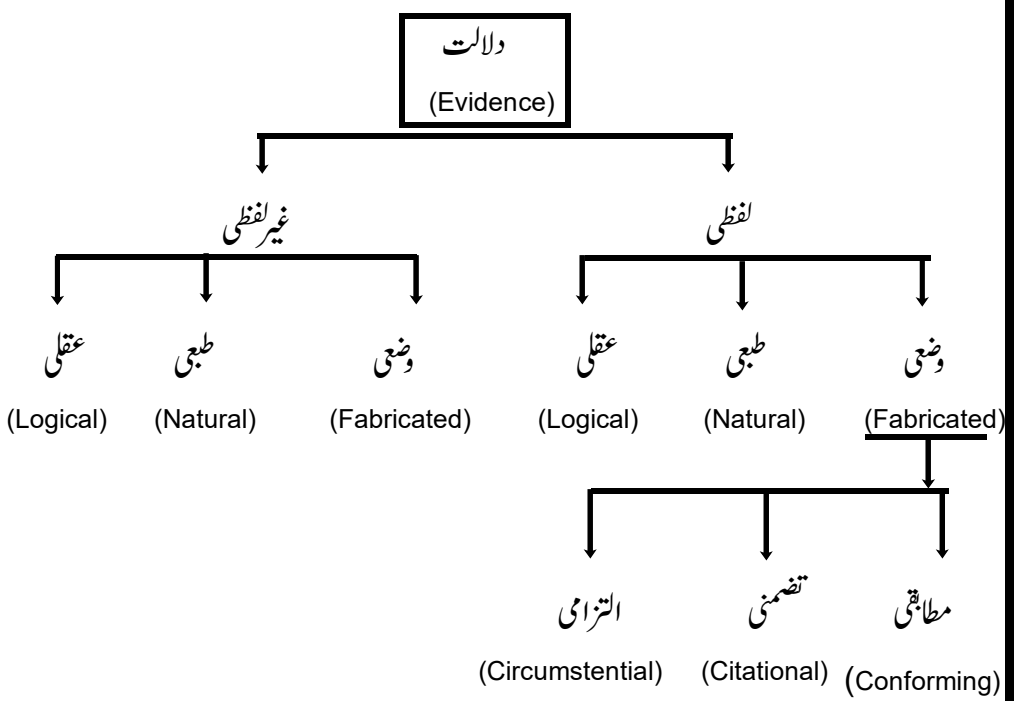

(a) دلالت کی پہلی قسم لفظی اور غیر لفظی ہے۔

دلالتِ لفظی:۔جس میں لفظ ''دال'' ہو جیسے لفظ ''زید'' ایک ذات پر دلالت کرتا ہے۔

دلالتِ غیر لفظی:۔جس میں لفظ کے سوائے کوئی، اور شئے ''دال'' ہو جیسے ''دھویں'' کی دلالت آگ پر۔

(b) دلالت کی دوسری قسم ''طبعی'' (1- عقلی 2- وضعی) ہے۔

دلالتِ طبعی:۔ جس میں ''دال'' کا پیدا ہونا طبیعت اور نیچر کا اقتضاء (Need) ہو۔

لفظی طبعی جیسے اَخ ، اُخ کی آواز سینے کے بلغم پر دلالت کرتی ہے اور غیر لفظی طبعی جیسے رنگ کی سُرخی جو غصّہ پر دلالت کرتا ہو۔

1- **دلالتِ عقلی** :۔جس میں دلالت کا ذریعہ ''عقل'' ہوگی۔جیسے پسِ دیوار پکارنے کی آواز سنی تو، یہاں ''آواز'' پکارنے والے پر ''لفظی عقلی'' ہوگی۔اس طرح دھویں کی دلالت آگ پر دلالت ''غیر لفظی عقلی'' ہوگی۔

2- دلالتِ وضعی:۔کسی شخص نے کسی شئے کو کسی دوسرے شئے پر دلالت کرنے کے لئے مقرر ووضع کیا ہو۔مثلاً لفظ ''زید'' کی دلالتِ ذات، زید پر ''لفظی وضعی'' ہے اور نقش وخط کی دلالت ان کے مخصوص معنوں پر ''غیر لفظی وضعی'' ہے۔

دلالتِ لفظی وضعی کی قسمیں:۔(a) مطابقی (b) تضمنی (c) التزامی

(a) **مطابقی**:۔پورے لفظ کے پورے معنیٰ پر دلالت ہے، جیسے ''انسان'' کی دلالت ''حیوانِ'' ناطق پر۔

(b) **تضمنی**:۔کل کے ضمن میں اجزاء کا سمجھا جانا، مثلاً ''انسان'' سے صرف حیوان یا ناطق کا سمجھا جانا۔

(c) **التزامی**:۔ایک خارج از معنیٰ شئے کا شئے کے ذہن میں آتے ہی آنا، جیسے ''انسان'' کے معنیٰ کے ساتھ قابلیت، کتابت کا خیال بھی ذہن میں آنا۔

نوٹ:۔چونکہ دلالتِ تضمنی والتزامی، مطابقی کے تابع ہیں اور ''تابع'' بغیر ''تبوع'' کے نہیں پایا جاتا اس لئے تضمنی و التزامی بغیر مطابقی کے نہیں پائے جاتے۔

13- **مفرداتِ علم**:۔علم کی دو قسمیں ہیں۔ 1- تصور 2- تصدیق

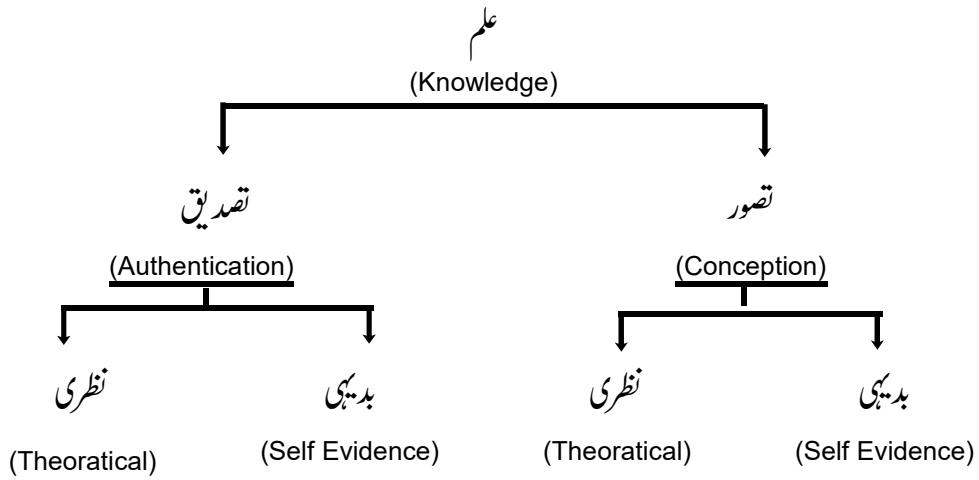

1- **تصور**:۔وہ ''علم'' جو اذعان (ماننے) اور تسلیم کے حد کو نہ پہنچے۔

2- **تصدیق**:۔وہ علم جو اذعان اور مان لینا ہو۔

''تصور'' اور ''تصدیق'' میں ہر ایک کی دو قسمیں (a) بدیہی (b) نظری ہیں۔

(a) **بدیھی یا ضروری**:۔ایسا واضح علم جس میں غور وفکر کی ضرورت نہیں۔

(b) نظری، یا کسبی، یا فکری:۔وہ علم جس میں غور وفکر کی ضرورت ہو۔

نظر و فکر:۔کسی نامعلوم ومجہول کے حاصل کرنے کے لئے اپنے معلومات کی طرف رجوع کرنا۔مناسب معلومات کوانتخاب کرنا۔اُن میں مناسب ترتیب دے کر نامعلوم (مجہول) کو پہنچ جانا اوراس کو دریافت کرنا ''نظر وفکر'' ہے۔

مدارجِ علم:۔علم کی مختلف مدارج یعنیٰ تصور یا تصدیق کے مدارج درجِ ذیل میں ملاحظہ کریں!

''مفرد'' شئے کا علم مثلاً ''زید'' کا۔مرکب غیرتام کا علم مثلاً ''غلامِ زید'' کا۔

جملہٴ انشائیہ کا علم مثلاً ''ماز'' کا سمجھنا۔جملہ خبریہ کا علم یعنیٰ جملہ خبریہ کی نسبت کو سمجھنا بغیر اس کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق میلانِ خاطر ہو بلکہ نرا (صرف) خیال ہی ہو مثلاً ہم نے ''زید قائم ہے'' کو جانا اور واقعہ کے ہونے کے متعلق ہماری کوئی رائے نہ ہوئی۔اِس کو ''تخیل'' کہتے ہیں۔

تخیل:۔نسبت خبری کو بغیر قوی رائے اور میلانِ دل کے جاننا ہے۔

۔: تمت :۔

مصنف کی دیگر تصانیف

سن2000ء میں لطیف اکیڈیمی قائم کی گئی اور علومِ قرآن وعرفانی کتب کی اشاعت کا کام انجام دیا جارہا ہے۔ دینی اصلاحی عنوانات کے تحت اور تفسیرِ قرآن کے آڈیوسی ڈیز کے ذریعہ طلباء کی ٹیلی ایجوکیشن کا اہتمام کیا جارہا ہے۔

اس کے علاوہ درجِ ذیل تمام کتب مفید سوالات وجوابات پر مبنی دستیاب ہیں۔

1- نصاب دینیات (چار جلدوں میں) (بچوں کے لئے)

2- سہل تجویدِ قرآن (بچوں کے لئے)

3- صراطِ مستقیم وراہِ سلوک (طلباء کے لئے)

4- کتب۔ ''کشکولِ قادری'' (دو جلدوں میں)

1- الاحسان والتصوف

2- توحید ومعارف

5- کتب۔ ''نقشِ قدمِ رسولؐ'' (تین جلدوں میں)

1- احوال مفسرین وفنِ تفسیر

2- احوال محدثین وفنِ حدیث

3- احوال مجتہدین وفنِ فقہ

6- سخنستان وجودیؒ (کلام حضرت سید محمد بادشاہ محی الدینؒ وجودیؒ)

7- افکارِ قادری (کلام حضرت سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری، قادریؒ)

Lateef Academy

Toli-Chowki,

Hyderabad-500 008

Ph: 040-23568160

website : https://www.lateefacademy.com